مفکر شہید آیۃ ا... مرتضی مطہری

نہج البلاغہ کی سیر

Presented by www.ziaraat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

مجمع جهانی اهل بیت (ع)

Presented by www.ziaraat.com

مشخصات

- نام کتاب: نهج البلاغه کی سَیر
- مصنّف: مفکّر شہید آیۃ اللہ مرتضی مطہّری رح
- ترجمہ وکتابت: شعبۂ اردو «مجمع جہانی اہلبیت ع» قم
- تعداد: تین ہزار / ۳۰۰۰
- تاریخ: سنہ ۱۳۷۱ ہجری شمسی، ۱۴۱۳ ہجری قمری، ۱۹۹۲ عیسوی
- ناشر: مجمع جہانی اہلبیت ع ــ ایران
- تہران ــ P. O. BOX ۱۵۸۱۵ ــ ۳۵۱۶
- قم ــ P. O. BOX ۳۷۱۸۵ ــ ۸۲۷

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ

کی سَیر

مفکّر شہید استاد مرتضیٰ مطہری

« مجمع جهانی اهلبیت »

Presented by www.ziaraat.com

نهج البلاغه کی سیر

مفکّر شهید آیة ا... مرتضی مطهری رح کے گرانقدر تصنیفات میں سے ایک هے یه کتاب «انتشارات صدرا» نے شائع کی تهی اب اردو زبان برادران وخواهران کی افادیت کے پیش نظر مجمع جهانی اهلبیت (ع) شعبۂ اردو شائع کررهاهے. امید هے که اپنی گرانقدر رائے سے نوازیں گے.

Presented by www.ziaraat.com

باسمہٖ تعالیٰ

مجمع جہانی اہلبیت (ع) شعبۂ اردو کی پہلی

پیش کش

نہج البلاغہ کی سَیر

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

فہرست

نمبر شمار	نام مضامین	صفحہ نمبر
	پیش گفتار	۱۵
	مقدمہ	۳۴
	حصۂ اوّل، حیرت انگیز کتاب	
	بہترین مجموعہ	۴۷
۵	سید رضی اور نہج البلاغہ	۴۸
۶	کلام علیؑ کے دو امتیازات	۵۱
۷	حسن کلام	۵۱
۸	اثر و نفوذ	۵۳
۹	اعترافات	۵۵
۱۰	نہج البلاغہ دور حاضر کے آئینے میں	۶۱
۱۱	شہ پارے	۶۸
۱۲	علیؑ مختلف میدانوں میں	۷۳

Presented by www.ziaraat.com

صفحہ نمبر	نام مضامین	نمبر شمار
۷۷	نہج البلاغہ کے موضوعات و مطالب	۱۳
۷۸	نہج البلاغہ کے مباحث و مسائل پر ایک کلّی نظر	۱۴
	حصّۂ دوم، الٰہیات اور مابعد الطبیعت	۱۵
۸۳	توحید و معرفت	۱۶
۸۸	تلخ اعترافات	۱۷
۸۹	شیعوں کی عقل و فکر	۱۸
۹۵	مابعد الطبیعت مسائل میں فلسفیانہ استدلال و نظر کی اہمیت	۱۹
۱۰۲	آثار و آیات میں تدبّر کی اہمیت	۲۰
۱۰۳	خالص عقلی مسائل	۲۱
۱۰۹	پروردگار کے ذات و صفات	۲۲
۱۰۹	ذات حق	۲۳
۱۱۲	وحدت حق وحدت۔ عددی نہیں ہے	۲۴
۱۱۶	حق کی اولیت و آخریت اور ظاہریت و باطنیت	۲۵
۱۲۱	موازنہ اور فیصلہ	۲۶
۱۲۳	نہج البلاغہ اور کلامی افکار و نظریات	۲۷

Presented by www.ziaraat.com

نمبر شمار	نام مضامین	صفحہ نمبر
۲۸	نہج البلاغہ اور فلسفیانہ افکار	۱۲۵
۲۹	نہج البلاغہ اور مغربی فلسفہ	۱۳۰
۳۰	**حصۂ سوم، سلوک و عبادت**	
۳۱	اسلام میں عبادت	۱۳۵
۳۲	عبادتوں کے درجے	۱۳۶
۳۳	عبادت نہج البلاغہ کی نظر میں	۱۳۸
۳۴	آزاد منشوں کی عبادت	۱۴۰
۳۵	یادِ حق	۱۴۱
۳۶	مقام و منزلت	۱۴۳
۳۷	خدا والوں کی راتیں	۱۴۴
۳۸	نہج البلاغہ میں عبادت اور عبادت گزاروں کی تصویریں	۱۴۶
۳۹	شب بیداریاں	۱۴۷
۴۰	قلبی کیفیات	۱۴۹
۴۱	ترک معصیت	۱۵۴
۴۲	اخلاقی علاج	۱۵۵

Presented by www.ziaraat.com

نمبر شمار	نام مضامین	صفحہ نمبر
۴۳	اُنس و لذت	۱۵۶
۴۴	**حصّۂ چہارم، حکومت و عدالت**	
۴۵	نہج البلاغہ اور مسئلہ حکومت	۱۶۱
۴۶	قدر و قیمت	۱۶۳
۴۷	عدالت کی اہمیت	۱۶۹
۴۸	پہلی دلیل	۱۷۲
۴۹	دوسری دلیل	۱۷۳
۵۰	حضرت علیؑ بے عدالتی کو نہیں دیکھ سکتے تھے	۱۷۶
۵۱	عدالت قربان نہ ہو	۱۷۷
۵۲	لوگوں کے حقوق کا اعتراف	۱۸۰
۵۳	کلیسا اور حق حاکمیت کا مسئلہ	۱۸۱
۵۴	منطق نہج البلاغہ	۱۸۷
۵۵	حکمراں امانت دار ہیں	۱۹۱

Presented by www.ziaraat.com

صفحہ نمبر	نام مضامین	نمبر شمار
	حصۂ پنجم ، اہلبیتؑ اور خلافت	۵۶
۲۰۵	تین بنیادی مسائل	۵۷
۲۰۶	عظمت اہل بیتؑ	۵۸
۲۱۴	احقیت و اولویت	۵۹
//	نص اور وصیت	۶۰
۲۲۰	لیاقت و فضیلت	۶۱
۲۲۱	قرابت و نسب	۶۲
۲۲۵	خلفاء پر تنقید	۶۳
۲۲۷	ابو بکر	۶۴
۲۲۹	عمر	۶۵
۲۳۶	عثمان	۶۶
۲۳۸	قتلِ عثمان میں معاویہ کا ماہرانہ کردار	۶۷
۲۴۹	تلخ سکوت	۶۸
۲۵۱	اتحاد اسلامی	۶۹
۲۵۸	دو ممتاز موقف	۷۰

Presented by www.ziaraat.com

نمبر شمار	نام مضامین	صفحہ نمبر
۷۱	**حصۂ ششم ، بے مثال مواعظ**	
۷۲	دیگر مواعظ سے موازنہ	۲۶۵
۷۳	موعظہ اور حکمت	۲۶۸
۷۴	خطابت اور موعظہ	۲۶۹
۷۵	نہج البلاغہ کے بہترین حصے	۲۷۳
۷۶	مواعظ نہج البلاغہ کے عناصر	//
۷۷	علیؑ کی منطق سے آشنائی	۲۷۴
۷۸	تقویٰ	۲۷۵
۷۹	تقویٰ تحفظ ہے زنجیر نہیں	۲۸۲
۸۰	تقویٰ تحفظ ہے	//
۸۱	معاہدہ	۲۸۵
۸۲	زہد و پارسائی	۲۸۷
۸۳	اسلامی زہد اور مسیحی رہبانیت	۲۹۱
۸۴	دو سوال	//
۸۵	اسلامی زہد کے تین ارکان	۲۹۵

Presented by www.ziaraat.com

نمبر شمار	نام مضامین	صفحہ نمبر
۸۶	زاہد و راہب	۲۹۷
۸۷	زہد و ایثار	۲۹۹
۸۸	ہمدردی	۳۰۱
۸۹	زہد و آزاد منشی	۳۰۶
۹۰	زہد و معنویت	۳۱۳
۹۱	زہد و عشق و پرستش	//
۹۲	دنیا اور آخرت کا تضاد	۳۱۸
۹۳	زہد یعنی کم خرچ بالانشیں	۳۲۱
۹۴	**حصۂ ہفتم، دنیا اور دنیا پرستی**	
۹۵	نہج البلاغہ اور ترک دنیا	۳۳۱
۹۶	مال و دولت خطرات کا سرچشمہ	۳۳۲
۹۷	دولت کا نشہ	۳۳۶
۹۸	مولاؑ کے کلام کا عام رخ	۳۳۷
۹۹	ہر مکتب کی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے	۳۳۸
۱۰۰	مذموم دنیا	۳۳۹

Presented by www.ziaraat.com

صفحہ نمبر	نام مضامین	نمبر شمار
۳۴۱	انسان اور دنیا کا رابطہ	۱۰۱
۳۴۳	اسلام کی منطق	۱۰۲
۳۴۸	قرآن اور نہج البلاغہ کی نظر میں دنیا کی قیمت	۱۰۳
۳۵۶	وابستگی اور آزادیاں	۱۰۴
۳۶۲	اگزیستانسیالیستی کا نظریہ	۱۰۵
//	کیا ارتقاء خود سے بے خود ہونے کا نام ہے	۱۰۶
۳۶۴	خود فراموشی	۱۰۷
۳۶۹	خود کو پانا خدا کو پانا	۱۰۸
۳۷۲	اپنی بازیابی میں عبادت کا اثر	۱۰۹
۳۷۶	چند نکات	۱۱۰
//	دنیا و آخرت کا تضاد	۱۱۱
۳۷۸	تابعیت و مطبوعیت کا رجحان	۱۱۲
۳۸۰	ایسے رہو کہ جیسے ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور ایسے رہو کہ جیسے کل مرجانا ہے۔	۱۱۳

Presented by www.ziaraat.com

پیش گفتار

امام خمینی کی پیغمبرانہ ہدایت وقیادت کی برکت اوران کے ہمراہ قوم کے ایثار وفداکاری نے شہیدان اسلام کے مقدس خون کے پرتو میں، دنیا پہ اسلام کی حاکمیت کے لئے زمین ہموار کردی ہے اسلام کی تجدید اور دشمنان اسلام و مستکبرین جہاں کے خلاف مسلمانوں کے ہمہ جہتی انقلاب نے دور حاضر کے مسلمانوں کے لئے نئی راہ پیدا کردی ہے اس سلسلہ میں مسلمان نوجوانوں ہی میں امنگ پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ آج کی ہماری دنیا بھی اسلام شناسی کے بارے میں سوچ رہی ہے اور اسلام کی معرفت کے نئے باب کھل رہے ہیں ایسی معرفت جو تاریخ کے طویل دور سے دشمنان اسلام کی تبلیغات سے متاثر ہوئے بغیر خالص اسلام محمدی سے سرچشمہ حاصل کررہی ہے۔

تمام مقاصد کے حصول کے لئے منبع نورِ وحی، بہترین سرچشمہ، قریب ترین گھاٹ اور دریا کے مانند وسیع حضرت علیؑ کے کلام کا مجموعہ نہج البلاغہ موجود ہر یہ (کتاب) تمام میدانوں اور آفاق میں ہماری رہبری کرتی ہے بیکراں اور بعید ترین آفاق کی راہنمائی کرتی ہے کہا جاسکتا ہے کہ حکومت وزمام داری سے لے کر معنوی ہدایت اور رہبری تک ہدایت کرتی ہے۔

آپ کی حکومت کا زمانہ مختصر لیکن نتیجہ بخش حکومت کا زمانہ ہے تمام داخلی جنگوں اور دیگر مشکلات کے باوجود اسلام کی حاکمیت کا حساس ترین اور سبق آموز

Presented by www.ziaraat.com

زمانہ ہے آپ کی سیرت و کردار اور روش و گفتار آج کے پر خطر اور مسئولیت آفریں زمانہ میں ہمیں منزل مقصود تک پہونچاتی ہے

واضح رہے کہ بیکراں آفاق تک رسائی کے لئے راہوں کی تلاش اور عرفان و معنویت کی بے پناہ بلندیوں تک پرواز کے لئے ہم میں طاقت نہیں ہے، آپ کی باعظمت شخصیت کا ادراک و معرفت بھی انسانی فہم کے حدود سے باہر ہے حضرت علی (علیہ السلام) آیئنہ نور ومشکوٰۃ اور فروغ فضیلت و ہدایت کا مصداق ہیں۔ نہج البلاغہ آپ کے بے مثال عرفان کی ایک جھلک کا نمونہ اور آپ کی عدالت کے آفتاب کا جلوہ ہے حقیقی اسلام کی حاکمیت کا مظہر ہے مختصر یہ کہ انسان کامل کی نورانیت کی ایک شعاع ہے نہج البلاغہ معارف الٰہی کا موجیں مارتا ہوا سمندر ہے، انسانی معارف کا عظیم اقیانوس ہے۔ دنیا اور دنیا کے پروردگار کی معرفت کا بحر بیکراں ہے، محققین و مفکرین جتنا بھی اس کی آفاقیت و وسعت کے بارے میں غور کریں گے اسی تناسب سے نئے آفاق کا انکشاف ہوگا بلندی کے ان پہلوؤں سے آگہی حاصل ہوگی جن کا سرچشمہ کائنات کی عظمت ہے وہ انسان کو لامحدود معارف الٰہی سے سیراب کرتی ہے اس لئے فضیلتوں کے شیفتہ، حقیقت پسند اور سعادت و معرفت کے متلاشی افراد کے لئے نہج البلاغہ کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے انقلاب اسلامی کے قائد امام خمینیؒ اپنے اس پیغام میں فرماتے ہیں جو ہزار سالہ نہج البلاغہ کانفرنس کے موقع پر دیا تھا فرماتے ہیں۔

نہج البلاغہ آپ کی روح کی مانند ہے جو ہم ایسے بستر مرگ پر سونے والے اور خود خواہی میں مبتلا انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ہے شفایابی کے لئے ایک معجون ہے اجتماعی اور انفرادی زخموں کے لئے مرہم ہے یہ ایسا مجموعہ

Presented by www.ziaraat.com

جو مختلف و متعدد پہلوؤں پر محیط ہے وہ اپنے زمانۂ صدور ہی سے انسان اور انسانی معاشرہ کے ابعاد پر مشتمل ہے خواہ تاریخ جتنی آگے بڑھے اور جتنے معاشرے وجود میں آئیں اور جتنی حکومتیں بنیں اور جتنے بھی مفکرین و محققین اور فلسفی اس میں غور و فکر کریں اور اس میں مستغرق ہو جائیں .....

امید ہے کہ ہزار سالہ نہج البلاغہ کانفرنس میں شرکت کرنے والے صاحبان علم و فکر اس کے عرفانی، فلسفی، اخلاقی، تربیتی، اجتماعی اور نظامی و ثقافتی پہلوؤں کو اپنی علمی توانائی کے مطابق بیان فرمائیں گے اور انسانی معاشرہ میں اس کا تعارف کرائیں گے اور بہترین پیرائے میں اسے پیش کریں گے اور بتائیں گے اس خزانہ کے خریدار، انسان اور نورانی قلوب ہیں رسول اعظم پر بے شمار درود و سلام ہو کہ جنہوں نے اس عظیم ذات کی خود تربیت فرمائی اور کمال انسانیت کی منزل پر سرفراز کیا اور ہمارے مولا پر درود و سلام کہ جو نمونۂ انسانیت اور قرآن ناطق ہیں! ابد تک آپ کا نام باقی رہے گا مولا نمونۂ انسانیت اور مظہر اسم اعظم ہیں آپ صاحبان علم و نظر پر سلام کہ اپنی جانفشانی سے اس مقدس کتاب کے مفاہیم تک رسائی کے راستے پیدا کر رہے ہیں۔

---

1 ہزار سالہ نہج البلاغہ کانفرنس میں امام خمینیؒ کا پیغام

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ کی تدوین

سید رضی (۴۰۶ - ۳۵۹) جو مدون نہج البلاغہ ہیں وہ اور ان کے برادر بزرگوار سید مرتضیٰ (رح) علم الھدیٰ، اسلام کے بڑے مفکرین اور عالم تشیع کی قابل فخر شخصیت ہیں ہر ایک نے علمی، ثقافتی، عقیدتی اور تربیتی آثار چھوڑے ہیں سید رضی (رح) نہج البلاغہ کے دیباچہ میں اس گراں قدر کتاب کی جمع آوری کی علت اس طرح بیان فرماتے ہیں ۔

میں نے عنفوانِ شباب میں خصائص الائمہ نامی کتاب تالیف کی تھی اس کتاب کا وہ حصہ جو امیرالمومنین ؑ سے متعلق تھا اس میں آپ کے کچھ کلمات بھی نقل کئے تھے، میرے بعض دوستوں نے جب ان دل چسپ و بے نظیر اور فصیح و بلیغ جملوں کو دیکھا تو انگشت بدنداں ہو گئے اور مجھ سے اس بات کی خواہش کی کہ ہر چیز سے متعلق حضرت علی کے منتخب اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے تعجب انگیز کلمات اور دینی و دنیوی مطالب پر مشتمل ایک کتاب مرتب کروں جو فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ہو کیونکہ ادبی فنون اور کلام کے صنائع آپ کے کلام سے اخذ کئے گئے ہیں بلیغ سخنوروں اور خطبا ء آپ ہی کے کلام سے مدد لیتے ہیں ان تمام باتوں کے باوجود وہ اس میدان میں کبھی آپ کے برابر نہ آسکے اور سب نے آپ کا ہی اتباع کیا ہے کیوں کہ ان کا کلام علم خدا کا مظہر اور حدیث نبوی کی غماز ہے [1]

([1] مقدمہ، نہج البلاغہ سید رضی رح)

Presented by www.ziaraat.com

پس نہج البلاغہ امیرالمومنین کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے جو تین حصوں پر مشتمل ہے

۱۔ خطب ۲۔ خطوط ۳۔ کلمات قصار۔

اس مجموعہ میں ۲۳۹ خطبے ۷۹ خطوط ۴۷۲ حکمت آمیز کلمات ہیں نہج البلاغہ کا بڑا حصہ خطبوں پر مشتمل ہے جو تقریباً ½ ہے البتہ امیرالمومنین علی ؑ کے کلمات کو نہج البلاغہ ہی میں منحصر نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ آپ کے اور کلمات بھی بہت سی معتبر کتابوں میں محفوظ ہیں مرحوم سید رضی نے آپ کے فقط وہ کلمات جمع کئے ہیں جو فصاحت و بلاغت اور ادبی لحاظ سے مورد توجہ قرار پا گئے تھے کتاب نہج البلاغہ کے علاوہ بھی کچھ اور کتابیں ہیں جیسے غرر الحکم و درر الکلم اور مستدرک نہج البلاغہ اور وہ اشعار جو حضرت علی کی طرف منسوب ہیں ان میں بھی آپ کے کلمات سمٹے ہوئے ہیں اور یہ بھی کمال و سعادت کے متلاشی افراد کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں

نہج البلاغہ کے شارح اور مفسرین

آج جب کہ نہج البلاغہ کی تدوین کو ایک ہزار سال پورے ہو رہے ہیں اس طویل عرصہ میں متعدد علوم وفنون کے ماہروں نے نہج البلاغہ کی شرحیں لکھی ہیں فلاسفہ، عرفا، فقہا اور حدیث شناسوں، سیاستدانوں اور اصلاح گردں مختصر یہ کہ ہر محقق نے اپنے علم کے مطابق اس الٰہی پرفیض خرمن سے خوشہ چینی کی اور اس کے انوار ہدایت اور اس کے ہمہ جہت پہلوؤں کو اجاگر

Presented by www.ziaraat.com

کیا ہے بلکہ آپ کی فکر کے بلند پرواز شاہین کا سراغ لگائے ہیں اور ان مفاہیم کو سمجھنے کے لیۓ پرواز کر تے ہیں

اہل سنت کے بڑے عالم ابن ابی الحدید معتزلی نے نہج البلاغہ کی مبسوط شرح لکھی ہے وہ اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں۔

آگاہ ہو جاؤ کہ توحید و عدل اور دوسرے الٰہی مباحث کو آپ ہی سے سمجھا گیا ہے دوسرے اصحاب کے کلام میں اس بلیغ گوہر بے بہا اور فصیح و بلیغ کی جھلک بھی نظر نہیں آتی ہے وہ اس راہ کے سالک نہ تھے وہ ان ظریف و عمیق اور عام افراد کے تصور سے بالا مفاہیم کا ادراک نہیں کر سکتے تھے جو ان مفاہیم کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر بیان کر تے چنانچہ آپ ان مفاہیم کو درک کرتے تھے اور یقین و اعتماد کے ساتھ ذکر کر تے تھے یہ فضیلت میرے نزدیک آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے ؎

نہج البلاغہ کے موضوعات

نہج البلاغہ صرف خدا شناسی اور وعظ و نصیحت یا عبادت و سیاست کی توجیہ کر نے والی کتاب نہیں ہے اگرچہ ان مطالب پر بھی مشتمل ہے

اس میں نئے نئے مطالب اور ظریف و دقیق نکات ہیں نہج البلاغہ میں جو عمدہ اور بنیادی موضوعات بیان ہوئے ہیں وہ یہ ہیں

(۱) الہیات و اعتقادات: فلسفہ، کلام عرفان اور ادیان و مذاہب ـ ـ ـ

Presented by www.ziaraat.com

(۲) اخلاقیات: تعلیم و تربیت، مواعظ اور علم نفسیات ۔۔۔
(۳) احکام: عبادات، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ۔۔۔
(۴) تاریخ: سیرت انبیاء، سیرت پیغمبرؐ اکرم، تاریخ میں سنت الٰہیؑ قوموں کے ارتقاء اور انحطاط کی علت؛ آئندہ کے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ ۔۔۔
(۵) سیاست اور اجتماعی امور: اسلامی حکومت، معاملات، حقوق؛ اقتصاد انتظام اور معاشرہ شناسی ۔۔۔

ان تمام باتوں کے باوجود اسلامی حکومت و سیاست کا موضوع دوسرے موضوعات کی بہ نسبت شرح و لبسط کے ساتھ بیان ہوا ہے خصوصاً خطوط میں اس پر بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے اور اس کے گوناگوں مسائل مورد توجہ رہے ہیں ا

حکومت کرنے اور ملک چلانے کے اصول وضوابط اور منصوبہ بندی انتظامیہ بیعت ومشورہ اور لوگوں کا کردار صلح وجنگ اور خصوصی وعمومی حقوق؛ اجتماعی عدالت، تعمیرات اور آبادی بین الاقوامی رابطے وغیرہ ۔

امیرالمومنینؑ کی زندگی کا ایک حساس ترین دور آپ کی خلافت کا مختصر مگر نتیجہ خیز زمانہ جو تقریباً پانچ سال پر محیط ہے یہ زمانہ نشیب وفراز سے پر تھا لہٰذا آپ کی سیرت عملی اور تقریریں بھی اس انداز کی ہیں ۔

سیاسی قیادت وزمامداری، دوست ودشمن کے ساتھ برتاؤ، جاہلی انحراف سے ٹکر ۔۔۔ معاشرہ کے پیچیدہ امور سے صحیح طریقہ سے نپٹنا آج کے زمانہ میں اسلام کے سیاسی اصولوں سے صحیح آشنائی کے بغیر نپٹنا بہت دشوار ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا اسلامی معاشرہ اسلام کے سیاسی اور حکومت کے

Presented by www.ziaraat.com

نظام کو بیان کرنے اور اس کے اہم نقطۂ نگاہ کو سمجھنے میں انتھک کوشش کرے اور اس علمی اور عملی جہاد میں، اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے یہ دنیا تاریک اور ظلم وستم سے لبریز مادہ ومادی تصورات کے گرداب میں غوطہ کھانے والی اسلامی اقدار کی تشنہ ہے، ان اقدار کو پیش کرنے سے ممکن ہے بشریت کے لئے امید کی کرن پھوٹے اور از سر نو مغرب ومشرق کے مادی تصورات کو ذہنوں سے محو کر کے انھیں صاف کر دے۔

اس سلسلہ میں نہج البلاغہ سے چند نمونوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ اس سلسلہ میں مطلب کی اہمیت اور حضرت کی خاص توجہ واضح ہو جائے۔

الف: وان فی سلطان اللہ عصمۃ لامرکم فاعطوہ
طاعتکم غیر ملوّمۃ ولا مستکرہ بہا واللہ
لینقلن اللہ عنکم سلطان الاسلام ثم لاینقلہ الیکم
ابداً حتی یأرز الامر الی غیرکم،

تمہارے دینی اور دنیوی امور کا تحفظ سلطنت
الٰہی میں ہے بس اس کے بعد آزادانہ اور رغبت
کے ساتھ اس کی اطاعت کرو قسم خدا کی تمہیں
ایسا ہی کرنا چاہیئے ورنہ حکومت اسلامی کو خدا
منتقل کر دے گا اور پھر دوبارہ تمہیں نہیں دے گا
یہاں تک اس کے زمامدار وہ لوگ بن جائیں گے
جو اس کے اہل نہیں ہیں [1]

---

[1] نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ ۱۶۸

Presented by www.ziaraat.com

یہ خطبہ آپ نے جنگ جمل کی روانگی کے وقت اور ناکثین کے فتنہ کی ابتداء میں اور پیمان شکن افراد کی حکومت حق کے مقابلہ میں صف آرائی کے وقت دیا تھا اس میں چند باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) حکومتِ اسلامی سلطنت خدا اور اسلام کی بادشاہت ہے کسی شخص یا گروہ کی حکومت نہیں ہے پارٹیوں اور طبقوں میں درحقیقت قانون اسلام اور احکام الٰہی امام کی قیادت ہی کے ذریعہ نافذ ہوئے ہیں۔

(۲) اسلامی حکومت کا دوام لوگوں کی رضا مندی اور ان کے تعاون کا محتاج ہے اسلام کی مدد کے لئے لوگوں کی آمادگی اسلامی حاکمیت کی ضامن ہے اور لوگوں کا فریضہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں دریغ نہ کریں۔

(۳) حکومت اسلامی کوئی اضافی یا کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی اپنی کوئی حیثیت نہ ہو ہر چند لوگوں کا اسے تسلیم کرنا اور اس کا تعاون کرنا بنیادی حیثیت رکھتا ہے لیکن اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ اطاعت شوق اور رغبت کی بنیاد پر ہو۔ حکومت اسلامی روح اور قلوب پر حکومت کرتی ہے اور روح وقلب تن بدن کو اپنے ساتھ کھینچتا ہے خوف ودہشت سے یا کسی طاقت کے ڈر سے اطاعت کرنا بے فائدہ ہے۔

(۴) جس طرح حکومت اسلامی کا دوام آزادانہ اور بہ رضا ورغبت اطاعت کا نتیجہ اور اس کا ثمر اجتماعی نظام کا صحیح وسالم رہنا ہے اسی طرح اگر لوگ اپنے قائد سے ہم آہنگ نہ ہوں تو یہ عدم اتفاق اس بات کا سبب بنے گا کہ حکومت نااہل کے ہاتھوں میں چلی جائے کہ جس کے ساتھ ساتھ ضلالت وگمراہی بھی آئے گی

ب: وسئل علیہ السلام: ایہما افضل العدل او الجود

Presented by www.ziaraat.com

فقال علیہ السلام : العدل یضع الامور مواضعها

والجود یخرجها من جهتها ، والعدل سائس

عام والجود عارض خاص ، فالعدل اشرفهما

وافضلهما ۔

حضرت علی علیہ السلام سے سوال ہوا کہ عدل افضل

ہے یا سخاوت ؟ آپ نے فرمایا :

عدل تمام امور کو ان کی جگہ پر رکھتا ہے اور سخاوت

انھیں ان کی حدود سے باہر کر دیتی ہے عدالت

عام اور فراگیر تدبیر ہے جو سب کو شامل ہوتی ہے

جب کہ سخاوت اسی سے مخصوص ہو گئی ہے جس

پر بخشش کی جائے گی پس عدل اہم اور برتر ہے[1]

عدل وسخاوت کا موازنہ ، عدالت کی اہمیت اور بالخصوص اجتماعی عدالت

کی قدر وقیمت اور اس کے ہمہ گیر پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہے اسلامی حکومت اور

لوگوں کے فرائض کے بارے میں حضرت علیؑ کے نظریات کو روشن کرتا ہے عدالت

ایسی عام اور وسیع سیاست ہے جس سے تمام افراد فائدہ حاصل کرتے ہیں ۔

جب کہ سخاوت ایک مخصوص تدبیر ہے جس سے خاص گروہ ہی فائدہ اٹھا سکتا

ہے اسلامی حکومت میں رہبری وقیادت کے نظام کو چاہیئے کہ اس کے تمام

منصوبوں کا محور عدالت ہو تا کہ معاشرہ کے سارے افراد کو شامل ہو جائے

1۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام حکمت ۴۶۸

Presented by www.ziaraat.com

پ : استعمل العدل واحذر العسف والحیف فان العسف یعود بالجلاء والحیف یدعو الی السیف
عدالت کو اختیار کرو کج روی اور ظلم سے پرہیز کرو کیونکہ کج روی اور نا انصافی سے آوارگی اور درماندگی پیدا ہوتی ہے اور ظلم وستم سلاح وشمشیر کو دعوت دیتا ہے (نہج البلاغہ حکمت ۴۷۶

ت :

سیاست کے دو مہرے

واللہ ما معاویۃ بادھیٰ منّی ولکنہ یغدر ویفجر ولولا کراھیۃ الغدر لکنت من ادھی الناس ولکن کل غدرۃ فجرۃ وکل فجرۃ کفرۃ "ولکل غادر لواء یعرف بہ یوم القیامۃ" واللہ ما استغفل بالمکیدۃ والا استغمز بالشدیدۃ۔[1]
خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ ذہین نہیں ہے لیکن وہ عہد شکنی اور تباہ کاری کرتا ہے اگر پیمان شکنی اور خیانت ناپسند نہ ہوتی تو میں سب

---

[1] نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ ۱۹۱ صفحہ ۶۴۸

Presented by www.ziaraat.com

سے زیادہ ذہین وزیرک ہوتا لیکن ہر عہد شکنی گناہ
ہے اور ہر ایک گناہ نافرمانی ہے قیامت میں
پیمان شکن لوگوں کی مخصوص علامت ہوگی جس سے
وہ پہچانے جائیں گے قسم خدا کی میں ان کے مکر وفریب
سے غفلت اختیار نہیں کروں گا اور مشکلات و
دشواریوں میں عاجز نہ ہوں گا۔

اس مختصر عبارت میں اسلامی سیاست اور قیادت کی اساس بیان ہوئی ہے بہت سے لوگ سیاست کو عہد شکنی جھوٹ اور مکاری کے برابر سمجھتے ہیں لیکن خدائی نمائندوں کی سیاست میں صداقت وامانت ہوتی ہے لہذا کمال تدبیر اور قدرت کے ساتھ اس کا اجرا ہوتا ہے بعض افراد کا خیال ہے کہ چونکہ دنیا دار اور طاقت وقدرت کا شیفتہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ہر ایک ذریعہ کا استعمال کرتا ہے اور اپنی کرسی بچانے کے لئے مکر وفریب، سازش وشیطنت سے کام لیتا ہے اس لئے ضرور سیاست الٰہیہ کو نافذ کرنے والے بھی ان طریقوں کو اختیار کرنے کے لئے مجبور ہیں یا ان کو بھی اسی سیاست کی پیروی کرنی چاہئے حضرت علی علیہ السلام اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ علت یہ ہے کہ معاویہ طبقاتی منصوبوں کو اپناتا ہے یا اپنے بعض مقاصد کو حاصل کرلیتا ہے تو یہ اس کی دانائی کی دلیل نہیں ہے اس کی نظروں میں مقصد کا حصول مہم ہے اس سلسلہ میں وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

آیۃ اللہ شہید مطہری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ

استاد شہید مطہری عصر حاضر میں دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت ہیں آپ معارف اسلام و قرآن کے عظیم استاد، مکتب ولایت و امامت کے سچے پیروکار اور آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ، آیۃ اللہ العظمیٰ بروجردیؒ اور صاحب تفسیر المیزان علامہ طباطبائی کے نمایاں شاگردوں میں سے ہیں ۔

استاد مطہری ذی استعداد صاحب لیاقت، متقی، مجاہد اور نابغہ ہونے کی وجہ سے دور حاضر کے ان عظیم مفکروں اور اسلام شناسوں میں سے ایک ہیں جن کی نظیر تاریخ اسلام میں بہت کم ملتی ہے،

استاد مطہری معارف اسلام کے ہر میدان میں اپنے مضبوط قلم، تعمیری فکر اور اپنے بیان سے خالص اسلامی فکر کی بیداری و احیاء میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں انھوں نے دسیوں علمی آثار چھوڑے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ قابل قدر اور لائق ستائش ہے ۔

ان کی اہم تصنیفات میں ایک "سیری در نہج البلاغہ" ہے

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ سے استاد کی آشنائی

استاد کتاب کے مقدمہ اور مرحوم حاج میرزا علی آقائی شیرازی[1] سے ملاقات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ میں بچپن ہی سے نہج البلاغہ کے نام سے آشنا تھا اور اسے اپنے والد مرحوم کی کتابوں میں برابر دیکھتا تھا[2]
یہاں تک کہ اپنے مرحوم استاد (آیۃ اللہ... حاج میرزا علی آقائی شیرازی کہ جو زاہد، عابد اور مقام امامت و ولایت کے عارف اور اس صدی کے شائستہ معلم و مزکی تھے اور نہج البلاغہ گویا ان کے گوشت و پوست میں خمیر تھی ان سے اپنے انس و محبت کا ذکر کرتے ہیں استاد اس معنوی و روحانی انسیت کو اس طرح پیش کرتے ہیں۔

استاد کی توصیف

ناشکری ہوگی اگر اس مقدمہ میں اس عظیم استاد انسان کا تذکرہ نہ کروں کہ جس نے مجھے پہلی بار نہج البلاغہ سے آشنا کیا جن کی خدمت میں باریابی میری اپنی

---

1. متوفی ۱۳۲۵ھ آپ کی قبر آج بھی قبرستان شیخان قم میں لوگوں کے لئے زیارتگاہ بنی ہوئی ہے
2. مقدمہ سیری در نہج البلاغہ صفحہ ۱۰

Presented by www.ziaraat.com

عمر کے ایسے گراں بہا ذخیرہ دل میں سمجھتا ہوں (کہ جس کا کسی چیز سے سودا کرنے کو تیار نہیں ہوں) اور کوئی شب و روز ایسا نہیں گزرتا جب ان کی یادیں میری نظروں میں نہ گھوم جاتی ہوں، یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں ان کی یاد، ان کا نام اور ان کا ذکر خیر نہ کروں۔۔۔

سیری در نہج البلاغہ شہید مطہری کی بہترین اور اہم ترین تصانیف میں سے ایک ہے

اس باوزن و گراں بہا کتاب کی عظمت و زیبائی اور گہرائی و گیرائی اس اعتبار سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے کہ استاد شہید مطہری اپنے مایۂ حیات محبوب و معشوق، امام و معشوق آقا حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے مکتب میں ایک آزاد منش عارف اور صاحب اخلاص شاگرد کی حیثیت سے بیٹھے اور کسی دل باختہ تشنہ لب عاشق و محب کی مانند نہج البلاغہ کے موجیں مارتے ہوئے سمندر سے ہونٹوں کو تر کیا اور اس کے پاکیزہ و شیریں شہد حیات سے اپنی روح میں زندگی کے رس گھول لا اور حیات جاودانہ کے حامل روشن و جاودان چشموں سے لب لگا کر کام و دہن کو تراوٹ عطا کی عشق کل سے گفتگو کا سلیقہ سیکھا اور عشق کل کے ساتھ گفتگو کے لیے لب کھولے اور مدینۂ علم کی طرف رسائی پیدا کر کے "ومن عندہ علم الکتاب" کے کوثر سے حکمت کا سبق حاصل کیا اور فلسفۂ حکمت کے دریچے کھلتے چلے گئے اور خیر کثیر سے اپنے دامن عشق کو بھر لیا۔

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ کی سیر

درحقیقت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے ایک باوفا شاگرد نے نہج البلاغہ کی سیر کی ہے یعنی اس نے اپنے محبوب امام و مرشد کے حیات بخش شیریں و بلیغ بیانات میں سیر و سیاحت کی ہے صاحب عصمت و طہارت کے حکیمانہ بیانات کے رکہ جو قرآن کے قدم بہ قدم ہیں "جلوؤں کی تصویر کشی کی ہے لہذا اس اعتبار سے اس کتاب میں جاودانہ رنگ نظر آتا ہے اور گرد خزاں اس کے دامن کو غبار آلود نہیں کر سکتی اس لیے کہ یہ سرچشمۂ وحی سے نکلی ہے اور آل محمد کی محبت سے لبریز ہے اور آپ کا بیان اہل بیت عصمت و طہارت اور امام الائمہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے بیانات کی تفسیر و توضیح ہے۔

چونکہ آنحضرت کا کلام جاودانہ ہے اس لئے استاد کی یہ تخلیق بھی ابدی ہے سچ تو یہ ہے کہ استاد محترم نے اس تخلیق میں عالمانہ بحث کی ہے اور اپنے قلم و بیان کے ذریعہ وادی معرفت کے پیاسوں اور عشق و ولایت کے تشنہ کاموں کو نہج البلاغہ سے سیراب فرمایا

Presented by www.ziaraat.com

مجمع جہانی اہلبیتؑ اور اس کتاب کا ترجمہ

رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای دام ظلہ علی رؤس المسلمین کے حکم سے مجمع جہانی اہلبیت تشکیل پایا ہے " امید ہے کہ یہ مجمع اہلبیت (ع) اور اسلام حقیقی کی نشر واحیاء کرنے اور قرآن کے حقائق کا دفاع کرنے اور دشمنان اسلام کی سازشوں کا مقابلہ کرنے اور اتحاد بین المسلمین پیدا کرنے کے سلسلہ میں مؤثر ثابت ہوگا ادارۂ مذکور نے اس عظیم و نفیس کتاب کو اردو میں ترجمہ کرنے کا قصد کیا تاکہ اردو زبان سے واقف افراد بھی اس سعی بے بہا سے بہرہ مند ہوسکیں اور اس روش و نہج سے کسب فیض کرسکیں ۔

خداوند عالم سب کو توفیق عطا فرمائے اور ساتھ ساتھ اس کتاب کے مترجمین کا بھی شکر گزار ہوں اور بارگاہ احدیت میں دست بدعا ہوں کہ پروردگار سب کو اسلام حقہ کی نشر واشاعت کی توفیق عطا فرمائے

شہید مطہری امام خمینی قدس سرہ الشریف کی نگاہ میں

ہم یہاں امام خمینی (رضوان اللہ تعالی علیہ) کی اس تقریر کا اقتباس کہ جو آپ نے شہید مطہری کی شہادت کے موقع پر فرمائی تھی نقل کرکے اپنی بات کو ختم کرتے ہیں

Presented by www.ziaraat.com

اور درگاہ ایزد منان سے اسلام و مسلمین کی سربلندی کے خواستگار ہیں

میں نے اپنے عزیز فرزند کو کھو دیا ہے اور اس کے
سوگ میں بیٹھ گیا ہوں جوان شخصیتوں میں سے تھا
کہ جو میری حاصل عمر شمار ہوتی ہیں اس عزیز فرزند
اور عالم جاوداں کی شہادت سے اسلام میں وہ خلا پیدا
ہو گیا ہے کہ جسے کوئی چیز پر نہیں کر سکتی ہے وہ قوم
مبارکباد کی مستحق ہے جس میں ایسی شخصیتیں موجود ہوں
جو حیات اور حیات کے بعد اپنے جلووں سے
نور افشانی کرتی ہیں ۔
میں ایسے فرزند کی تربیت کے سلسلہ میں کہ جو اپنی نورانی شعاؤں
سے مردوں کو حیات عطا کرتا ہے اور تاریکیوں کو
نور میں بدل دیتا ہے، اسلام، مربی بشریت اور
امت اسلام کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں
اگرچہ مجھ سے میرا پارۂ تن اور عزیز ترین فرزند چھوٹ
گیا ہے لیکن مجھے اس بات پر فخر ہے کہ اسلام میں
ایسے فداکار فرزند تھے اور ہیں ۔

شہید مطہری کہ جو طہارت روح، قوت ایمان
اور قدرت بیان میں بے نظیر تھا اس دنیا سے سدھارا
اور اپنے خالق سے جا ملا لیکن دشمنوں کو یہ جان
لینا چاہئے کہ مطہری کے چلے جانے سے ان کی

Presented by www.ziaraat.com

اسلامی علمی اور فلسفی شخصیت فنا نہیں ہوتی ہے

افسوس کہ یہ عظیم علمی، فقہی، فلسفی، عرفانی، قرآنی اور دنیائے اسلام کا اور مفکر دماغ، اسلامی انقلاب اور اسلام کے اس حساس ترین حالات میں کہ جب اسلام کی رشد و تازگی اور پھلنے پھولنے اور امت اسلام کے یہ خرمن اسلام سے مستفید ہونے کا وقت آیا تو دشمنان اسلام اور استکبار کے زرخرید مزدوروں اور کوردل منافقوں کے ہاتھوں شہید کر دیا گیا جس سے پیکر اسلام میں ناقابل جبران خلا پیدا ہو گیا امت اسلامی اور بشریت اس الہی سرچشمۂ فیض سے محروم ہو گئی امید ہے کہ اس کے عظیم اور سازندہ علمی آثار امت اسلامی کے کاروان اور آل محمد کے دوست داروں محروموں اور کمزوروں کے لئے راہنما اور راہبر ثابت ہوں گے

بمنہ وبکرمہ
رازی نجف آبادی
۲۹،۲،۷۱

Presented by www.ziaraat.com

بسمہ تعالیٰ

مقدمہ

نہج البلاغہ سے آشنائی

ممکن ہے آپ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہو (اور اگر پیش نہ بھی آیا ہو) تو جو بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں اس کا آپ ذہن میں ایک نقشہ کھینچ سکتے ہیں) آپ ایک شخص کے ساتھ ایک ہی کوچہ اور محلہ میں رہتے اور زندگی گزارتے ہیں کم از کم دن بھر میں آپ ایک مرتبہ اسے ضرور دیکھتے ہیں اور عادت و معاشرت کے مطابق آتے جاتے سلام و دعا بھی ہو جاتی ہے پھر وہ اپنی راہ پر آپ اپنی راہ پر ـ ـ ـ ـ ـ

اسی طرح دن ، ہفتے اور سال گزرتے رہتے ہیں ـ ـ ـ ـ ـ

یہاں تک کہ اتفاقی طور پر آپ کو اس شخص کے ساتھ نشست و برخاست کا موقع ہاتھ آجاتا ہے اور آپ اس کے افکار و خیالات ، میلان و احساسات کو بہت ہی قریب سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں اور "اس کی شخصیت سے" آگاہ ہونے کے بعد کمال تعجب کے ساتھ اپنے آپ سے کہتے ہیں ہم نے تو اس کی شخصیت کے متعلق کبھی اس طرح سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ ایسی عظیم شخصیت ہے اس کے بعد آپ کی نظروں میں اس کی شخصیت بالکل ہی بدل جاتی ہے ، حتیٰ آپ کی نگاہوں میں وہ ایک دوسری شکل اختیار

Presented by www.ziaraat.com

کرلیتا ہے وہ آپ کے دل کی گہرائیوں میں کچھ اور ہی احترام و معنویت پیدا کر لیتا ہے اب اس کی شخصیت کے اندر سے ایک ایسا شخص جلوہ گر ہوتا ہے گویا آپ سوچتے ہیں یہ اس سے الگ کوئی دوسرا شخص ہے جس کو آپ کئی برسوں سے برابر دیکھا کرتے تھے آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ جیسے آپ نے ایک نئی دنیا کشف کر لی ہو ۔

نہج البلاغہ سے میری آشنائی کا بالکل یہی انداز ہے (ویسے تو میں) بچپنے ہی سے نہج البلاغہ کے نام سے آشنا تھا ، اپنے والد مرحوم اعلی اللہ مقامہ کی کتابوں میں اسے برابر دیکھتا تھا ، اس کے بعد کئی سال تک میں تحصیل علم میں مشغول رہا ، عربی کے مقدمات حوزۂ علمیہ مشہد میں طے کئے اور اس کے بعد حوزۂ علمیہ قم میں تکمیلی مراحل طے کئے وہ دروس جن کو حوزہ کی اصطلاح میں "سطوح" یا درجوں سے تعبیر کیا جاتا ہے تقریباً ختم ہونے والے تھے اور اس پوری مدت میں قرآن کے بعد جس کتاب کے نام سے سب سے زیادہ کان آشنا ہوئے تھے وہ نہج البلاغہ تھی زہد کے بارے میں چند خطبے ذاکرین سے اتنی مرتبہ سنے تھے کہ تقریباً مجھے حفظ ہو گئے تھے ، لیکن مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اپنی صف کے دیگر تمام طلبہ کی طرح میں بھی نہج البلاغہ کی دنیا سے بیگانہ تھا بیگانوں کے انداز سے اسے دیکھتا پڑھتا اور گزر جاتا تھا یہاں تک کہ قم میں پانچ سال گزارنے کے بعد ۱۳۲۲ھ ش میں وہاں کی گرمی سے بھاگ کر گرمیوں کا زمانہ گزارنے کی غرض سے اصفہان گیا ۔ وہاں ایک اتفاق نے مجھے ایک ایسے شخص سے آشنا کیا جو نہج البلاغہ سے آشنا تھا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور نہج البلاغہ کی دنیا کی سیر کرادی اس وقت میں نے دل کی گہرائیوں سے سوچا کہ میں اس کتاب کو نہیں پہچانتا تھا اور پھر برابر میری تمنا یہی رہی کہ اے کاش کوئی مجھے قرآن کی دنیا سے بھی آشنا کر دیتا ۔

اس کے بعد میری نظر میں نہج البلاغہ کی تصویر ہی بدل گئی میں اس کے خدوخال

Presented by www.ziaraat.com

پر فریفتہ ہو چکا تھا اب وہ میری محبوب و پسندیدہ قرار پا چکی تھی گویا یہ وہ کتاب نہیں تھی جس کو میں بچپن سے دیکھتا چلا آرہا تھا مجھے ایسا لگا جیسے میں نے کسی نئی دنیا کا سراغ لگایا ہے۔

مصر کے سابق مفتی شیخ محمد عبدہ کہ جنہوں نے نہج البلاغہ کو مختصر شرح کے ساتھ مصر میں چھپوایا اور نشر کیا اور پہلی بار مصر کے عوام کو نہج البلاغہ سے آشنا کیا، مدعی ہیں کہ میں نہج البلاغہ سے بالکل واقف نہیں تھا اور اس کے متعلق انہیں کوئی آگاہی نہ تھی یہاں تک کہ وہ وطن سے دور ایک اتفاق کے تحت اسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور ایسا محسوس کرتے ہیں کہ جیسے کوئی گراں بہا خزانہ پالیا ہو اسی وقت اس کی نشر و اشاعت اور عرب کو اس سے آشنا کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں ایک سنی عالم کی نہج البلاغہ سے بیگانگی حیرت انگیز نہیں ہے تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ نہج البلاغہ خود اپنے شہر و دیار میں شیعیان علیؑ کے درمیان شیعوں کے علمی مدارس اور حوزوں میں بالکل علی علیہ السلام کی ہی طرح غریب و تنہا ہے ظاہر ہے کہ اگر کسی کتاب کے مضامین یا کسی شخص کے افکار و نظریات و عواطف و احساسات لوگوں کی روحانی دنیا کے ساتھ سازگار نہ ہوں تو وہ کتاب یا وہ شخص عملی طور پر تنہا و بیگانہ ہی رہے گا ہر چند اس کا نام بڑے ہی عظمت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہو۔

ہم طلبا، کو اس بات کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہم نہج البلاغہ سے بیگانہ ہیں ہم نے اپنے لیۓ جو روحانی دنیا بنائی ہے وہ نہج البلاغہ کی دنیا کے علاوہ ایک دوسری ہی دنیا ہے۔

یادِ استاد

ناشکری ہوگی اگر اس مقدمہ میں اس عظیم انسان کا تذکرہ نہ کروں کہ جس نے مجھے

Presented by www.ziaraat.com

پہلی بار نہج البلاغہ سے آشنا کیا جن کی خدمت میں باریابی کو میں اپنی عمر کے ایسے گراں بہا ذخیروں میں سمجھتا ہوں (کہ جس کا میں کسی چیز سے سودا کرنے کو تیار نہیں ہوں) اور کوئی شب و روز ایسا نہیں گزرتا کہ جب ان کی یادیں میری نظروں میں نہ گھوم جاتی ہوں یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں ان کی یاد ان کا نام اور ان کا ذکر خیر نہ کروں ۔

میں جرأت کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ وہ حقیقت میں ایک عالم ربانی تھے اگرچہ میرے اندر یہ جرأت نہیں ہے کہ میں خود کو اس وقت "سبیل نجاة" [1] کا حامل متعلم کہہ سکوں مجھے یاد ہے کہ ان سے ملاقات کے وقت ہمیشہ شیخ سعدی کا یہ شعر میرے ذہن میں گردش کرنے لگتا تھا ۔

عابد و زاهد و صوفی همه طفلان رهند
مرد اگر هست به جز "عالم ربانی" نیست
عابد و زاہد و صوفی سبھی بچے ہیں یہاں
ہے اگر مرد، تو بس "عالم ربانی" ہے

وہ فقیہ بھی تھے حکیم بھی ، ادیب بھی تھے طبیب بھی وہ فقہ و فلسفہ اور عربی و فارسی ادبیات اور قدیم طب سے کامل طور پر آگاہ تھے ۔

اور بعض میں صف اول کے ماہر شمار ہوتے تھے بو علی سینا کی کتاب "قانون" جس کو آج کوئی پڑھنے والا نہیں ہے اسے آپ بخوبی پڑھاتے تھے اور حوزہ علمیہ کے فضلا آپ کے درس میں شرکت کرتے تھے لیکن ان کو ہرگز کسی ایک میدان درس میں مقید و منحصر نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ ان کی روح کے لیے کسی بھی قسم کی قید و بندش ناسازگار تھی صرف ایک درس جو وہ وفور شوق کے ساتھ دیتے تھے نہج البلاغہ کا درس تھا

---

1 ۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: یا کمیل الناس ثلاثة ، فعالم ربانی و متعلم علی سبیل نجاة و همج رعاع ۔ نہج البلاغہ ، حکمت ۱۴۷

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ ان کے اندر وجد کی کیفیت پیدا کردیتی تھی کہ انھیں اپنے پیروں پر بٹھا کر ان عالموں کی سیر کراتی تھی کہ جن کے بارے میں ہم صحیح طور پر سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ نہج البلاغہ کے ساتھ جیتے اور اسی کی فضاؤں میں سانس لیتے تھے ان کی روح اس کتاب سے مانوس تھی، ان کی نبض اسی کتاب پر حرکت کرتی تھی اور یہی کتاب ان کے قلب کی حرارت تھی اسی کتاب کے جملے ان کی زبان پر رہتے تھے اور ان ہی کلموں سے وہ اپنی گفتگو میں مدد حاصل فرماتے تھے زیادہ تر زبان پر نہج البلاغہ کے کلمات کے ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو جاری ہو کر سفید داڑھی کو تر کر دیتے تھے۔ ہمارے لئے نہج البلاغہ سے ان کا ٹکراؤ جو انھیں ان کے گرد بیٹھے ہوئے ہم تمام افراد سے دور اور غافل کردیتا تھا، نہایت ہی دل آویز، لذت بخش، سبق آموز اور قابل دید منظر ہوتا تھا۔ دل کی بات اہل دل سے سننے میں کچھ اور ہی لطف و کشش و جاذبیت ہوتی ہے، وہ سلف صالح کا ایک زندہ نمونہ تھے

ان کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول صادق آتا ہے:

ولولا الاجل الذی کتب اللہ علیھم لم تستقر ارواحھم فی اجسادھم طرفۃ عین، شوقاً الی الثواب وخوفاً من العقاب عظم الخالق فی انفسھم فصغر ما دونہ فی اعینھم[1]

---

[1] اگر ان کی موت کا وقت معین و مقرر کر دیا جاتا تو ان کی روحیں چشم زدن کے لئے بھی ان کے بدنوں میں نہ ٹھہرتیں، وہ جزائے الہی کے شوق سے اور اس کی سزا کے خوف سے۔ ان کی روحوں میں ان کا خالق اپنی عظمتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اور اس کی ذات کے علاوہ تمام چیزیں ان کی نگاہوں میں حقیر نظر آنے لگتی ہیں۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۳)

Presented by www.ziaraat.com

ادیب محقق، حکیم الٰہی، فقیہہ بزرگ، طبیب عالی قدر، عالم ربانی مرحوم حاج میرزا علی آقا شیرازی اصفہانی قدس سرہ واقعاً مرد حق وحقیقت تھے، انھوں نے خود کو انا وخودی سے جدا کر کے خدا سے ملا دیا تھا اپنی تمام علمی منزلت اور سماجی حیثیت کے باوجود معاشرہ کی ہدایت وتبلیغ کی ذمہ داری کا احساس اور امام حسین علیہ السلام سے عشق کی تپش اس بات کا سبب بنتی تھی کہ آپ منبر پر جائیں اور موعظہ کریں اور موعظہ بھی ایسا کہ جو روح کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور پھر دلوں پر جا کے بیٹھ جاتا ہے آپ جب بھی قم تشریف لاتے تو صف اول کے علما آپ کے پاس آتے اور موعظہ کے لئے منبر نشین ہونے کا اصرار کرتے تھے، ان کی تقریر قیل وقال سے زیادہ ان کے کیف وحال کا آئینہ ہوتی تھی۔

نماز جماعت پڑھانے سے آپ کتراتے تھے ایک سال ماہ رمضان المبارک میں لوگوں نے بے حد اصرار کیا کہ فقط ایک ماہ مدرسۂ صدر میں نماز جماعت پڑھا دیجئے تو باوجودیکہ وہ پابندی کے ساتھ ایک وقت معین پر نہیں پہنچ پاتے تھے اور اس طرح کی قید وبند وہ برداشت نہیں کرتے تھے پھر بھی بے شمار افراد جماعت میں شریک ہوتے تھے میں نے سنا ہے کہ اطراف کی جماعتوں میں سناٹا چھا گیا لہٰذا آپ نے بھی اس سلسلہ کو جاری نہیں رکھا۔

جہاں تک میری معلومات کا سوال ہے اہل اصفہان انہیں عام طور پر نبا ض نتے پہچانتے اور حوزہ علمیہ قم کی طرح سے ہی ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ جب وہ قم تشریف لاتے تو قم کے علما والہانہ طور پر ان کی زیارت کے لئے دوڑ پڑتے تھے لیکن وہ تمام دوسری قیدوں کی طرح مریدی (پیری) اور مرادی (ارادت مندی) کی قید سے بھی آزاد تھے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ وحشرہ اللہ مع اولیائہ ان تمام باتوں کے باوجود میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں کہ وہ نہج البلاغہ کی تمام دنیاؤں سے آگاہ وددار دتھے

Presented by www.ziaraat.com

اور اس کی تمام سرزمینوں کو فتح کر چکے تھے (ہاں) وہ نہج البلاغہ کی بعض دنیاؤں کے ماہر تھے اور جتنی دنیا کے ماہر تھے ان پر وہ پورا علم و عبور رکھتے تھے یعنی نہج البلاغہ کے اتنے حصہ نے ان کے پیکر میں وجود ظاہری پیدا کر لیا تھا۔

نہج البلاغہ کئی دنیاؤں کی حامل ہے۔ دنیائے زہد و تقویٰ، دنیائے عبادت و عرفان، دنیائے حکمت و فلسفہ، دنیائے پند و موعظہ، دنیائے جنگ و شورش، دنیائے حکومت و سیاست اور اجتماعی ذمہ داریاں، دنیائے شہامت و شجاعت اور جہاد و شہادت وغیرہ وغیرہ ان تمام چیزوں کی ایک شخص سے توقع نہیں کی جا سکتی وہ اس عظیم اقیانوس کے محض ایک حصہ کو طے کرنے اور اس کے کچھ حصوں کا احاطہ کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔

نہج البلاغہ اور آج کا اسلامی معاشرہ

صرف میں اور میرے جیسے افراد ہی نہج البلاغہ سے بے خبر نہیں تھے، بلکہ پورا اسلامی معاشرہ اس کتاب کی عظمت کو نہیں جانتا تھا اور اگر کچھ (افراد) پہچانتے بھی تھے تو وہ بعض الفاظ و کلمات کے ترجمے اور شرح سے آگے نہیں بڑھ پائے تھے نہج البلاغہ کی روح و معنویت سے بھی بے خبر تھے ادھر آخری برسوں میں دنیائے اسلام نے نہج البلاغہ کو کشف کرنا شروع کیا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ نہج البلاغہ دنیائے اسلام کو فتح کر رہی ہے۔

باعث تعجب یہ ہے کہ نہج البلاغہ کے بعض مطالب کو، خواہ شیعوں کا ملک ایران ہو۔ خواہ عرب ممالک ہوں، پہلی دفعہ بعض منکرین خدا یا خدا پرست غیر مسلموں نے کشف کیا

Presented by www.ziaraat.com

اور اسلامی معاشرہ کے اختیار میں دے دیا ہے البتہ ان میں سے اکثر یا تمام کے تمام افراد کا اس کے ذریعہ اصل مقصد یہ تھا کہ علی علیہ السلام اور علی علیہ السلام کی نہج البلاغہ کے ذریعہ اپنے بعض اجتماعی و معاشرتی نظام کی صحت کے لیئے ایک طرح کی دلیل و توجیہ درست کریں اور اس سے تقویت حاصل کریں لیکن ان کے حق میں نتیجہ اس کے برعکس برآمد ہوا کیونکہ مسلمان معاشرہ کو پہلی مرتبہ یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہ دوسروں کی زرق و برق باتیں خود ان کی جدت نہیں ہیں ان سے کہیں بہتر باتیں تو حضرت علی علیہ السلام کی نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کی سیرت میں حضرت علی علیہ السلام کے تربیت کردہ، سلمان و ابوذر و عمار جیسے شاگردوں کی سیرت میں موجود ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ علی علیہ السلام و نہج البلاغہ نے ان کی توجیہ کے بجائے انہیں شکست سے دوچار کر دیا لیکن بہرحال ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس لہر سے پہلے ہماری اکثریت چند زہد و مواعظ کے خطبوں سے زیادہ (نہج البلاغہ کے متعلق) کچھ نہیں جانتی تھی مالک اشتر نخعی کے ساتھ مولائے کائنات کے "عہدنامہ" کی مانند "خزانے" ہماری نظروں سے پوشیدہ تھے اور کسی کو اس کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔

جیسا کہ اس کتاب کی پہلی، دوسری فصل میں ذکر ہوا ہے کہ نہج البلاغہ حضرت علیؑ کے خطبوں، وصیتوں، دعاؤں اور خطوط نیز حکمت آمیز فقروں کا منتخب مجموعہ ہے جو سید رضی علیہ الرحمہ نے تقریباً ایک ہزار سال قبل جمع کیا تھا، نہ کہ مولا کے تمام ارشادات سید رضی علیہ الرحمہ کے جمع کردہ اسی مجموعہ میں منحصر ہیں کیونکہ مسعودی نے جو سید رضیؒ

Presented by www.ziaraat.com

سے سو سال قبل گزرے ہیں اپنی کتاب، مروج الذہب کی جلد دوم میں تحریر کیا ہے اس وقت حضرت علی علیہ السلام کے ۴۸۰ سے زیادہ خطبات لوگوں کے پاس موجود ہیں جبکہ سید رضیؒ کے جمع کیے ہوئے تمام خطبوں کی تعداد ۲۳۹ ہے یعنی یہ مسعودی کی تعداد کے نصف سے بھی کم ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ حضرت کے کلمات سید رضیؒ کے علاوہ کسی اور نے جمع ہی نہ کیے ہوں۔

فی الحال نہج البلاغہ کے سلسلہ میں دو جہتوں سے کام ضروری ہے۔

(۱) نہج البلاغہ کے مطالب پر غور و فکر، تاکہ ان مختلف و گوناگوں مسائل کے سلسلہ میں جو نہج البلاغہ میں بیان ہوئے ہیں، حضرت علی علیہ السلام کا مکتب و نظریہ واضح ہو جائے جس کی اسلامی معاشرہ کو اس وقت سخت ضرورت ہے۔

(۲) نہج البلاغہ کے اسناد و مدارک کی تحقیق

جیسا کہ سننے میں آیا ہے کہ خوش قسمتی سے اسلامی معاشرہ کے گوشہ و کنار میں افاضل کرام ان دونوں اہم کاموں میں منہمک ہیں۔

جو کچھ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ ان مقالات کا مجموعہ ہے جو مسلسل طور پر ۵۰ـ۱۳۵۱ ہجری شمسی کے مجلہ مکتب اسلام کے شماروں میں شائع ہوتے رہے ہیں اور اب ایک کتاب کی صورت میں قارئین کے ہاتھوں میں ہیں اس سے قبل موسسہ اسلامی حسینیہ ارشاد میں اسی عنوان کے تحت میں نے پانچ تقریریں کی تھیں اس کے بعد دل چاہا کہ اس موضوع کو زیادہ تفصیل کے ساتھ مقالات کی صورت میں شائع کر دوں۔

اس سلسلہ گفتگو "کہ نہج البلاغہ کی سیر جس کا نام ہے" کے آغاز ہی سے میں جانتا تھا کہ یہ صرف ایک سرسری سیر اور "طائرانہ مطالعہ" ہے جس کو دوسرا کوئی نام نہیں دیا جا سکتا خصوصاً، اس مختصر کوشش کو ہرگز تحقیق کا نام نہیں دیا جا سکتا

resented by www.ziaraat.com

کیونکہ میرے پاس نہ تو تحقیق کا وقت تھا اور نہ ہی اس عظیم کام کی تحقیق کے لئے اپنے آپ کو مناسب و لائق سمجھتا تھا علاوہ ازیں نہج البلاغہ کے عمیق و دقیق مطالب اور مکتب علی علیہ السلام کی شناخت نیز "نہج البلاغہ" کے اسناد و مدارک کی تحقیق ایک شخص کے بس کی بات بھی نہیں ہے اس کے لئے تو ایک جماعت درکار ہے لیکن

ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ

کے تحت اور اس خیال سے کہ چھوٹے کام بڑے کاموں کے لئے راہ باز کر دیتے ہیں، اپنی سیر و گردش کا آغاز کر دیا، مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی اس سیر کو بھی تمام نہ کر سکا، اس سیر کے لئے جو میں نے پروگرام مرتب کیا تھا کہ جس کا میں نے کتاب کی تیسری فصل میں ذکر کیا ہے چند مشکلات کی وجہ سے نا تمام رہ گیا میں نہیں جانتا کہ دوبارہ مجھے اس سفر کو تمام کرنے کی توفیق ہو گی یا نہیں ؟ لیکن اس کی بڑی تمنا ہے ۔

مرتضیٰ مطہری
قلہک ، ۲، محرم الحرام ۱۳۹۵ ہجری
مطابق ، ۲۵ جنوری ۱۹۷۵ عیسوی

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

حصہ اوّل

حیرت انگیز کتاب

بہترین مجموعہ ـ

سید رضی اور نہج البلاغہ ـ

کلام علی کے دو امتیازات ـ

حسن کلام ـ

اثر و نفوذ ـ

اعترافات ـ

نہج البلاغہ دور حاضر کے آئینے میں ـ

شہ پارے ـ

حضرت علی مختلف میدانوں میں ـ

نہج البلاغہ کے موضوعات اور مطالب ـ

نہج البلاغہ کے مباحث و مسائل پر ایک کلی نظر ـ

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

حیرت انگیز کتاب

بہترین مجموعہ:

"نہج البلاغہ" نام کا یہ نفیس مجموعہ جو ہمارے پاس ہے جس پر زمانہ کی گردشیں اثر انداز نہیں ہوسکیں بلکہ زمانہ کی دوڑ کے نئے سے نئے اور روشن سے روشن تر افکار و نظریات برابر اس کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتے رہے ہیں یہ حضرت علیؑ کے خطبوں، دعاؤں، وصیتوں، خطوط، اور کلمات قصار کا انتخاب ہے جو تقریباً ایک ہزار سال قبل سید رضی رضوان اللہ علیہ کی کوششوں سے منظر عام پر آیا ہے جو چیز ناقابل انکار ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام چونکہ ایک خطیب تھے لہٰذا انہوں نے بہت سارے خطبے ارشاد فرمائے ہیں نیز مختلف موقع و محل کی مناسبت سے چھوٹے مگر حکیمانہ جملے کثرت کے ساتھ آپ سے سنے گئے ہیں اسی طرح حضرت سے بہت سارے خطوط خصوصاً دوران خلافت تحریر فرمائے ہیں جس کو مسلمانوں نے حفظ و قلم بند کرنے میں کافی دلچسپی اور خاص رعایت برتی ہے۔

مسعودی جو سید رضیؒ سے تقریباً سو سال پہلے (تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں) گزرا ہے "مروج الذہب کی دوسری جلد میں

Presented by www.ziaraat.com

"فی ذکر لمع من کلامہ واخبارہ وزہدہ" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے ۔

"حضرت علی علیہ السلام کے وہ خطبے جو لوگوں نے
مختلف موارد میں یاد کئے ہیں ان کی تعداد چار سو اسی
سے کچھ زائد تک پہونچتی ہے حضرت علی علیہ السلام کا
فی البدیہہ کلام جو آپ نے بغیر کسی یادداشت یا مسودہ
کی تیاری کے ارشاد فرمایا ہے جس کے الفاظ سے بھی
لوگ محظوظ ہوئے اور عمل کے میدان میں بھی اس سے
مستفید ہوئے "

مسعودی جیسے آگاہ و باخبر محقق و دانشور کی گواہی بتاتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے کتنے زیادہ خطبے ارشاد فرمائے ہیں نہج البلاغہ میں صرف ۲۳۹ خطبے نقل ہوئے ہیں جبکہ مسعودی نے ان کی تعداد تقریباً ۴۸۰ سے کچھ اوپر بتائی ہے اس کے علاوہ مختلف و متعدد طبقوں کے افراد میں اس کے تئیں دلچسپی اور حفظ و قلم بند کرنے کے سلسلہ میں اہتمام کا بھی پتہ چلتا ہے ۔

سید رضیؒ اور نہج البلاغہ :

سید رضیؒ ذاتی طور پر کلام حضرت علی علیہ السلام کے گرویدہ تھے وہ ایک ادیب شاعر اور سخن شناس شخص تھے ان کے بارے میں ان کا ہمعصر ثعلبی کہتا ہے :۔

وہ دور حاضر کی عجیب ترین اور عراق سادات میں سب سے
معزز و شریف شخص ہیں حسب و نسب کی بزرگی سے قطع

Presented by www.ziaraat.com

نظر وہ ادب و فضل و کمالات سے آراستہ ہیں۔ . . . .
باوجود اس کے کہ آل ابوطالب علیہم السّلام میں بہت سے
نامور شعرا ملتے ہیں مگر وہ سب سے افضل و برتر
ہیں اور اگر ہم یہ کہیں کہ پورے قریش میں کسی کی شاعری
ان کے پایہ تک نہیں پہنچی تو یہ حقیقت سے دور نہ ہوگا[1]

سیّد رضیؒ کی یہی دلچسپی جو ادب سے عموماً اور کلمات علیؑ سے خصوصاً تھی باعث ہوئی کہ آپ نے کلمات حضرت علی علیہ السّلام کو زیادہ تر فصاحت و بلاغت اور ادب کے زاویہ سے دیکھا ہے چنانچہ اس کے انتخاب میں بھی انھوں نے اس کا لحاظ رکھا ہے یعنی آپ کی نظر کو ان حصّوں نے زیادہ جذب کیا ہے جو بلاغت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے ہیں اسی وجہ سے اپنے اس منتخب مجموعہ کا نام " نھج البلاغه " رکھا اور اسی لئے ماخذ و مدارک کے بھی ذکر کو زیادہ اہمیت نہیں دی صرف کہیں کہیں چند جگہوں پر کسی خاص مناسبت کے تحت اس کتاب کا نام ذکر کیا ہے کہ جس میں اس خطبے یا خط کو نقل کیا گیا ہے۔

کسی اہم تاریخی یا حدیثی مجموعہ کے لئے سند و مدرک کا مشخص و معیّن ہونا ضروری ہے ورنہ وہ قابل اعتبار قرار نہیں پائیگا لیکن ایک ادبی شاہکار کی اہمیت اس کی لطافت و چاشنی اور اسلوب نگارش میں ہوتی ہے لیکن سید رضی کے لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تاریخی اقدار اور دیگر تمام معیارات سے غافل اور صرف اس کے ادبی اقدار کی طرف متوجہ رہے ہیں خوش قسمتی سے ادھر آخری دور میں چند دوسرے افراد نے نہج البلاغہ کے اسناد و مدارک جمع کرنے پر کمر باندھی ہے اور شاید سب سے جامع و مفصل کتاب

1۔ مقدمہ عبدہ بر شرح نہج البلاغہ صـ ۹

Presented by www.ziaraat.com

"نہج السعادہ فی مستدرک نہج البلاغہ" ہے جو اس وقت ایک مشہور عراقی محقق وعالم دین محمد باقر محمودی کے ذریعہ تکوین کے مرحلہ میں ہے اس گراں بہا کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کے خطبے، دستورات، خطوط، مقالے، وصیتیں، دعائیں اور کلمات قصار کو جمع کیا گیا ہے اس کتاب میں موجودہ نہج البلاغہ کے علاوہ کچھ وہ چیزیں بھی ہیں جنکا انتخاب سید رضیؒ نے نہیں کیا ہے یا یہ کہ وہ اس کو حاصل نہیں کرسکے ہیں اور بظاہر چند کلمات قصار کو چھوڑ کر سب کے مدارک اور ماخذ مل گئے ہیں اب تک اس کی چار جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں:

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ کلام حضرت علی علیہ السلام کی جمع آوری کا کام صرف سید رضیؒ کی ذات تک ہی محدود نہیں ہے دوسرے افراد نے بھی اس سلسلہ میں مختلف ناموں سے کتابیں تالیف کی ہیں ان میں مشہور کتاب آمدی کی "غرر ودرر" ہے جسکی شرح فارسی میں محقق جمال الدین خوانساری نے کی ہے جو ابھی کچھ دنوں قبل فاضل محقق عالیجناب میر جلال الدین محدث اموی کی کاوشوں کے نتیجہ میں تہران یونیورسٹی کی طرف سے طبع ہوئی ہے۔

قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ علوم کے صدر "علی الجندی" نے کتاب "علی ابن ابی طالب (ع)، شعرہ وحکمہٗ" کے مقدمہ میں ان مجموعوں میں سے چند کتابوں اور نسخوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں بعض مخطوطہ شکل میں موجود ہیں اور ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ دستور معالم الحکم، الخطط کے مصنف قضاعی کی تصنیف ہے

۲۔ "نثر اللئالی" اس کتاب کا ترجمہ ایک روسی مستشرق نے کیا ہے۔ ایک ضخیم جلد کی شکل میں منظر عام پر آچکی ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

۳۔ حکم سیدنا علیؑ، ایک خطی نسخہ جو مصر کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔

کلام علیؑ کے دو امتیازات

کلام امیرالمومنین علیہ السلام زمانۂ قدیم سے ہی دو امتیازات کا حامل رہا ہے اور ان ہی امتیازات سے اس کی شناخت ہوتی تھی ایک فصاحت و بلاغت اور دوسرے متعدد جہات اور مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہونا ان میں سے ہر ایک امتیاز اپنی جگہ تنہا کلام علیؑ کی بے پناہ اہمیت کے لئے کافی ہوتا چہ جائیکہ ان دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا یعنی ایک گفتگو جو مختلف بلکہ کہیں کہیں بالکل متضاد جہتوں اور میدانوں سے گزر رہی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے کمال فصاحت و بلاغت کو بھی باقی رکھے ہوئے ہے اس نے کلام حضرت علی علیہ السلام کو معجزہ کی حد سے قریب کر دیا ہے اسی وجہ سے آپ کا کلام خالق اور مخلوق کے کلام کے درمیان رکھا جاتا ہے اور اس کے لئے "فوق کلام المخلوق و دون کلام الخالق" کا مقولہ وضع کیا گیا ہے ۔

حُسنِ کلام

سخن فہم افراد کے لئے نہج البلاغہ کا یہ امتیاز محتاج تعارف نہیں ہے کہ کلام کی زیبائی فہم و ادراک سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ توصیف و مدح سے تقریباً چودہ سو سال بعد بھی نہج البلاغہ کے سننے والے کو وہی لطافت و چاشنی اور جاذبیت ملتی ہے جو اس زمانہ میں لوگوں کو ملتی تھی ۔ ہم اس بات کو ثابت کرنے کے در پے ہیں البتہ بحث کی مناسبت

Presented by www.ziaraat.com

سے ہم حضرت علی علیہ السلام کے کلام کی تاثیر اور دلوں پر اثر و نفوذ اور باوجود ان تمام انقلابات و تغیرات کے جو ذوق و فکر میں پیدا ہوئے ہیں آپ کے زمانہ سے آج تک حیرت و تعجب کو برانگیختہ کر دینے کا جو سلسلہ اب بھی جاری ہے اس کا آغاز خود آنحضرت کے زمانے سے ہی کر رہے ہیں اس کے بارے میں ہم ایک بات پیش کرتے ہیں۔ علی علیہ السلام کے ساتھی خصوصاً وہ افراد جو فن خطابت سے تھوڑی بہت آشنائی رکھتے تھے آپ کی خطابت کے شیدا تھے، ان ہی شیدائیوں میں سے ایک ابن عباس ہیں جیسا کہ جاحظ نے "البیان و التبیین" میں لکھا ہے کہ وہ خود بھی ایک زبردست خطیب تھے[1]

انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی شیریں باتیں اور تقریریں سننے اور اس سے لطف اندوز ہونے کا اپنا اشتیاق چھپایا نہیں ہے چنانچہ جب حضرت علی علیہ السلام اپنا مشہور "خطبۂ شقشقیہ" ارشاد فرما رہے تھے ابن عباس موجود تھے خطبہ کے دوران کوفہ کی ایک علمی شخصیت نے ایک خط جس میں چند مسائل تھے آنحضرت کو دیا اور حضرت نے خطبہ روک دیا آپ نے خط پڑھنے کے بعد باوجود اس کے کہ ابن عباس نے خطبہ جاری رکھنے کی فرمائش کی بات آگے نہ بڑھائی ابن عباس نے کہا مجھے اپنی عمر میں کسی بات کا اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس تقریر کے قطع ہونے کا افسوس ہوا ہے ابن عباس حضرت کے ایک مختصر خط کے بارے میں جو خود ان ہی کے نام تھا کہتے ہیں "پیغمبر اسلامؐ کی باتوں کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے اس کلام سے زیادہ کسی اور کلام سے میں مستفید نہیں ہوا ہوں"[2]

---

[1] جلد اول صفحہ ۲۳۰ [2] نہج البلاغہ خط ۲۲

Presented by www.ziaraat.com

معاویہ ابن ابوسفیان جو آپؑ کا سب سے بڑا دشمن تھا وہ بھی آپ کے کلام کی غیر معمولی فصاحت وزبانی کا معترف تھا۔

محقن ابن ابی محقن حضرت علی علیہ السلام کو چھوڑ کر معاویہ سے مل گیا اور صرف معاویہ کے دل کو خوش کرنے کے لئے کہ جو کینۂ علی علیہ السلام سے لبریز تھا وہ کہتا ہے "میں ایک گنگ ترین شخص کو چھوڑ کر تمہارے پاس آیا ہوں"

یہ چاپلوسی اتنی ناقابل قبول تھی کہ خود معاویہ نے اسکو ڈانٹتے ہوئے کہا وائے ہو تجھ پر! تو علی علیہ السلام کو گونگا ترین شخص کہتا ہے؟ جبکہ قریش علی علیہ السلام سے پہلے فصاحت سے واقف بھی نہ تھے علی علیہ السلام ہی نے قریش کو درس فصاحت دیا ہے

اثر و نفوذ

وہ افراد جو آپ کے زیر منبر بیٹھتے تھے بہت زیادہ متاثر ہو جاتے تھے آپ کے موعظے دلوں کو ہلا دیتے تھے اور آنکھوں سے اشک جاری کر دیتے تھے۔ آج بھی کون سا دل ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے موعظانہ خطبات کو پڑھے یا سنے اور لرز نہ اٹھے؟

سید رضیؒ مشہور خطبۂ غرّا[1] نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں جس وقت حضرت علی(ع)

---

[1] خطبہ ۸۱

Presented by www.ziaraat.com

نے یہ خطبہ دیا لوگوں کے بدن کانپ اٹھے اشک جاری ہوگئے اور دلوں کی دھڑکنیں بڑھ گئیں ۔

ہمام ابن شریح آپ کے ان دوستوں میں سے تھے جن کا دل عشق خدا سے لبریز اور روح معنویت سے سرشار تھی ، حضرت علی علیہ السّلام سے اصرار کرتے ہیں کہ خاصان خدا کے صفات بیان کیجئے ایک طرف حضرت نہیں چاہتے کہ ان کو مایوس کن جواب دیں اور دوسری طرف اس بات کا بھی خوف ہے کہ کہیں ہمام اس کو سن کر برداشت نہ کرسکیں لہٰذا آپ نے چند مختصر جملوں میں بات تمام کردی لیکن ہمام اتنے پر راضی نہیں ہوتے ان کی آتش شوق اور بھڑک اٹھتی ہے اصرار بڑھتا ہے اور آپ کو قسم دے دیتے ہیں اب آپ نے بیان کرنا شروع کیا تقریباً اس سلسلہ کے ۵۰ صفات کے بیان کئے[1] اور بھی سلسلہ جاری تھا لیکن جیسے جیسے آپ کا بیان بڑھتا جاتا تھا ہمام کے دل کی دھڑکنیں تیز تر ہوتی جاتی تھیں اور ان کی متلاطم روح کے تلاطم میں اضافہ ہوتا جاتا تھا ، اور کسی طائر قفس کی مانند روح قیدِ بدن سے پرواز کے لئے بیتاب تھی کہ ناگاہ ایک ہولناک چیخ نے سامعین کو اپنی طرف متوجہ کرلیا وہ کسی اور کی نہیں خود ہمام کی چیخ تھی جب لوگ سرہانے پہنچے تو روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی ۔

حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا :-

میں اسی بات سے ڈر رہا تھا عجب ! آمادہ قلوب پر
بلیغ موعظہ اسی طرح اثر کرتا ہے ۔

یہ تھا آپ کے ہم عصروں پر آپ کے کلام کا اثر ۔

---

[1] میرے شمار کے لحاظ سے ۱۰۵ ہی صفات ہیں اگر مجھ سے اشتباہ نہ ہوا ہو

Presented by www.ziaraat.com

اعترافات

رسولؐ کے بعد تنہا حضرت علی علیہ السّلام کی وہ ذات ہے جس کے کلام کو لوگ حفظ کرنے کا اہتمام کرتے رہے ہیں" ابن ابی الحدید "عبد الحمید کاتب سے[1] جو انشاء پردازی میں ضرب المثل[2] ہے اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں گزرا ہے" نقل کرتے ہیں اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السّلام کے ستّر خطبے حفظ کئے اور اس کے بعد میرا ذہن یوں جوش مارتا تھا جو جوش مارنے کا حق ہے۔

"علی الجندی" لکھتے ہیں کہ لوگوں نے عبد الحمید سے معلوم کیا تمہیں بلاغت کے اس مقام پر کس چیز نے پہنچایا اس نے کہا:

حفظ کلام الاصلع[2]

"علی کے خطبوں کے یاد کرنے نے"

---

[1] یہ اموی حکومت کے آخری خلیفہ "مروان ابن محمد" کا کاتب ایرانی الاصل اور مشہور صاحب قلم دانشور ابن مقفع کا استاد ہے کہتے ہیں کہ "عبد الحمید سے کتابت (انشاء پردازی) کا آغاز ہوا اور ابن العمید پر ختم ہو گیا" ابن العمید آل بویہ کا وزیر تھا

[2] اصلع یعنی جس کے سر کے اگلے حصّے کے بال گر گئے ہوں، عبد الحمید چونکہ اموی حکومت سے وابستہ تھا اس لئے اس نے حضرت علی علیہ السّلام کی فضیلت اور کمال کا اعتراف عملی صورت میں کیا ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السّلام کا نام بھی طنز آمیز عبارت میں لیتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

عبدالرحیم ابن نباتہ کہ جو خطبائے عرب میں اسلامی دور کا ضرب المثل خطیب ہے، اعتراف کرتا ہے کہ میں نے فکر و ذوق کا سرمایہ حضرت علی علیہ السلام سے حاصل کیا ہے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے

"میں نے حضرت علی علیہ السلام کے کلام کی سو فصلیں
حفظ کیں اور ذہن میں محفوظ کر لی ہیں اور یہی میرا وہ
خزانہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے"

مشہور ادیب، سخنداں، سخن شناس نابغۂ ادب جاحظ جو کہ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں گزرے ہیں اور جن کی کتاب "البیان والتبیین" ادب کے ارکان چہارگانہ میں شمار ہوتی ہے [1] اپنی کتاب میں بار بار حضرت علی علیہ السلام کے کلام کی غیر معمولی ستائش اور حد سے زیادہ تعجب کا اظہار کیا ہے

اس کی باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کے درمیان حضرت علی علیہ السلام کا کلام کثرت سے پھیل چکا تھا وہ "البیان والتبیین" کی پہلی جلد میں ان افراد کی رائے اور عقیدہ کے بارے میں لکھتے ہوئے کہ جو سکوت و صداقت کی تعریف اور زیادہ بولنے کی مذمت کرتے تھے کہتے ہیں۔

زیادہ بولنے کی جو مذمت آئی ہے وہ بیہودہ باتوں
کے سلسلہ میں ہے نہ کہ مفید و سودمند کلام کی ورنہ
حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام اور عبداللہ بن
عباس کے کلام بھی بہت زیادہ پائے جاتے ہیں

---

[1] تین ارکان یہ ہیں، ادب الکاتب ابن قتیبہ، الکامل مبرد، النوادر ابی علی قالی مقدمۂ البیان والتبیین منقول از مقدمہ ابن خلدون۔

Presented by www.ziaraat.com

اسی پہلی جلد میں [1] جاحظ نے حضرت علی علیہ السلام کا یہ مشہور جملہ نقل کیا ہے:

قیمۃ کل امرء ما یحسنہ ۔

" ہر شخص کی قیمت اس کے علم و دانائی کے مطابق ہے"

اور پھر آدھے صفحہ سے زیادہ اس جملہ کی تعریف میں صرف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

ہماری پوری کتاب میں اگر صرف یہی ایک جملہ ہوتا تو کافی تھا، بہترین کلام وہ ہے جو کم ہونے کے باوجود آپ کو اپنے بہت ہونے سے بے نیاز کر دے اور معنی لفظ پنہاں نہ رہیں بلکہ ظاہر و آشکار ہوں ۔

پھر کہتے ہیں کہ :

وکان اللّٰہ عزوجلّ قد البسہ من الجلا لۃ رغشاہ من نور الحکمۃ علی حسب نیۃ صاحبہ وتقوا قائلہ ،،

گویا خداوند عالم نے ایک جلالت کا پیراہن اور نور حکمت کی چادر اس کلمہ کے کہنے والے کے تقوے اور نیت کی پاکیزگی کی مناسبت سے اس مختصر جملہ کو پہنا دیا ہے ۔

---

[1] صہ۸۳

Presented by www.ziaraat.com

جاحظ اسی کتاب میں جہاں انھوں نے صعصعہ[1] ابن صوحان کی تقریر و خطابت کے بارے میں بحث کی ہے وہاں رقمطراز ہیں۔

اس کی خطابت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کبھی کبھی حضرت علی علیہ السّلام بھی بیٹھ جاتے تھے اور اس سے تقریر کی فرمائش کرتے تھے۔

مولاؑ کے کلام کی ستائش و توصیف میں سید رضی کا مشہور جملہ ہے۔

"کان امیر المومنین علیہ السّلام مشرع الفصاحۃ وموردھا وعنہ اخذت قوانینھا وعلی امثلتہ حذا کل قائل خطیب وبکلامہ استعان کل واعظ بلیغ و مع ذالک فقد سبق وقصروا وتقدم وتاخروا۔ لان کلامہ، علیہ السّلام الکلام الذی علیہ مسحۃ من العلم الالٰہی وفیہ عبقۃ من الکلام النبوی۔

---

[1] یہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے بزرگ صحابی اور مشہور خطیب ہیں جب عثمان کے بعد مولائے کائنات خلیفہ ہوئے انھوں نے عرض کی مولا آپ نے خلافت کو قبول کر کے اسے زینت عطا کی لیکن خلافت نے آپ کی زینت میں اضافہ نہیں کیا آپ نے خلافت کو بلندی عطا کی لیکن اس نے آپ کے مرتبہ کو نہیں بڑھایا ہے خلافت آپ کی زیادہ محتاج ہے بہ نسبت آپ کے خلافت کے۔ صعصعہ ان گنے چنے افراد میں سے ہیں جو شب وفات امیر المومنین علیہ السّلام میں اور تشییع جنازہ اور آپ کی تدفین میں شریک رہے صعصعہ تدفین کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہوئے اور اپنے رنجیدہ دل پر ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے ایک مٹھی خاک اٹھائی اور اپنے سر پر ڈالی اور حضرت علی علیہ السلام کے خاندان اور دوستوں کے درمیان ایک جوشیلی تقریر کی۔

مجلسی نے بحار کی نویں جلد کے باب شہادت امیر المومنین علیہ السّلام میں اس بہترین تقریر کو نقل کیا ہے

Presented by www.ziaraat.com

امیر المومنین علیہ السلام فصاحت کا منبع اور اس کی بنیاد و سرچشمہ ہیں ان ہی سے بلاغت کے سوتے پھوٹتے ہیں، بلاغت کے پوشیدہ اسرار ان کے وجود سے ظاہر ہوئے ہیں اس کے قوانین و دستورات ان ہی سے لئے گئے ہیں ہر ایک صاحب کمال خطیب نے انکا اتباع کیا ہے اور ہر شیریں مقال واعظ نے آپ کا سہارا لیا ہے اس کے باوجود لوگ آپ کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکے ہیں اور پیچھے رہ گئے ہیں کیونکہ مولا کے کلام سے علم الٰہی کی جھلک اور کلام نبوی کی مہک پھوٹتی ہے۔

ابن ابی الحدید کہ جن کا شمار ساتویں صدی ہجری کے معتزلی علما میں ہوتا ہے ایک بہترین ادیب اور موشگاف شاعر بھی ہیں اور جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں وہ مولا کے کلام کے والہ و شیدا ہیں اور اپنی کتاب میں متعدد جگہ اپنی وارفتگی کا اظہار کیا ہے چنانچہ ایک کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ لوگوں نے بجا طور پر آپ کے کلام کو خالق کے کلام کے بعد اور بندوں کے کلام سے بالا تر قرار دیا ہے لوگوں نے تحریر و تقریر دونوں فنون آپ سے سیکھے ہیں آپ کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ لوگوں نے آپ کے کلام کا دسواں بلکہ بیسواں حصہ جمع اور محفوظ کیا ہے

Presented by www.ziaraat.com

اس کے برابر کسی بھی دوسرے صحابیٔ رسول کے کلام سے
اس کے باوجود کہ ان کے درمیان فصحا کی تعداد موجود
ہے نقل نہیں کیا ہے مزید اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ
جاحظ ایسے شخص نے اپنی کتاب "البیان والتبین"
اور دوسری تمام کتابوں میں آپ کی مدح خوانی کی ہے"

اپنی شرح نہج البلاغہ کی چوتھی جلد میں امام کے اس خط کے متعلق جو آپ نے مصر پر معاویہ کی فوج کے تسلط اور محمد ابن ابی بکر کی شہادت کے بعد عبداللہ ابن عباس کے نام تحریر فرمایا تھا، جہاں امامؑ نے بصرہ کے گورنر کو اس واقعہ کی خبر دی ہے۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے ابن ابی الحدید تحریر کرتے ہیں :۔

دیکھئے! فصاحت نے اپنی باگ ڈور کس طرح اس
مرد کے سپرد کر دی ہے الفاظ کی بندش کو دیکھئے
ایک کے بعد ایک آتے ہیں اور خود کو اس طرح اس
کے حوالے کئے جاتے ہیں جیسے زمین سے اپنے آپ
بلا کسی پریشانی کے چشمہ ابل رہا ہو سبحان اللہ!
مکہ جیسے شہر میں پروان چڑھنے والے اس عرب
جوان کا کیا کہنا کہ جس نے کسی فلسفی و مفکر کی صورت
بھی نہیں دیکھی لیکن اس کا کلام حکمت نظری میں
افلاطون و ارسطو کے کلام سے کہیں زیادہ بلند ہے جو
حکمت عملی سے آراستہ بندوں کی بزم میں بھی نہیں
بیٹھا لیکن سقراط کی حد پرواز سے کہیں آگے پہنچا

Presented by www.ziaraat.com

ہوا ہے جس نے بہادروں اور پہلوانوں سے تربیت
حاصل نہیں کی (کیونکہ اہل مکہ تجارت پیشہ تھے جنگ جو
نہیں تھے) لیکن روئے زمین پر پورے عالم بشریت
میں شجاع ترین انسان تھا خلیل ابن احمد سے سوال
کیا گیا علی علیہ السلام زیادہ شجاع ہیں یا عنبسہ و بسطام؟
اس نے کہا کہ " عنبسہ و بسطام کا موازنہ انسانوں سے
کرنا چاہیے علی علیہ السلام مافوق بشر ہیں " یہ مرد
سحبان ابن وائل اور قیس بن ساعدہ سے زیادہ
فصیح ہے حالانکہ وہ قریش کے قبیلہ سے تعلق رکھتا
ہے جن کا عرب کے درمیان فصاحت میں کوئی
مقام نہیں ہے بلکہ فصیح ترین قبیلہ "جرہم" ہے اگرچہ وہ
سوجھ بوجھ میں پیچھے ہے

نہج البلاغہ دورِ حاضر کے آئینہ میں

چودہ سو سال سے آج تک دنیا نے ہزاروں روپ دھارے تہذیب و ثقافت
نے بے شمار کروٹیں بدلیں اور علم و فن کے ذائقوں میں انقلاب انگیز تبدیلیاں آئی ہیں
لہٰذا ممکن ہے کوئی تصور کرے کہ قدیم ثقافت اور قدیم ذوق حضرت علی علیہ السلام
کے کلام کو پسند کرتا تھا اور اس کے سامنے سپر انداختہ تھا مگر عہد نو کی فکر اور جدید
ذوق کا فیصلہ اس سے مختلف ہے لیکن یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت علی علیہ السلام

Presented by www.ziaraat.com

کا کلام اپنی صورت و معنیٰ ہر دو لحاظ سے کسی بھی زمان و مکان میں محدود و مقید نہیں ہے بلکہ عالمی پیمانے پر ہر زمانے کے انسانوں کے لیئے ہے ۔ ہم اس سلسلہ میں انشاءاللہ آئندہ تفصیلی بحث کریں گے فی الحال آپ کے سامنے اس سے متعلق گزشتہ زمانہ کے افکار و نظریات کے پہلو بہ پہلو اور موجودہ زمانہ کے اہل نظر علما اور دانشوروں کے افکار و نظریات کی مختصر جھلک پیش کرتے ہیں ۔

مصر کے سابق مفتی شیخ محمد عبدہ مرحوم کہ جن کو اتفاق اور وطن سے دوری نے نہج البلاغہ سے آشنا کر دیا اور پھر آشنائی اور شیفتگی و وارفتگی اس مقدس کتاب کی شرح و تفسیر اور عرب کی جوان نسل کے درمیان اس کی تبلیغ و ترویج پر منتہی ہوئی اپنی شرح کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں : ۔

> تمام عرب زبانوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو اس بات کا معتقد ہو کہ قرآن کریم اور کلام نبوی کے بعد سب سے زیادہ متین، جامع، بلیغ اور پر معنی کلام علی کا کلام ہے ۔

قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ علوم کے صدر "علی الجندی" اپنی کتاب "علی بن ابی طالب شعرہ و حکمہ" کے مقدمہ میں مولائے کائنات کی نثر کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :۔

> "آپ کے کلام میں ایک خاص قسم کی موسیقی کا آہنگ ہے جو احساسات کی گہرائیوں میں پہنچ جما دیتا ہے سجع کے اعتبار سے اس قدر منظوم ہے کہ اسے "نثری شعر" کہا جا سکتا ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

پھر قدامہ ابن جعفر سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا خیال ہے : ۔

"بعض افراد طویل خطبوں میں اور بعض کوتاہ سخنی میں
مہارت رکھتے ہیں لیکن علی علیہ السلام دوسری تمام
فضیلتوں کی طرح ان دونوں میدانوں میں بھی سب
پر فوقیت رکھتے ہیں "

ہمارے زمانے کے مشہور قلم کار و ادیب طٰہٰ حسین مصری اپنی کتاب "علی و بنوہ" میں ایک شخص کی داستان نقل کرتے ہیں کہ وہ جنگ جمل کے درمیان شک میں پڑجاتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے کیسے ممکن ہے کہ طلحہ و زبیر ایسی شخصیتیں غلطی پر ہوں ؟ وہ اپنی اس درونی بے کلی کو خود حضرت علی علیہ السلام کے سامنے بیان کرتا ہے اور آپ سے دریافت کرتا ہے کہ کیا ممکن ہے ایسی عظیم شخصیتیں کہ جن کا سابقہ خراب نظر نہ آتا ہو اس طرح خطا کا ارتکاب کریں ؟ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں : ۔

" انک لملبوس علیک، ان الحق والباطل لا یعرفان
باقدار الرّجال اعرف الحق تعرف اھلہ، واعرف الباطل
تعرف اھلہ "

تم سخت اشتباہ سے دوچار ہو اور الٹی روش اختیار کی ہے
بجائے اس کے کہ تم حق و باطل کو شخصیتوں کی عظمت
و حقارت کی کسوٹی قرار دو وہ عظمتیں اور حقارتیں جو
تم نے پہلے سے اپنے خیال خام میں فرض کر رکھی ہیں حق
و باطل کی کسوٹی قرار دے رہے ہو تم افراد کے ذریعہ
حق کو پہچاننا چاہتے ہو !

Presented by www.ziaraat.com

اس روش کو بدلو! پہلے خود حق کی معرفت حاصل کرو
اس کے بعد خود بخود اہل حق کو پہچان لوگے خود باطل
کو پہچان لو ۔ تب اہل باطل
کو بھی پہچان لوگے اس وقت تم اس چیز کو اہمیت
نہیں دوگے کہ کون حق کا حامی ہے اور کون باطل کا
طرف دار ہے اور ان افراد کے غلطی پر ہونے سے متعلق
شک و شبہ میں نہیں پڑوگے "

اس داستان کو نقل کرنے کے بعد طٰہٰ حسین کہتے ہیں ۔

میں نے قول خدا اور وحی کے بعد اس سے زیادہ
مناسب اور پر شکوہ جواب کہیں دیکھا اور نہ ہی
اس سے واقف ہوں ۔

شکیب ارسلان جن کو "امیر البیان" کا لقب ملا ہے اور دور حاضر کے زبردست عرب قلم کاروں میں ہیں ۔ مصر میں ایک جلسہ کے اندر تشریف فرما تھے جو ان کے اعزاز میں منعقد ہوا تھا، حاضرین میں سے ایک شخص ڈائس پر جاتا ہے اور اپنی تقریر کے ضمن میں کہتا ہے :۔

"تاریخ اسلام میں دو افراد پیدا ہوئے ہیں کہ جو واقعاً
امیر سخن کہلانے کے حق دار ہیں ۔ ایک علی ابن ابی طالبؑ
دوسرے شکیب ۔

شکیب ارسلان پیچ و تاب کھاتے ہوئے اٹھتے ہیں اور ڈائس کے قریب جا کر اپنے اس دوست سے گلہ کرتے ہوئے کہ جس نے اس طرح کا موازنہ کیا تھا

Presented by www.ziaraat.com

کہتے ہیں :-

میں کہاں اور علی ابن طالب علیہ السلام کہاں ! میں !
علی علیہ السلام کے نعلین کا تسمہ شمار کئے جانے کے
قابل بھی نہیں ہوں [1]

میخائل نعیمہ جو لبنان میں اس زمانہ کی ایک مشہور عیسائی قلم کار ہے لبنان کے ہی عیسائی مصنف جارج جورداق کی کتاب ۔ الامام علیؑ ، کے مقدمہ میں لکھتی ہے

علی فقط میدان جنگ کے فاتح نہیں تھے بلکہ وہ ہر
میدان کے فاتح تھے ۔صفائے دل ۔ وجدان کی
پاکیزگی، بیان کی سحر آمیز جاذبیت ۔حقیقی انسانیت،
ایمان کی حرارت، پرشکوہ سکوت ۔مظلوموں کی حمایت
ہر نقطہ، ہر موڑ پر جہاں بھی نظر آجائے حقیقت کے
سامنے سراپا تسلیم ہو جانا "
وہ ان تمام میدانوں کے چیمپئن تھے ۔

اب ہم اپنی بات کو رد کتے ہیں اور مدح وستائش کرنے والے افراد و اشخاص کی ستائش کا دفتر اس سے زیادہ باز کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام خود ان کا قصیدہ خواں ہے چنانچہ ۔

ہم اس سلسلۂ بحث کو حضرت علی علیہ السلام کے قول ہی پر ختم کرتے ہیں ۔

---

[1] چند سال قبل عصر حاضر کے مفکر محمد جواد مغنیہ مقیم لبنان، ایران تشریف لائے تھے اور ان کے اعزاز میں ایک جشن مشہد میں منعقد ہوا تھا اس واقعہ کو انھوں نے اس جلسہ میں بیان کیا تھا ۔

Presented by www.ziaraat.com

ایک روز ایک صحابیٔ علی علیہ السّلام خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن ممکن نہ ہوا گویا ان کی زبان بند ہو کے رہ گئی تو آپ نے فرمایا:۔

بے شک زبان انسان کے وجود کا وہ حصہ ہے
جو اس کے ذہن کے اختیار میں ہے اگر ذہن کے دریچے
نہ کھلیں اور ذہن معطّل ہو جائے تو زبان کچھ بھی نہیں کرسکتی
ہے لیکن جب ذہن کھل جاتا ہے تو زبان کو مہلت
نہیں دیتا اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔

"وانّا لامراء الکلام وفینا تنشّبت عروقہ وعلینا تھدّلت
غصونہ"

ہم ہی لشکر اسلام کے سپہ سالار ہیں شجرِ سخن کے ریشے
ہمارے ہی اندر پھیلے ہیں اور انھوں نے جگہ بنائی ہے
اور اس کی شاخیں ہمارے ہی سر پر سایہ کناں ہیں [1]

"البیان والتبیین" میں جاحظ عبداللہ بن الحسین بن علی علیہ السلام (عبداللہ محض) سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا:۔

"ہم دوسرے لوگوں سے پانچ خصلتوں میں ممتاز
ہیں فصاحت، زیبائی رخسار، عفو و چشم پوشی شجاعت
و دلیری عورتوں کے درمیان محبوبیت [2]

اب ہم حضرت علی علیہ السّلام کے کلام کی دوسری خصوصیت یعنی اس کے

---

1 نہج البلاغہ حصۂ خطبات، 2 جلد 2 صفحہ 99

Presented by www.ziaraat.com

معانی کا مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہونا، جو ان مقالات کا اصل موضوع ہے

مورد بحث قرار دیتے ہیں ۔

Presented by www.ziaraat.com

شہ پارے

کم و بیش ہر قوم کے پاس کچھ ادبی سرمائے ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض شہ پارے ادبی افتخار و شاہکار شمار کیے جاتے ہیں۔ عہد قدیم کے یونانی و غیر یونانی ادبی شاہکاروں اور عہد جدید کے اٹلی۔ فرانس اور انگلینڈ کے ادبی شاہکاروں سے قطع نظر کرتے ہوئے ان بحث و فیصلے کو ایسے افراد پر چھوڑتے ہوئے کہ جو ان ادبیات سے آشنائی اور ان کے بارے میں فیصلہ کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہم اپنی گفتگو کو عربی و فارسی زبان کے ان شاہکاروں تک محدود کر رہے ہیں کہ جن کو ہم تھوڑا بہت سمجھ سکتے ہیں۔

البتہ عربی و فارسی کے شاہکاروں کے بارے میں بھی صحیح فیصلہ کا حق ادباء اور اہل فن کو حاصل ہے۔ پھر بھی یہ بات مسلّم ہے کہ یہ تمام ادبی شاہکار کسی ایک یا چند مخصوص پہلوؤں سے ہی شاہکار کہلاتے ہیں نہ کہ تمام پہلوؤں اور جہتوں سے بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ ان شاہکاروں کے خالقوں میں سے ہر ایک نے فقط کسی خاص اور محدود فن میں اپنے ہنر کا مظاہرہ کیا ہے، درحقیقت ان کی فنی استعداد کسی ایک میدان میں محدود و معین رہی ہے اور اگر کبھی اس میدان سے باہر نکلنے کی کوشش

Presented by www.ziaraat.com

کی ہے تو گویا آسمان سے گر کر زمین پر ڈھیر ہو گئے
ہیں

فارسی زبان میں بھی ادبی شاہکاروں کا عظیم ذخیرہ موجود ہے۔
مثلاً: عرفانی غزل، عوامی غزل، پند و نصیحت۔
روحانی و عرفانی تمثیلات، رزمیہ، قصیدہ وغیرہ
لیکن جہاں تک میری معلومات کا سوال ہے ہمارے
عالمی شہرت یافتہ شعراء میں کسی ایک نے بھی تمام
میدانوں میں شاہکار تخلیق نہیں کئے ہیں۔
حافظ نے عرفانی غزل میں ہنر و شہرت پائی سعدی
پند و نصیحت اور عوامی غزل میں مشہور ہوئے۔
فردوسی رزمیہ کلام میں سب سے آگے نکل گئے۔
مولانا روم روحانی و عرفانی تمثیلات اور باریک
اندیشی میں ممتاز ہوئے اور خیام نے فلسفیانہ بذہبی
میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا اسی طرح نظامی کا ایک
الگ میدان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان سب کا آپس میں تقابل نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہم کسی کو دوسرے پر تفضیلت دے سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان تمام شعراء کو اپنے اپنے میدان میں پہلا مقام حاصل ہے ان تمام غیر معمولی ہستیوں نے اگر اتفاق سے بھی خاص میدان سے ہٹ کر کبھی طبع آزمائی کی ہے تو ان کے دونوں کلام میں نمایاں فرق دیکھنے میں آیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

شعرائے عرب کا بھی یہی حال ہے چاہے وہ دورِ جاہلیت کے ہوں یا ان کا تعلق عہدِ اسلام سے ہو۔

نہج البلاغہ میں ہے کہ مولائے کائنات علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟

تو آپ نے فرمایا:۔

"ان القوم لم یجروا فی حلبۃ تعرف الغایۃ عند قصبتھا فان کان لابد فالملک الضلیل"

ان تمام شعراء نے ایک ہی میدان میں گھوڑے نہیں دوڑائے ہیں کہ یہ فیصلہ دیا جا سکے کہ کس نے میدان جیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اگر اظہارِ نظر کرنا ضروری ہی ہو جائے تو کہنا چاہیئے کہ فاسد و گناہ گار بادشاہ یعنی امرء القیس دوسروں پر مقدم ہے۔

ابن ابی الحدید مذکورہ جملے کے ذیل میں اسناد کے ساتھ واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت علی علیہ السلام رمضان میں ہر شب لوگوں کو کھانے پر مدعو کرتے تھے اور ان کو گوشت کھلاتے تھے لیکن اس غذا کو خود تناول نہیں فرماتے تھے۔ کھانے کے بعد ان کے سامنے خطبہ دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے ایک شب کھانے کے دوران ان کے درمیان گزشتہ شعراء پر بحث چھڑ گئی۔

Presented by www.ziaraat.com

حضرت علی علیہ السلام نے کھانے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کے ضمن میں کہا:

(تمہارے امور کے لئے معیار دین ہے تمہارا محافظ ونگہبان تقویٰ ہے، تمہارا زیور ادب ہے اور تمہاری آبرو کا حصار حلم پر ہے) اس کے بعد ابوالاسود دئلی کی طرف مخاطب ہوئے جو وہاں موجود تھے اور اس کے قبل شعراء پر ہونے والی بحث میں شریک تھے اور فرمایا۔

بتاؤ کہ میں بھی سنوں تمہاری نگاہ میں دنیائے عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ ابوالاسود دئلی نے ابو داؤد ایادی کا ایک شعر پڑھا اور کہا کہ یہ شخص میری نگاہ میں سب سے بڑا شاعر ہے آپ نے فرمایا:۔

تم نے انتخاب میں غلطی کی ہے۔ ایسا نہیں ہے لوگوں نے دیکھا کہ مولائے کائنات ان کے درمیان مورد بحث موضوع کے بارے میں دلچسپی کا اظہار فرما رہے ہیں تو بیک زبان ہو کر سب نے آواز دی

اے امیر المومنینؑ!

آپ ہی بیان فرمادیں کہ دنیائے عرب کا سب سے عظیم شاعر کون ہے؟ آپ نے فرمایا اس موضوع میں فیصلہ صحیح نہیں ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اس لئے کہ اگر تمام شعراء نے کسی ایک میدان میں طبع
آزمائی کی ہوتی تو ان کے بارے میں فیصلہ کرنا اور جیتنے
والے کی شناسائی کرانا ممکن تھا پھر بھی اگر اظہار نظر ضروری
ہی ہو جائے تو اس شخص کو پیش کرنا چاہیئے جو نہ ذاتی خواہشا
سے متأثر ہوا ہو اور نہ خوف و ہراس نے اس کو متأثر کیا
(بلکہ صرف قوت تخیل اور ذوق شعری) کی بنیاد پر اشعار
کہے ہیں، وہ دوسروں سے آگے ہے لوگوں نے دریافت
کیا۔ اے امیرالمومنین علیہ السلام وہ کون ہے ؟ آپ نے
فرمایا وہ فاسد و گناہ گار بادشاہ امرء القیس ہے۔

کہتے ہیں کہ مشہور نحوی، یونس سے جب دور جاہلیت کے سب سے عظیم شاعر کے
بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا :-

امرء القیس اذا رکب، والنابغه اذا هرب و زهیر
اذا رغب والا عشی اذا طرب۔

بڑے شعراء میں ایک تو امرء القیس ہے جب
وہ سوار ہو یعنی جس وقت اس کے اندر دلیرانہ احساسات
جذبات مچلے ہوئے ہوں اور وہ رزمیہ کلام کہہ رہا ہو
۔ دوسرا شاعر نابغہ ذبیانی ہے لیکن اس وقت
جب خوف و ہراس کے عالم میں عذرخواہی پر اتر آئے اور
اپنا دفاع کرنے لگے اور تیسرا زہیر ابن ابی سلمیٰ ہے
جب وہ کسی پر عاشق و راغب ہو کر اس کی توصیف کرے

Presented by www.ziaraat.com

اور چوتھا اعشیٰ ہے جب وہ مست ہو جائے

یونس کا مقصد یہ تھا کہ یہ تمام شعرا ایک مخصوص میدان کے شہ سوار ہیں اور ان لوگوں کے تخلیقاتی شاہکار اسی مخصوص میدان میں محدود ہیں جس میدان کے وہ سوار رہے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے میدان میں دوسروں پر سبقت لے گیا ہے کسی نے بھی دوسرے میدان میں جوہر نہیں دکھایا ہے۔

علیؑ مختلف میدانوں میں

مولائے کائنات علیہ السلام کے کلام کا یہ مجموعہ جو نہج البلاغہ کے نام سے آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کا ایک خاص اور اہم امتیاز یہ ہے کہ یہ کسی خاص فن میں محدود نہیں ہے۔ علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے خود اپنی ہی تعبیر کے تحت محض کسی ایک میدان میں ہی گھوڑے نہیں دوڑائے ہیں بلکہ مختلف میدانوں میں حتیٰ کبھی کبھی متضاد سمتوں میں اپنے بیان کے رہوار کی جولانی اور شہسواری کے کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔

نہج البلاغہ شاہکار ہے لیکن صرف کسی ایک میدان مثلاً موعظہ یا رزمیہ یا عشقیہ شاعری اور تغزل یا قصیدہ خوانی اور ہجویہ کلام میں محدود نہیں ہے بلکہ بالکل مختلف اور رنگ برنگے میدانوں میں شاہکار ہے آگے چل کر ہم اس کی تفصیل پیش کریں گے۔

ایسے کلام جو کسی ایک موضوع میں بھی شاہکار ہوں یقیناً زیادہ نہیں ہیں انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں پھر بھی بہر صورت ہیں اور یہ کہ کلام مختلف میدانوں میں عام سطح کے ہوں شاہکار نہ ہوں ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے لیکن یہ کلام شاہکار بھی ہوں اور کسی ایک

Presented by www.ziaraat.com

میدان میں محدود بھی نہ ہوں یہ امتیاز صرف نہج البلاغہ کو حاصل ہے ۔

قرآن سے قطع نظر کیونکہ اس کی بات ہی دوسری ہے آپ کون سا ایسا شاہکار پیش کریں گے کہ جس میں نہج البلاغہ کی سی ہمہ جہتی موجود ہو ؛ کلام روح کا ترجمان ہوتا ہے ہر شخص کا کلام اسی دنیا اور ماحول کا ترجمان ہوتا ہے (اور اسی ماحول کی عکاسی کرتا ہے) جس فضا میں اس کی روح تربیت پاتی ہے چنانچہ فطری طور پر جو کلام متعدد جہانوں سے تعلق رکھتا ہو تو اس سے وہ ایک ایسے جذبہ اور روح کی نشاندہی کرتا ہے جو کسی ایک مخصوص دنیا میں محدود نہیں رہی ہے اور چونکہ روح علی علیہ السلام کسی خاص دنیا میں محدود و منحصر نہیں ہے لہذا تمام دنیاؤں اور جہانوں میں موجود ہے اور عارفوں کی زبان میں آپ کی ذات انسان کامل یعنی کون "اور تمام "حضرات" کی جامع اور تمام کمالات و مراتب کا مرقع ہے لہذا آپ کا کلام بھی کسی ایک دنیا تک محدود و منحصر نہیں ہے ۔

حضرت علی علیہ السلام کے کلام کے امتیازات میں سے یہ بھی ہے کہ آج کی اصطلاح میں اس کے کئی رخ اور پہلو ہیں نہ کہ ایک رخ ۔ ایسا نہیں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے کلام اور روح کا ہمہ جہت ہونا کوئی نئی بات ہے جس کی طرف دنیا آج متوجہ ہوئی ہے بلکہ یہ وہ بات ہے کہ جس نے کم از کم ایک ہزار سال پہلے لوگوں پر حیرتوں کے پہاڑ توڑے ہیں سید رضی علیہ الرحمہ کہ جن کا تعلق ہزار سال قبل سے ہے اس نکتہ کی جانب متوجہ تھے وہ اپنی شیفتگی کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں ۔

> "یہ مولائے کائنات کے ان عجائبات میں سے ہے جو خود آپ کی ذات میں منحصر ہے یہ وہ پہلو ہے جس میں آپ کا کوئی بھی شریک و ثانی نہیں ہے چنانچہ جب انسان آپ کے اس کلام کے بارے میں جو زھد اور وعظ

Presented by www.ziaraat.com

وتنبیہہ کے سلسلہ میں اس غور کرتا ہے وقتی طور پر،
یہ بات بھول جاتا ہے کہ یہ کلام ایک ایسے انسان کا ہے
جو اپنے عصر کی ایک عظیم اجتماعی شخصیت رہی ہے اور
اس کا فرمان ہر جگہ نافذ اور اپنے دور کا "مالک الرقاب"
فرمانبردار رہا ہے وہ بلاشک وشبہ یہی سمجھتا ہے کہ یہ کلام
کسی ایسے انسان کا ہوگا جو زاہدانہ گوشہ نشینی کے سوا کچھ
اور جانتا ہی نہیں، ذکر وعبادت کے علاوہ اس کا کچھ اور
مشغلہ ہی نہیں ہوتا گھر کے کسی کونے یا پہاڑ کے کسی
درے میں جاکر گوشۂ تنہائی اختیار کرلیتا ہے جہاں
وہ اپنی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں سنتا اور اپنے
آپ کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا، معاشرہ اور اس کے
ہنگاموں سے بے خبر ہے۔

کوئی یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ جس کلام میں
زہد وآگہی اور موعظہ وتنبیہ کی اس طرح موجیں اٹھ رہی
ہوں اور اپنے عروج کو پہنچ گئی ہوں۔

وہ ایک ایسی ذات کا کلام ہے جو میدان جنگ میں
لشکروں کے قلب تک در آتا ہے، تلوار ہوا میں لہراتا ہے
اور دشمن کے سر تن سے جدا کرنے کو تیار ہو جاتا ہے
بڑے بڑے سورماؤں کو زمین پر ڈھیر کرکے اس

Presented by www.ziaraat.com

کی تیغ دشمنوں کے خون چاٹ جاتی ہے جبکہ یہی
انسان دنیا کا سب سے بڑا زاہد و عابد بھی ہے "
اس کے بعد سید رضیؒ فرماتے ہیں۔
"میں یہ بات اکثر دوستوں کے درمیان کہا کرتا ہوں اور
اس طرح انھیں محو حیرت کر دیتا ہوں"

شیخ محمد عبدہ بھی نہج البلاغہ کے اسی پہلو سے متاثر ہوئے ہیں کیونکہ اس کے پرت در پرت ہونے اور اسے اپنے قاری کو مختلف جہانوں کی سیر کرانے نے دیگر تمام چیزوں سے زیادہ انہیں متعجب کیا ہے اور ان کی توجہ جذب کی ہے۔ چنانچہ شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ میں انھوں نے خود اپنے خیالات کا اظہار فرمادیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی سخنوری سے قطع نظر کلی طور پر روح علی ایک وسیع جہت اور کئی جنبوں کی حامل روح ہے اور ہمیشہ ان عادات وصفات کی ستائش کی گئی ہے وہ ایک انصاف ور عادل، حاکم اور عابد شب زندہ دار بندے ہیں محراب عبادت میں گریہ کناں اور میدان جنگ میں مسرور و خنداں نظر آتے ہیں وہ ایک غضبناک سپاہی اور شفیق و مہربان سرپرست ہیں وہ ایک دور اندیش حکیم اور لائق سپہ سالار ہیں، وہ معلم بھی ہیں اور خطیب بھی، قاضی بھی ہیں اور مفتی بھی کسان بھی ہیں اور ادیب بھی گویا وہ ایک انسان کامل ہیں اور بشریت کی تمام روحانی دنیاؤں پر چھائے ہوئے ہیں اور ان تمام خوبیوں سے الگ ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ مولائے کائنات نے باوجود اس کے کہ آپ کے ارشادات کا محور معنویات رہے ہیں پھر بھی آپ نے فصاحت کو اپنے اوج کمال تک پہنچا دیا ہے حضرت علی علیہ السلام نے شراب، عشق، عاشقی، فخر و مباہات، جیسے موضوعات پر بحث نہیں کی ہے جہاں گفتگو کے لئے میدان باز ہوتے ہیں اس کے علاوہ آپ نے

Presented by www.ziaraat.com

کہیں بھی خطابت سخنوری کے اظہار کی غرض سے نہیں کی ہے آپ نے کلام کو وسیلہ بنایا ہدف و مقصد قرار نہیں دیا تھا آپ نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ اس کے ذریعہ اپنے بعد کے لئے ایک ہنر و فن کا مرقع اور ادبی شاہکار دنیا کے حوالے کر دیں۔

اس سے بھی بالاتر یہ کہ آپ کا کلام کلیت کا حامل ہے کسی مخصوص زمان و مکان یا افراد میں محدود نہیں ہے آپ کا مخاطب " انسان " ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ نہ زمانہ کا پابند ہے اور نہ سرحدوں میں مقید ہے یہ تمام باتیں خطیب کی وسعت نظر کے اعتبار سے میدان کو محدود اور خود خطیب کو پابند بنا دیتی ہیں۔

قرآن مجید کے لفظی معجزوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے موضوعات و مطالب اگر چہ اپنے عہد میں رائج موضوعات و مطالب سے بالکل جدا ہیں اور ایک نئے ادب کا آغاز کرتے اور ایک دوسری ہی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں پھر بھی اس کی فصاحت و بلاغت اعجاز کی حد کو پہنچی ہوئی ہے نہج البلاغہ اپنی تمام جہتوں کی طرح اس رخ سے قرآن ہی کے نقش پر گامزن نظر آتی ہے اور درحقیقت قرآن کی ہی پیدا کردہ ہے۔

نہج البلاغہ کے موضوعات و مطالب

نہج البلاغہ میں ذکر ہونے والے موضوعات و مطالب کہ جو آسمانی کلام کو گوناگوں رنگ بخشنے میں مددگار ہوئے ہیں، بہت زیادہ ہیں میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ نہج البلاغہ کا تجزیہ و تحلیل کر کے حق مطلب کو ادا کر سکوں گا بلکہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ نہج البلاغہ کا اس نقطۂ نظر سے ایک جائزہ پیش کر دوں اور اس میں کوئی

Presented by www.ziaraat.com

شک نہیں کہ آئندہ زمانے میں ضرور ایسے افراد پیدا ہوں گے جو حق مطالب کو بہتر انداز میں ادا کریں گے ۔

نہج البلاغہ کے مباحث و مسائل پر ایک کلّی نظر

نہج البلاغہ کے وہ مباحث جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ قابل بحث و موازنہ ہے درج ذیل ہیں :۔

(۱) الہیات و مابعد الطبیعات (۲) سلوک و عبادت (۳) حکومت و عدالت (۴) اہل بیت و خلافت (۵) موعظہ و حکمت (۶) دنیا و دنیا پرستی ! (۷) حماسہ و شجاعت (۸) خونریز جنگ (۹) دعا و مناجات (۱۰) اپنے ہم عصروں کا شکوہ اور تنقید (۱۱) اجتماعی اصول (۱۲) اسلام و قرآن ! (۱۳) اخلاق و تہذیب نفس (۱۴) شخصیتیں ـــــ

اور دوسرے مباحث کا ایک طویل سلسلہ یقینی سی بات ہے جیسا کہ مقالوں کے عنوان "نہج البلاغہ کی سیر" سے ظاہر ہے میں نے نہ تو اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ مذکورہ بالا موضوعات میں پوری نہج البلاغہ کے مطالب سمٹ آئے ہیں اور نہ ہی اس بات کا مدعی ہوں کہ مذکورہ موضوعات کو پایۂ تکمیل تک پہونچا سکوں گا اور میں اپنے آپ میں

Presented by www.ziaraat.com

وہ لیاقت اور استعداد بھی نہیں پاتا کہ اس طرح کا دعویٰ کر دوں جو کچھ بھی آپ ان مقالات میں ملاحظہ فرمائیں گے ایک سرسری مطالعہ کا ہی نتیجہ ہیں اور بس ـ

شاید آئندہ توفیق ہو جائے اور اس عظیم علمی خزانہ سے بہتر طور پر فائدہ حاصل کر سکوں یا پھر دوسرے افراد کو یہ توفیق حاصل ہو گی ، خدا ہی جانتا ہے

انہ خیر موفق و معین

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

حصۂ دوم

الٰہیات اور مابعد الطبیعت

توحید و معرفت۔

تلخ اعترافات۔

شیعوں کی عقل و فکر۔

مابعد الطبیعت مسائل میں فلسفیانہ استدلال و نظر کی اہمیت۔

آثار و آیات میں تدبر کی اہمیت۔

خالص عقلی مسائل

پروردگار کے ذات و صفات

ذات حق

وحدت حق وحدت عددی نہیں ہے

حق کی اولیت و آخریت اور ظاہریت و باطنیت

موازنہ اور فیصلہ

نہج البلاغہ اور کلامی افکار و نظریات وغیرہ

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

الہیات اور مابعد الطبیعت

توحید و معرفت

نہج البلاغہ کے اساسی حصوں میں سے ایک حصہ الہیات اور مابعد الطبیعت سے مربوط مسائل سے معمور ہے مجموعاً تمام خطبات، مکتوبات، اور حکمت آمیز کلمات میں تقریباً چالیس جگہوں پر ان مطالب سے بحث ہوئی ہے البتہ ان میں سے بعض مقامات پر جملے مختصر ہیں لیکن زیادہ تر کئی سطروں اور کہیں کہیں پورے صفحات پر مشتمل ہیں!

نہج البلاغہ کی توحیدی بحثوں کو حیرت انگیز ترین بحث سمجھنا چاہیے زمانہ اور ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ ان بحثوں کا وجود کسی معجزہ سے کم نہیں ہے۔

اس میدان میں نہج البلاغہ کی بحثیں گوناگوں و متنوع ہیں ان میں سے بعض کا تعلق مخلوقات اور صنائع قدرت کے آثار و حکمت کے مطالعہ کی قسم سے ہے آپؑ اس حصہ میں کبھی زمین و آسمان کا کلی نظام بیان فرماتے ہیں اور کبھی کسی معین و مخصوص موجود مثلاً چمگادڑ، مور یا چیونٹی کو مورد مطالعہ قرار دیتے ہیں اور آثار آفرینش یعنی ان

Presented by www.ziaraat.com

موجودات کی خلقت میں نظم و تدبیر کے دخل اور ہدف و مقصد پر نظر کی وضاحت کرتے ہیں ہم اس حصہ میں سے نمونے کے طور پر چیونٹی کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد اور اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں ۱۸۵ ویں خطبہ میں فرماتے ہیں :۔

" الا ینظرون الی صغیر ما خلق کیف احکم خلقہ واتقن ترکیبہ وفلق لہ السمع والبصر، وسوّی لہ العظم والبشر، انظروا الی النّملۃ فی صغر جثّتھا ولطافۃ ھیئتھا لاتکاد تنال بلحظ البصر، ولا بمستدرک الفکر کیف دبّت علیٰ ارضھا وصبّت علی رزقھا، تنقل الحبّۃ الی جحرھا وتعدّھا فی مستقرّھا، تجمع فی حرّھا لبردھا وفی وردھا لصدرھا مکفول برزقھا، مرزوقۃ بوفقھا لا یغفلھا المنّان، ولا یحرمھا الدّیّان، ولو فی الصّفا الیابس والحجر الجامس، ولو فکّرت فی مجاری اُکلھا فی علوھا وسفلھا، وما فی الجوف من شراسیف بطنھا، وما فی الرّأس من عینھا واُذنھا لقضیت من خلقھا عجبا " ۔ ۔ ۔ ۔

کیا یہ لوگ خدا کی اس چھوٹی سی مخلوق کے بارے میں غور نہیں کرتے ؟ اپنی اس خلقت کو اس نے کیسا استحکام بخشا ہے اور اس کو کیسا دیکھنے اور سننے کا آلہ عنایت کیا ہے اور کس کامل شکل میں ہڈی

Presented by www.ziaraat.com

دکھاں سے اسے درست کیا ہے ذرا چیونٹی کے اس
چھوٹے سے جسم اور لطیف بدن پر نظر ڈالو۔ اتنی
مختصر ہے کہ پلک جھپکتے نظروں سے اوجھل اور فکر
کے پردے سے بھی غائب ہو جائے۔ یہ چھوٹی سی جان کس
طرح زمین پر رینگتی ہے اور کس چاہ کے ساتھ اپنا رزق
جمع کرتی ہے دانہ چن کر کھینچتی ہوئی بل میں لے جاتی
ہے اور ذخیرہ میں محفوظ رکھتی ہے سردیوں کا آزوقہ
گرمیوں میں فراہم کرتی ہے اور قوت و توانائی کے زمانہ
میں عجز و درماندگی کے دنوں کے لئے ذخیرہ اکٹھا کر
لیتی ہے ایک ایسی مخلوق کی روزی کا ذمہ اس انداز سے
لیا گیا ہے کہ اس کے مناسب حال اس کا رزق پہنچتا
رہتا ہے خداوند عالم ہرگز اس کو فراموش نہیں کرتا اور
نہ ہی اس کی طرف سے غافل ہوتا ہے خواہ وہ بھاری
پتھر ہی کے نیچے کیوں نہ ہو اگر تم اس کی غذا اور ہاضمہ
کی نالیوں کے نظام کو اس کے شکم کی اندرونی بناوٹ
اور آنکھ و کان کی ساخت کہ جو سر میں قرار دیئے گئے
ہیں، غور کرو اور تحقیق کرو اور واقفیت پیدا کرنے
میں کامیاب ہو جاؤ تو سخت حیرت و تعجب میں پڑ
جاؤ گے۔"

لیکن توحید کے بارے میں نہج البلاغہ کی زیادہ تر بحثیں عقلی و فلسفی ہیں نہج البلاغہ

Presented by www.ziaraat.com

کی غیر معمولی عظمت ان بحثوں میں نمایاں ہے عقل پر مبنی نہج البلاغہ کے توحیدی مباحث میں جس بات کو تمام بحثوں استدلالوں اور نتیجوں کی اساس و بنیاد اور مرکز و محور قرار دیا گیا ہے ذات حق کی علی الاطلاق، ذاتی احاطہ بندیوں سے آزاد قیومیت ہے چنانچہ بحث کے اس حصہ میں علی علیہ السلام نے دادِ سخن دی ہے، آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کوئی بھی اس تک نہیں پہنچ سکا ہے۔

دوسرا مسئلہ بساطت مطلقہ (ذات حق کا مطلقاً بسیط ہونا) ہم ہر قسم کی کثرت و جزئیت کی نفی اور صفات و ذات کے درمیان کسی بھی طرح کی دوئی اور مغایرت کے انکار کا مسئلہ ہے اس کے متعلق بھی نہج البلاغہ میں مکرر طور پر بحثیں ہوئی ہیں۔

اس میں عمیق و بے نظیر مسائل کا ایک اور سلسلہ بھی ملتا ہے مثلاً حق تعالیٰ کی اوّلیت عین اس کی آخریت ہے اور اس کی ظاہریت عین اس کی باطنیت ہے اس کا زمانوں اور عددوں پر متقدم ہونا نیز یہ کہ اس کا قدیم ہونا زمانہ کے لحاظ سے یا واحد ہونا عدد کے اعتبار سے اس کا علو اور برتری اس کی حاکمیت نہیں ہے اور اس کا مستغنی بالذات ہونا اور اس کی خلاقیت غرض یہ کہ اس کا کوئی کام بھی اسے کسی دوسرے کام سے باز نہیں رکھ سکتا ہے اس کا کلام عین اس کا فعل ہے عقلوں کی محدود توانائیاں اس کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں جس ذات تک عقول کی رسائی ہوتی ہے وہ اس کی تجلی ہے نہ یہ کہ ایک قسم کے معنی و مفہوم کا سما جانا، اس کا جسمیت، حرکت و سکون تغیر و انقلاب، زمان و مکان مثل و ضد شریک و شبیہہ، آلات و وسائل کی خدمات سے اور معدودیت و محدودیت سے پاک و منزہ ہونا اور اسی طرح خدا کی قدرت و قوت سے متعلق مسائل کا ایک سلسلہ ہے۔

انشاءاللہ ہم آئندہ ان میں سے ہر ایک کے لئے نمونہ پیش کریں گے دراصل یہ وہ بحثیں ہیں جو اس حیرت انگیز کتاب میں بیان ہوئی ہیں اور جدید و قدیم فلسفوں پر حاوی و

Presented by www.ziaraat.com

مسلط ایک فلسفی کو محو حیرت کر دیتی ہیں۔ نہج البلاغہ میں ان تمام مسائل سے مربوط
جو تفصیلی بحثیں ہوئی ہیں خود ایک مفصل کتاب ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک دو مقالوں میں اس
کی وضاحت ممکن نہیں ہے اور ہم اجمال کے ساتھ گزر جانے پر مجبور ہیں البتہ اجمالی طور
پر سہی نہج البلاغہ کے اس حصہ پر نظر ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ مقدمہ کے طور پر
ہم چند نکات کی طرف اشارہ کر دیں۔

Presented by www.ziaraat.com

تلخ اعترافات

ہم شیعوں کو اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم جس کی پیروی کا دم بھرتے ہیں اس پر دوسروں سے زیادہ ہم نے ظلم یا کم از کم اس کے حق میں کوتاہی تو ضرور کی ہے بنیادی طور پر ہماری کوتاہیاں ہی ظلم ہیں حضرت علی علیہ السلام کو ہم نے یا تو پہچاننا نہیں چاہا یا پہچان نہیں سکے۔ ہماری زیادہ تر کوششیں حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نبی کے اقوال و نصوص کی تحقیق یا پھر جن لوگوں نے ان نصوص و احادیث سے چشم پوشی اختیار کر لی تھی ان پر سب و شتم اور برا بھلا کہنے میں صرف ہوئی ہیں خود مولا علی علیہ السلام کی واقعی اور عینی شخصیت کے بارے میں ہم نے کام نہیں کیا ہے ہم اس بات سے غافل رہے ہیں کہ یہ وہ مشک ہے کہ جس کا تعارف برحق طور پر خود عطار الٰہی نے کرایا ہے خود اس میں دل آویز مہک موجود ہے اور تمام چیزوں سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ لوگوں کے مشام کو اس خوشبو سے آشنا کریں یعنی آشنا ہوں اور آشنا بنائیں عطار الٰہی کی تعریف کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کی خوشبو سے آشنا ہو جائیں اس لیے نہیں تھا کہ لوگ صرف عطار کے اقوال پر قناعت کر لیں اور اپنا سارا وقت اس کی معرفی کے بارے میں بحث و مباحثہ پر صرف کر دیں نہ کہ اس سے آشنائی پیدا کریں۔

اگر نہج البلاغہ کسی دوسرے کی ہوتی تو کیا اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ؟ !

ایران[1] شیعیان علی علیہ السلام کا مرکز ہے اور یہاں کے لوگوں کی زبان فارسی ہے

---

[1] یہ کتاب انقلاب سے قبل لکھی گئی ہے الحمد للہ انقلاب کے بعد لوگ اس کی طرف متوجہ ہیں البتہ ابھی بہت کام کی ضرورت ہے "مترجم"

Presented by www.ziaraat.com

آپ فارسی میں نہج البلاغہ کے ترجموں اور شرحوں پر ایک نظر ڈالئے اور پھر یہ فیصلہ کیجئے کہ اب تک ہم لوگوں نے اس سے متعلق کیا کیا[1]

کلی طور پر شیعہ احادیث و روایات اور اسی طرح شیعی دعاؤں کے ذخیرے، الہٰی معارف اور اسی طرح دیگر مضامین کے لحاظ سے دوسرے مسلمانوں کے احادیث و روایات اور دعاؤں کے ساتھ قابل مقائسہ نہیں جو مسائل اصول کافی یا توحید صدوق رح یا احتجاج طبرسیؒ میں بیان ہوئے ہیں وہ کسی بھی غیر شیعی کتاب میں بیان نہیں ہوئے ہیں غیر شیعوں کے یہاں اس بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اتفاق سے وہ مسائل ہیں جنہیں الکل جعلی اور ذہنی اختراع کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ قرآن کے اصول و نصوص کے خلاف ہیں اور ان سے خدا کے مجسم و مشابہ ہونے کی بو آتی ہے ادھر کچھ عرصہ قبل ہاشم معروف حسینی نے ایک کتاب "دراسات فی الکافی للکلینی والصحیح للبخاری" کے نام سے تالیف کی ہے اور اس میں بڑی ندرت و جدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے مختصر طور پر صحیح بخاری اور کلینی کی کافی کے درمیان ان روایات کے لحاظ سے موازنہ کیا ہے جو الہیات سے مربوط ہیں!

شیعوں کی عقل و فکر

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے ذریعے الہیات سے متعلق مباحث کا بیان اور ان مسائل کے بارے میں تجزیہ و تحلیل کہ جس کا واضح نمونہ اور راس المال نہج البلاغہ ہے اس بات کا سبب بنی کہ قدیم الایام سے ہی شیعوں کی عقل و فکر فلسفی عقل و فکر کی صورت میں ڈھل گئی البتہ اسلام میں یہ کوئی بدعت یا نئی چیز نہیں تھی بلکہ یہ وہی راستہ ہے جو

1 اسی طرح اردو میں بھی نہج البلاغہ پر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا کاش علماء اس طرف متوجہ ہو جاتے

Presented by www.ziaraat.com

قرآن نے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے تعلیمات قرآن کا اتباع کرتے ہوئے تفسیر قرآن کے عنوان سے ان حقائق سے پردہ ہٹایا ہے اگر قابل سرزنش ہیں تو دوسرے لوگ جنھوں نے اس راہ کو نہیں اپنایا اور اس روش و وسیلہ سے دور ہو گئے

تاریخ بتاتی ہے کہ صدر اسلام سے ہی شیعہ حضرات ان مسائل کی طرف دوسروں سے زیادہ متوجہ تھے اور اہل سنت کے یہاں بھی معتزلہ کا گروہ جو شیعوں سے نسبتاً قریب تھا، اس روش کی طرف میلان رکھتا تھا لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اہل سنت کی اکثریت کو معتزلہ کی روش پسند نہ آئی اور تقریباً تیسری صدی کے بعد سے معتزلہ زوال پذیر ہوتے چلے گئے

احمد امین مصری اپنی کتاب "ظہر الاسلام" کی پہلی جلد میں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں وہ مصر میں فلسفی تحریک کے بارے میں بحث کرنے کے بعد کہ جو شیعہ فاطمیوں کے ذریعہ وجود میں آئی تھی کہتے ہیں:

"ولذالك كانت الفلسفة بالتشيع الصق منها بالتسنن
نرى ذالك في العهد الفاطمي والعهد البويهي،
وحتى في العصور الاخيرة كانت فارس اكثر الاقطار
عناية بدراسة الفلسفة الاسلاميه ونشر كتبها
ولما جاء جمال الدين الافغاني مصر في عصرنا الحديث
وكان فيه نزعة تشيع وقد تعلم الفلسفة
الاسلامية بهذه الاقطار الفارسية كان هو الذي
نشر هذه الحركة في مصر۔"

فلسفہ اہل سنت سے زیادہ شیعوں سے وابستہ رہا ہے

Presented by www.ziaraat.com

اور اس کو ہم مصر میں فاطمیوں اور ایران میں آل بویہ کے
عہد سلطنت میں دیکھ سکتے ہیں یہاں تک کہ ادھر آخری زمانہ
میں بھی ایران میں کہ جو شیعوں کا مرکز ہے تمام مسلم ممالک
سے زیادہ فلسفہ پر توجہ دی گئی ہے سید جمال الدین افغانی
(اسدآبادی) جو شیعیت کی طرف مائل تھے اور فلسفہ کی تعلیم
ایران ہی میں حاصل کی تھی جیسے ہی مصر آئے تو ایک
فلسفی تحریک مصر میں شروع کر دی۔

لیکن احمد امین اس سلسلہ میں کہ کیوں تمام مسلمانوں سے زیادہ شیعہ فلسفہ کی طرف مائل رہے ہیں؟ عمداً یا سہواً غلطی سے دو چار ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: فلسفی اور عقلی بحثوں کی طرف شیعوں کی رغبت کا سبب ان کی حقیقت بینی اور تاویل ہے۔

شیعہ حقیقت بینی کی توجیہ کے سلسلہ میں فلسفہ سے مدد لینے پر مجبور تھے اسی وجہ سے مصر میں فاطمیوں نے اور ایران میں آل بویہ اور اسی طرح صفیوں اور قاچاریوں نے تمام اسلامی ممالک سے زیادہ فلسفہ پر توجہ دی ہے۔

احمد امین کی اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے شیعوں کے یہاں یہ رجحان و رغبت ائمہ علیہم السلام کی مرہون منت ہے انھوں نے اپنے اجتماعات، خطبات، احادیث، روایات اور دعاؤں میں حکمت الٰہی کے بلند ترین و باریک ترین مسائل کو بیان کیا ہے نہج البلاغہ ان کا ایک نمونہ ہے یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ کی احادیث کے لحاظ سے بھی ہم شیعوں کی روایات میں ایسی بلند پایہ روایات پاتے ہیں جو دوسروں کی روایات میں رسول اکرمؐ سے نقل نہیں ہوئی ہیں شیعوں کی عقل و نظر صرف فلسفہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ علم کلام، فقہ و اصول فقہ میں بھی خاص امتیاز رکھتی ہے اور ان تمام چیزوں کا منبع

Presented by www.ziaraat.com

ایک ہی ہے ۔

دوسرے افراد نے اس تفاوت کو ملت شیعہ سے مخصوص جانا ہے وہ کہتے ہیں چونکہ شیعہ ایرانی تھے ، ایرانی شیعہ تھے اور ایرانی لوگ صاحب فکر اور باریک اندیش تھے لہٰذا انھوں نے اپنی فکری وعقلی قوت وصلاحیت کے ذریعہ شیعی معارف کو بھی عروج دیا اور اس میں اسلامی رنگ بھر دیا ۔

برٹریٹ رانڈ رسل نے اپنی کتاب " مغربی فلسفہ کی تاریخ " کی دوسری جلد میں اسی بنیاد پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ رسل نے اپنی عادت کے مطابق اس بات کو بھی بڑے ہی ادیبانہ انداز میں پیش کیا ہے ۔ البتہ وہ اپنے دعوے میں معذور ہے کیوں کہ وہ بنیادی طور پر اسلامی فلسفہ سے ہی واقف نہیں ہے اسے اس کے بارے میں ذرہ برابر بھی علم نہیں ہے چہ جائیکہ وہ اس کے سوتے اور سرچشمے کا تعین کرے ۔

اس طرز فکر کے حامل افراد سے ہماری گزارش ہے کہ اولاً نہ تو تمام شیعہ ایرانی تھے اور نہ ہی سارے ایرانی شیعہ تھے ۔ اگر محمد ابن یعقوب کلینی ، محمد ابن علی ابن حسین ابن بابویہ قمی اور محمد ابن ابی طالب مازندرانی ایرانی تھے لیکن محمد ابن اسماعیل بخاری ابو داؤد سجستانی اور مسلم بن حجاج نیشاپوری ایرانی نہ تھے ؟ کیا نہج البلاغہ جمع کرنے والے سید رضیؒ ایرانی تھے ؟ کیا مصر کے فاطمی حکمراں ایرانی تھے ؟

مصر میں ، فاطمیوں کے نفوذ کے ساتھ ہی کیوں فلسفی فکر زندہ ہو جاتی ہے ؟ اور ان کی حکومت کے زوال کے ساتھ کیوں یہ فکر بھی مردہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد کیوں ایک سید ایرانی شیعہ کے ذریعہ دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے ؟ !

حقیقت یہ ہے کہ اس طرز فکر اور اس طرح کے رجحان کی سلسلہ جنبانی کرنے والے فقط ائمہ اہلبیت علیہم السلام تھے ۔

Presented by www.ziaraat.com

اہل تسنن کے تمام محققین کو اعتراف ہے کہ علی علیہ السلام اصحاب کے درمیان صاحب حکمت تھے اور آپ کی عقل دوسروں کی عقلوں کے مقابلہ میں ممتاز اور عبداتمس ابو علی سینا سے نقل ہوا ہے وہ کہتے ہیں

"کان علیؑ (ع) بین اصحاب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ
کالمعقول بین المحسوس"
علی علیہ السلام اصحاب نبی (ص) کے درمیان ایسے ہی
تھے جیسے "جزئیات محسوسہ کے درمیان کلی یا اجسام
مادیہ" کے سامنے "عقول قاہرہ" ہو

ظاہر ہے ایسے امام کے پیروں کے انداز فکر میں دوسرے افراد کی بہ نسبت واضح فرق ہونا ہی چاہیئے۔

احمد امین اور بعض دیگر افراد ایک اور توہم سے بھی دوچار ہوئے ہیں انھوں نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف اس قسم کے کلمات کی نسبت کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: عرب یونان کے فلسفہ سے پہلے اس قسم کی بحث و تجزیہ و تحلیل اور موشگافیوں سے آشنا نہ تھے یہ باتیں بعد میں ان لوگوں نے جو یونانی فلسفہ سے واقف تھے اختراع کی ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی ہیں!

ہم بھی کہتے ہیں کہ عرب اس قسم کے کلمات اور مطالب سے واقف نہیں تھے اور نہ صرف عرب بلکہ غیر عرب بھی اس سے نابلد تھے، یونان اور یونان کا فلسفہ بھی ان سے آشنا نہیں تھا۔

جناب احمد امین پہلے تو حضرت علیؑ کو فکر و نظر کے اعتبار سے (معاذ اللہ) ابوجہل و ابوسفیان کے مثل بدووں کی سطح تک نیچے لے آئے ہیں، اور پھر صغریٰ و کبریٰ ترتیب

Presented by www.ziaraat.com

دیا ہے !

کیا دور جاہلیت کے عرب قرآن کے بیان کئے ہوئے معانی و مفاہیم سے آشنا تھے؟!

کیا حضرت علی علیہ السلام خاص پیغمبرؐ کے تربیت کردہ اور تعلیم یافتہ نہ تھے ؟

کیا پیغمبرؐ نے علیؑ کو اپنے اصحاب کے درمیان اعلم ترین شخص کی حیثیت سے متعارف نہیں کرایا تھا ؟!

کیا ضرورت ہے کہ ہم بعض ایسے صحابہ کی عظمت کے تحفظ کی خاطر کہ جو عام سطح کے مالک تھے ، برکتِ اسلام سے بہرہ مند ہونے والے بلند ترین مقام عرفانی و فیوض باطنی پر فائز دوسرے افراد کے کمالات کا انکار کریں ؟!

جناب احمد امین کہتے ہیں کہ یونان کے فلسفہ سے پہلے اہل عرب ان معانی و مفاہیم کو نہیں جانتے تھے کہ جو نہج البلاغہ میں بیان ہوئے ہیں ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو معانی و مفاہیم نہج البلاغہ میں بیان ہوئے ہیں (عرب والے) یونان کے فلسفہ کے بعد بھی ان سے آشنا نہیں ہوئے نہ فقط عرب ان سے آشنا نہیں ہوئے بلکہ غیر عرب مسلمان بھی ان سے بے خبر رہے ، کیوں کہ فلسفۂ یونان بھی ان سے نابلد تھا ، یہ تو وہ چیزیں ہیں جو اسلامی فلسفہ سے مختص ہیں یعنی اسلام کے خصوصیات میں سے ہیں ، اور فلاسفۂ اسلام نے بتدریج اسلام کے مبادیات سے مدد لے کر ان کو اپنے فلسفہ میں داخل کیا ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

مابعدالطبیعہ مسائل میں فلسفیانہ استدلال و نظر کی اہمیت

ہم کہہ چکے ہیں کہ الٰہیات کے مسائل نہج البلاغہ میں دو طرح سے بیان ہوئے ہیں:
ایک طریقۂ بیان وہ ہے جس میں اس دنیا کے محسوس اپنے ان نظاموں کے ساتھ جو اس میں کارفرما ہیں ایک ایسے آئینہ کے عنوان سے جس میں اس کے پیدا کرنے والے کی علم وآگہی اور کمالات جلوہ گر نظر آتے ہیں غور و فکر اور تلاش و جستجو کا محور قرار دیئے گئے ہیں اور دوسرے طریقہ میں محض عقلی افکار و نظریات اور خالص فلسفی انداز و محاسبات کو بروئے کار لایا گیا ہے، نہج البلاغہ کی زیادہ تر الٰہی بحثیں خالص عقلی تفکرات اور خالص فلسفی محاسبات سے تشکیل پائی ہیں ذات حق کے صفات کاملہ و جلالیہ اور اس کے مختلف پہلوؤں کے سلسلہ میں فقط دوسرے طریقہ سے استفادہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس قسم کی بحثوں کی قدر و قیمت اور اس طرز تفکر کو کام میں لانے کو لوگ شک و شبہہ کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں ہمیشہ ایسے لوگ رہے ہیں جنھوں نے ایسی بحثوں کو عقلی یا شرعی یا دونوں رخ سے ناروا قرار دیا ہے ہمارے زمانہ میں ایک گروہ ان کا ہے جو دعوی کرتے ہیں کہ اس طرح کا تجزیہ و تحلیل روح اسلام کے ساتھ سازگار نہیں ہے اور مسلمان یونان کے فلسفہ کے زیر اثر نہ یہ کہ قرآنی الہام و ہدایت سے متاثر ہو کر ایسی ناروا بحثوں میں پڑ گئے ہیں اگر وہ قرآن کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کرتے تو خود کو ایسی پُرپیچ بحثوں میں گرفتار نہ کرتے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ سرے سے نہج البلاغہ کی اس قسم کی بحثوں

Presented by www.ziaraat.com

سے حضرت علی علیہ السلام کی کوئی نسبت ہونے کی اصل وحقیقت کے سلسلہ میں بھی
شک میں مبتلا ہیں دوسری، تیسری صدی ہجری میں ایک گروہ نے شرعی لحاظ سے ایسی
بحثوں کی مخالفت کی تھی۔ اس گروہ کا دعویٰ تھا کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ ظواہر الفاظ
سے جو چیز عام لوگوں کے سمجھ میں آتی ہے بس اسی حد تک وہ سمجھیں اور اسی پر عمل کریں۔
اس کے علاوہ ہر قسم کے سوال وجواب اور چون وچرا بدعت ہے مثلاً اگر کبھی کسی نے قرآن کی
آیت "الرحمن علی العرش استویٰ" کے بارے میں پوچھ لیا تو پیشانی پر بل آجاتے
تھے اور ناراض ہو کر کہتے تھے۔

الکیفیۃ مجھولۃ والسؤال بدعۃ۔
حقیقت حال ہم نہیں جانتے لیکن اس کے بارے میں
سوال کرنا ممنوع ہے! ع۱

تیسری صدی ہجری میں یہ گروہ جو بعد میں اشاعرہ کے نام سے جانا جانے لگا
وہ معتزلہ پر کہ جو اس طرح کے عقلی نظریات کو جائز سمجھتے تھے کامیاب ہو گیا اور اس کامیابی نے
اسلام کی عقلی زندگی پر ایک کاری ضرب لگائی خود ہمارے یہاں اخباریوں کا گروہ بھی
دسویں صدی سے لے کر چودہویں صدی ہجری تک خصوصاً دسویں وگیارہویں صدی ہجری
میں اشاعرہ کے افکار کی ہی پیروی کرنے لگا تھا۔ یہ تو تھا شرعی پہلو۔

لیکن عقل کے لحاظ سے علوم طبیعیات میں، قیاس، و نظریات پرستی، اور تجرباتی روش
کی کامیابی کے بعد یورپ میں یہ فکر پیدا ہو گئی کہ عقلی ونظری روش نہ صرف طبیعیات میں بلکہ
کسی بھی میدان میں قابل اعتبار نہیں ہے اور اگر کوئی فلسفہ قابل اعتماد ہے تو صرف حسی

ع۱ اصول فلسفہ وروش ریالیسم کی جلد پنجم کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں۔

Presented by www.ziaraat.com

فلسفہ سے اس بات کا فطری اثر و نتیجہ یہ تھا کہ الٰہیات کے مسائل ناقابل اعتماد اعلان کر دیئے جائیں کیونکہ یہ حسی و تجرباتی مشاہدات کے دائرہ سے باہر کی چیز ہیں ۔

دنیائے اسلام میں اشعری طرز فکر کی لہر نے ایک طرف سے اور علوم طبیعیات میں پے در پے اور حیرت انگیز حسی و تجرباتی کامیابیوں نے دوسری طرف سے غیر شیعہ مسلمان صاحبان قلم میں ایک ہیجان پیدا کر دیا جو ایک معجون نظریے کے وجود میں آنے کا سبب بن گیا اور اس نے الٰہیات میں غور و فکر کی روش اپنانا شرعی اور عقلی دونوں لحاظ سے مردود قرار دے دیا ۔ شرعی لحاظ سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ خداشناسی کے لیئے قرآن کی رو سے فقط ایک ہی راستہ قابل اعتماد ہے اور وہ حسی و تجرباتی روش ہے یعنی موجودات عالم کا مطالعہ کیا جانا اس کے علاوہ ہر راہ فضول و بیکار ہے قرآن نے اپنی دسیوں آیتوں میں کمال صراحت کے ساتھ لوگوں کو مظاہر طبیعت کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی ہے اور مبدأ و معاد کا راز اسی عالم طبیعت میں مخفی جاتا ہے اور عقلی لحاظ سے یورپ کے حسی فلاسفہ کے اقوال کو اپنی باتوں اور تحریروں میں منعکس کرنے لگے ۔

فرید وجدی نے اپنی کتاب "علے اطلال المذھب المادی" میں اور سید ابوالحسن ندوی ہندی نے اپنی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" اور جماعت "اخوان مسلمین" کے صاحبان قلم جیسے سید قطب وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس نظریہ کی تبلیغ و ترویج کرتے ہوئے مخالف نظریہ کو نہایت ہی خطرناک قرار دیا ہے ۔

"ندوی" جاہلیت سے اسلام کی طرف مسلمانوں کا گزر" نامی فصل کے ذیل میں "الٰہیات میں محکمات و بیّنات" عنوان کے تحت (تحریر) فرماتے ہیں کہ ۔

"پیغمبروں نے لوگوں کو خدا کی ذات اور صفات، دنیا
کے آغاز و انجام اور انسان کے آخری انجام سے آگاہ

Presented by www.ziaraat.com

کیا اس سلسلہ میں مفت اطلاعات انسان کے حوالے
کر دیں اور اس کو ان مسائل سے بحث کرنے کے سلسلہ
میں کہ جس کے مبادیات و مقدمات اس کے اختیار میں
نہیں ہیں (کیونکہ یہ علوم حس و طبیعت کے دائرے سے
باہر ہیں یا انسان کے علم و فکر کی حکومت صرف محسوسات
میں منحصر ہے) بے نیاز کر دیا لیکن لوگوں نے اس نعمت
کی قدر نہیں کی اور ان مسائل میں بحث و تفحص کرنے لگے
کہ جو لا معلوم و تاریک علاقہ میں قدم بڑھانے کے سوا
اور کچھ نہیں ہے ؎۱

یہی ندوی صاحب اپنی کتاب کی ایک دوسری فصل میں جہاں مسلمانوں کے انحطاط سے متعلق "مفید علوم کی کم اہمیتی کے عنوان سے" بحث کی ہے علماء اسلام پر اس طرح تنقید کرتے ہیں کہ:

"اسلامی دانشوروں اور مفکروں نے مابعد الطبیعت
سے متعلق بحثوں کو جو انھوں نے یونان سے سیکھا تھا جتنی
اہمیت دی اتنی عملی و تجرباتی علوم کو نہیں دی مابعد
الطبیعت اور یونانی فلسفۂ الٰہی ان کے ان بت
پرستی کے معتقدات کے سوا کچھ اور نہیں ہے جن کو
انھوں نے فن کا رنگ دیکر پیش کیا ہے یہ وہم و گمان،

؎۱ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین طبع چہارم ص ۹۷

Presented by www.ziaraat.com

تصورات وخیالات اور لفاظیوں کا ایک ایسا سلسلہ
ہے جس کا حقیقت و معنی سے کوئی تعلق نہیں ہے
خداوند عالم نے مسلمانوں کو اپنے آسمانی تعلیمات
کے ذریعہ ان مسائل میں بحث وتلاش اور تجزیہ وتحلیل
کے جو شبہات میں کیمیای تجزیہ وتحلیل سے الگ نہیں
ہیں" بے نیاز کردیا ہے لیکن مسلمانوں نے اس عظیم نعمت
کا کفران کیا اور اپنی جودتوں اور صلاحیتوں کو ان ہی مسائل
میں صرف کردیا۔ [1]

بلاشبہ فرید وجدی اور ندوی کے شل افراد کی فکر ایک طرح سے اشعریت کی جانب (رجعت اور واپسی) ہے لیکن ذرا جدید انداز اور نئی روشنی میں یعنی فلسفہ حسی کے ساتھ پیوندخوردہ لباس میں ہے۔

ہم ابھی فلسفی لحاظ سے فلسفی تعقلات اور انداز فکر کی اہمیت سے متعلق بحث میں وارد نہیں ہو سکتے ہم اپنی کتاب "اصول فلسفہ و روش ریالیسم" میں "معلومات کی اہمیت اور ادراکات میں کثرت کی پیدائش" عنوان کے تحت مقالوں میں اس پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں، یہاں قرآنی نقطہ نظر سے بحث کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ آیا قرآن کریم الہیات کی تحقیق میں فقط آثار قدرت اور طبیعت کے مطالعہ کی راہ کو ہی کافی سمجھتا ہے اور کسی دوسری راہ کو اپنانے کی اجازت نہیں دیتا ہے؟ یا ایسا نہیں ہے؟

لیکن پہلے ایک نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے اور وہ

---

[1] حوالۂ سابق صـ ۱۳

Presented by www.ziaraat.com

یہ کہ اشعری و غیر اشعری میں اختلاف نظر اس بات میں نہیں ہے کہ آیا مسائل الہٰی میں استفادہ کے لئے قرآن و حدیث کو منبع قرار دینا چاہئے یا نہیں ؟ بلکہ اختلاف استفادہ کے طریقے میں ہے اشعریوں کے لحاظ سے ان سے سراپا تسلیم کی صورت میں استفادہ کیا جاسکتا ہے اور بس یعنی ہم صرف اسی نہج سے خدا کو وحدت و علم اور دوسرے تمام اسمائے حسنیٰ سے متصف کریں کہ جو شرع میں بیان ہوئے ہیں ورنہ ہم نہیں جانتے اور نہ جان سکتے ہیں کہ خدا ان اوصاف سے متصف ہے یا نہیں ؟ کیونکہ اس کے اصول و مبادی ہمارے اختیار میں نہیں ہیں پس ہمیں یہی قبول کرلینا چاہئے کہ خدا ایسا ہے لیکن خدا ایسا ہے ہم اس بات کو جان اور سمجھ نہیں سکتے اس سلسلہ میں دینی نصوص کا کام بس یہ ہے کہ ہم جان لیں کہ دین کی نظر میں کس طرح غور کرنا چاہئے تاکہ اسی طریقہ سے ہم غور کریں اور کس طرح کا عقیدہ قائم کرنا چاہئے تاکہ اسی انداز سے عقیدہ قائم کریں ۔

لیکن ان کے مخالفوں کی نظر سے یہ مطالب دوسرے تمام عقلی و استدلالی مسائل کی طرح قابل فہم ہیں یعنی ان کے لئے کچھ اصول و مقدمات درکار ہیں کہ اگر انسان ان سے واقف ہو جائے تو ان مطالب کو سمجھ سکتا ہے ۔ نصوص شرعی کا کام عقول و افکار کو الہام بخشنا اور نظر و اندیشہ کو حرکت میں لانا ہے یہ ضروری اور قابل ادراک اصول و مبادی کو بشر کے اختیار میں کر دیتی ہیں بنیادی طور پر فکری مسائل میں تعبد کے کوئی معنی نہیں ہیں ۔ انسان کا حکم کے تحت فرمائشی فکر و فیصلہ کرنا اور نتیجہ نکالنا ایسا ہی ہے جیسے کسی نظر آنے والی چیز کو کسی کی فرمائش کے زاویہ سے دیکھے اور اس سے پوچھے کہ ہم اس چیز کو کیسی دیکھیں؟ بڑی یا چھوٹی؟ سفید یا سیاہ یا نیلی؟ خوبصورت یا بدصورت؟ فکر کے سلسلہ میں تعبد یا سراپا تسلیم ہو جانے کا مطلب سرے سے فکر نہ کرنے اور بغیر تفکر کے ایک چیز کو قبول کرلینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

خلاصہ یہ کہ بحث اس بات میں نہیں ہے کہ آیا اولیائے وحی کی تعلیمات سے آگے قدم بڑھانے کی انسان قدرت رکھتا ہے یا نہیں ؟

معاذ اللہ ! اس سے آگے بڑھنے کا تو کوئی راستہ ہی نہیں ہے جو کچھ بھی خاندان وحی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے ہمارے لئے معارف الٰہی کی وہی آخری معراج اور حدکمال ہے (ہماری گفتگو) بشر کی عقل و فکر کی استعداد کے سلسلہ میں ہے کہ ان مسائل کے اصول و مبادی کو سامنے رکھ کر انسان علمی و عقلی سیر کرے یا نہ کرے ؟؎۱

اب رہا عالم فطرت کے مطالعہ اور تحقیق کے سلسلہ میں قرآن کریم کی دعوت اور اس کو خدا کی معرفت اور مابعد الطبیعیات کی شناخت کا وسیلہ و ذریعہ قرار دینے کا مسئلہ تو ہم عرض کریں گے کہ عالم طبیعت اور اس کی موجودات کے بارے میں انسان کا غور و فکر کرنا اور اس کو معرفت الٰہی کی علامت سمجھنا قرآن کی تعلیمات کا ایک اساسی اصول ہے ۔

قرآن نے زمین و آسمان ، حیوان و انسان یہاں تک کہ پیڑ پودوں کے بارے میں غور و فکر کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے کہ لوگ ان کے متعلق سوچیں تلاش کریں اور علمی تجزیہ کریں ، اس میں تو بحث کی گنجائش ہی نہیں ہے اور یہ کہ مسلمانوں نے اس راستہ کو اس منہج سے طے نہیں کیا جو حق تھا اس میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں ہے شاید اس سستی کی اصل علت وہی یونان کا فلسفہ بنا ہو کہ جو محض قیاس اور فکر پر مبنی تھا یہاں تک کہ وہ طبیعیات میں بھی اسی روش سے استفادہ کرتا تھا البتہ جیسا کہ علوم کی تاریخ گواہ ہے کہ منکرین اسلام نے تجرباتی روش کو یونانیوں کی طرح کلی طور سے دور نہیں پھینکا بلکہ روش تجرباتی کے اولین موجد و مخترع مسلمان ہی شمار ہوتے ہیں ۔ اس کے

؎۱ ملاحظہ فرمایئے اصول فلسفہ و روش ریالیسم جلد پنجم کا مقدمہ

Presented by www.ziaraat.com

برخلاف جیسا کہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے یورپ والے اس روش کے موجد و مبتکر نہیں ہیں بلکہ انھوں نے مسلمانوں کے کام کو آگے بڑھایا ہے ۔

آثار و آیات میں تدبر کی اہمیت

ان سب کے باوجود ایک نکتہ قابل غور ہے اور وہ یہ کہ قرآن نے زمین و آسمان کی مخلوقات کے بارے میں غور و فکر کرنے کو بہت اہمیت دی ہے آیا اس طرح اس نے دوسرے کسی بھی طرح کے راستہ کو باطل قرار دے دیا ہے، یا جس طرح قرآن نے لوگوں کو آیات الٰہی کے مطالعہ اور تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے اس نے دوسرے طریقوں سے بھی غور و فکر کی دعوت دی ہے بنیادی طور پر مخلوقات عالم اور آثار آفرینش کے مطالعہ کی مدد سے ان معارف کو سمجھنے میں کہ جو مطلوب قرآن ہیں اور اس عظیم آسمانی کتاب میں جن کی طرف اشارہ ہوا ہے اس تدبر و تفکر کی بھلا قدر و قیمت ہی کیا ہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ آثار آفرینش کے مطالعہ کے ذریعہ ہو سکنے والی مدد کی مقدار بہ نسبت ان مسائل کے کہ جو قرآن نے صریحی طور پر بیان کر دیئے ہیں بہت کم ہے قرآن نے الٰہیات کے ایسے مسائل بیان کئے ہیں جو کسی تجع سے بھی عالم طبیعت اور خلقت کے مطالعہ کے ذریعہ قابل تحقیق نہیں ہیں ۔

آثار آفرینش میں غور و فکر کی قدر و قیمت بس اتنی ہے کہ وہ واضح طور پر دنیا میں ایک صاحب تدبیر علم و حکمت کی حامل قوت کے وجود کو ثابت کر دے دنیا کا حسی و تجرباتی لحاظ سے ایک آئینہ ہونا اسی حد تک ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم طبیعت سے ماورا

Presented by www.ziaraat.com

کوئی دانا و توانا ہاتھ موجود ہے اور وہ اس دنیا کے کارخانے کو چلا رہا ہے۔
لیکن قرآن انسان کے لئے بس اتنا جان لینا ہی کافی نہیں سمجھتا کہ اس دنیا کو ایک صاحب علم و حکمت دانا و توانا ہاتھ چلا رہا ہے یہ بات کہنا شاید دوسری تمام آسمانی کتابوں کے لئے صحیح ہو لیکن قرآن کے بارے میں کہ جو آخری آسمانی کتاب ہے اور جس میں خدا اور مابعد الطبیعت کے بہت زیادہ مسائل بیان ہوئے ہیں اس کے لئے یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

خالص عقلی مسائل

اس سلسلہ میں پہلا بنیادی مسئلہ جس کا جواب صرف عالم فطرت کے آثار کے مطالعہ سے نہیں دیا جا سکتا عالم طبیعت سے ماوراء خود اس قوت و طاقت کا واجب الوجود ہونے اور مخلوق نہ ہونے کا مسئلہ ہے۔
آئینہ جہاں میں زیادہ سے زیادہ اس بات کی نشاندہی کی قوت ہے کہ وہ دنیا کو چلانے والے اور کنٹرول کرنے والے ایک دانا و توانا ہاتھ کا وجود ثابت کر دے لیکن وہ کیا ہے اور اس کی کیفیت کیا ہے۔ آیا خود اس کا اختیار کسی اور ہاتھ میں ہے یا قائم بالذات ہے؟ اگر وہ کسی دوسری قوت کے ہاتھ میں ہے تو اب وہ دوسرا ہاتھ کس طرح کا ہے؛ قرآن کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ ہم جان لیں اس جہاں کو ایک دانا و توانا طاقت چلا رہی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم جان لیں وہ چلانے والا "اللہ" ہے، اور "اللہ" "لیس کمثلہ شی" (اس کے مثل کوئی شی نہیں ہے) کا مصداق ہے وہ مجمع جمیع کمالات ہے، دوسرے

Presented by www.ziaraat.com

لفظوں میں کمال مطلق ہے اور خود قرآن کی زبان میں للہ المثل الاعلیٰ ہے عالم طبیعت کا مطالعہ ہم کو بھلا کس طرح ان مفاہیم سے آشنا کر سکتا ہے؟

دوسرا مسئلہ خداوند عالم کی یکتائی اور وحدانیت کا ہے، اس مسئلہ کو قرآن نے استدلالی شکل میں پیش کیا ہے اور منطق کی اصطلاح میں ایک قیاس استثنائی کے ذریعہ مطلب کو ادا کیا ہے اور اس پر وہی برہان قائم کیا ہے جس کو اسلامی فلسفہ نے "برہان تمانع" کا نام دیا ہے کبھی تمانع علّتِ فاعلی[1] کے ذریعہ مسئلہ کو چھیڑا ہے،

"لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا"[2]

یاد رکھو! اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے تو زمین و آسمان دونوں برباد ہو جاتے (یعنی زمین و آسمان کا برباد نہ ہونا اللہ کے ایک ہونے کی دلیل ہے)

اور کبھی تمانع علّت غائی کی راہ سے اس مسئلہ کو سمجھایا ہے:۔

ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الٰہ اذاً لذھب کلّ الٰہ بما خلق ولعلا بعضھم علیٰ بعض[3]

یقیناً خدا نے کسی کو فرزند نہیں بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے ورنہ ہر ایک خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ

---

[1]: تمانع فاعلی یعنی ایک سے زیادہ علت کا نہ ہونا۔ تمانع غائی ایک سے زیادہ غایت کا نہ ہونا۔

[2]: سورۂ انبیاء آیت ۲۲

[3]: مومنون آیت ۹۱

Presented by www.ziaraat.com

ہو جاتا اور ہر ایک دوسرے پر برتری کی فکر کرتا،

(اور کائنات کا تباہ و برباد نہ ہونا خدا کے واحد ہونے

کی دلیل ہے) ع[1]

قرآن نے ہرگز خدا کی وحدانیت و یگانگی کی معرفت کے حصول کے لئے نظام خلقت کے مطالعہ اور اس کی موجودات کے بارے میں غور و فکر پر اس طرح زور نہیں دیا ہے جس طرح اس راہ سے ماورائے خالق کی اصل معرفت حاصل کرنے کی تاکید کی ہے ظاہر ہے اس طرح کا حکم صحیح بھی نہیں ہے۔

قرآن میں اس طرح کے جو مسائل بیان ہوئے ہیں کچھ اس طرح ہیں:۔

لیس کمثلہ شیئ[1] و للہ المثل الاعلی[2]

اس کا کوئی مثل نہیں ہے اللہ کے پاس بلند ترین صفات ہیں

لہ الاسماء الحسنی و الامثال العلیا[3]

اس کے لیے بہترین نام ہیں اور اس کے لئے مثالیں بلند و بالا ہیں

الملک القدوس العزیز المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر[4]

وہ اللہ پاکیزہ صفات بے عیب امان دینے والا نگرانی کرنے والا صاحب عزت اور زبردست کبریائی کا مالک ہے

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ[5]

تم جس طرف بھی قبلہ کا رخ کر لو گے سمجھو بس اس جگہ خدا موجود ہے

۱۱۵

۱ سورہ شوریٰ آیت نمبر ۱۱، ۲ سورہ نحل آیت نمبر ۶۰، ۳ سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۸، ۴ سورہ حشر آیت نمبر ۲۳، ۵ سورہ بقرہ

Presented by www.ziaraat.com

وهو اللہ فی السمٰوات وفی الارض ۶

وہ اللہ آسمانوں اور زمین ہر جگہ کا خدا ہے۔

ھو الاول والاخر والظاھر والباطن ۷

وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے

الحی القیوم ۸ اللہ الصمد ۹

وہ اللہ زندہ بھی ہے اور اسی سے کل کائنات قائم ہے
اللہ برحق بے نیاز

لم یلد ولم یولد ۱۰
اس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ والد

ولم یکن لہ کفواً احد ۱۱
نہ اس کا کوئی کفو اور ہمسر ہے

یہ مسائل قرآن نے کس مقصد کے تحت بیان کئے ہیں؟ آیا یہ سمجھ میں نہ آنے والے اور درک نہ کئے جانے والے مسائل کے طور پر اور ندوی کے بقول ان کے اصول و مبادی بشر کے اختیار میں نہیں ہیں۔ انسان کے سامنے قرآن نے پیش کردیئے ہیں؟ اور چاہا ہے کہ تدبر و تفکر اور سوچے سمجھے بغیر وہ انہیں تسلیم کرے یا واقعاً قرآن نے یہ چاہا ہے کہ لوگ خدا کو ان ہی پہلوؤں اور صفات کے ذریعہ پہچانیں اگر قرآن کا مقصد یہ ہے کہ خداوند عالم ان صفات کے ذریعہ پہچانا جائے تو اس کی راہ کیا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ کائنات کا مطالعہ ہمیں ان معارف تک پہنچا دے، کائنات کا مطالعہ

---

۶ سورۂ انعام آیت نمبر ۳، ۷ سورۂ حدید آیت نمبر ۳، ۸ سورۂ بقرآیت نمبر ۲۵۵، ۹ سورۂ اخلاص آیت نمبر ۲
۱۰ سورۂ اخلاص آیت نمبر ۳، سورۂ اخلاص آیت نمبر ۴

Presented by www.ziaraat.com

توہمیں یہ بتاتا ہے کہ خدا علم والا ہے یعنی اس نے جو چیز بھی پیدا کی ہے وہ علم و دانائی کے ساتھ پیدا کی ہے لیکن ہم سے قرآن کا صرف اتنا مطالبہ نہیں ہے کہ ہم جان لیں جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے وہ علم و دانائی کی رو سے پیدا کیا ہے بلکہ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ :

انّہ بکلّ شئ علیمٌ[1] لا یعزب عنہ مثقال
ذرّۃ[2] قل لوکان البحر مداداً لکلمات ربّی[3]

وہ اللہ ہر شئ کا خوب جاننے والا ہے اس کے علم
سے آسمان و زمین کا کوئی ذرّہ دور نہیں ہے ، اے
میرے رسول آپ کہہ دیجئے اگر میرے پروردگار کے
کلمات کے سمندر بھی روشنائی بن جائیں تو کلمات رب
کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں ۔

قرآن میں اور بھی بہت سے مسائل بیان ہوئے ہیں مثلاً اس میں کتب علوی لوح محفوظ، لوح محو و اثبات، جبر و اختیار، وحی و اشراق وغیرہ کا ذکر ہے اور مخلوق کے مطالعہ کے ذریعہ ان میں سے کسی ایک کی بھی تحقیق نہیں کی جا سکتی ۔

قطعاً قرآن نے ان مسائل کو دروس کے ایک سلسلہ کے عنوان سے پیش کیا ہے اور دوسری طرف ان دروس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت کے مثل آیات کے ذریعہ تدبر کا تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے :۔

افلا یتدبّرون القرآن ام علی قلوب اقفالہا[4]

کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدّبّروا آیاتہ[5]
کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ، ان کے دلوں پر
قفل پڑے ہوئے ہیں ، یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے

---

[1] شوریٰ آیت ۱۲ ، [2] سورۂ سبا آیت ۳ ، [3] سورۂ کہف آیت ۱۰۹ ، [4] سورۂ محمد آیت ۲۴ ، [5] سورۂ ص آیت ۲۹

Presented by www.ziaraat.com

نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں۔

چنانچہ ہم اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ ان حقائق تک رسائی کے لئے اس نے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور معتبر جانا ہے اور ان کو درک نہ ہونے والے مجہولات کے ایک سلسلہ کے عنوان سے پیش نہیں کیا ہے۔

مابعد الطبیعت کے سلسلہ میں قرآن نے جن مسائل کا تذکرہ کیا ہے ان کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے کہ مادی مخلوقات کا مطالبہ جن کا جواب پیش کر سکتا ہے ان ہی چیزوں کی وجہ سے مسلمان کبھی روحانی و عرفانی سیر و سلوک کے ذریعہ اور کبھی عقلی و فکری راہ و روش کے ذریعہ ان مسائل کو حل کرتے ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن نے الٰہیات کے مسائل کے لئے صرف موجودات و مخلوقات کے مطالعہ کو کافی سمجھا ہے ان تمام متنوع مسائل کے بارے میں کہ جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں اور اس مقدس آسمانی کتاب کے مختصات میں سے ہیں کیا فرماتے ہیں؟

گزشتہ دو فصلوں میں جن مسائل کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان کی طرف صرف اور صرف قرآن مجید کی تفسیر نے علی ابن ابی طالب کو ابھارا اور متوجہ کیا ہے اگر علی نہ ہوتے اور اس طرح قرآن کی تفسیر بیان نہ کرتے تو شاید قرآن کے عقلی معارف ہمیشہ کے لئے بغیر تفسیر کے رہ جاتے۔

اب جبکہ ان بحثوں کی اہمیت کی طرف کسی حد تک اشارتاً گفتگو ہو چکی ہم نہج البلاغہ سے اس طرح کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

پروردگار کے ذات وصفات

اس فصل میں ہم نہج البلاغہ کی ان بحثوں کا ذکر کریں گے کہ جن کا تعلق الہیات یعنی ان مسائل سے ہے کہ جو خدا کی ذات وصفات سے مربوط ہیں اس کے بعد ہم مختصر طور پر اس کی اہمیت اور موازنہ کرتے ہوئے نہج البلاغہ کے اس حصہ کو تمام کریں گے ۔

اولاً قارئین محترم سے معذرت خواہ ہوں کہ آخری تین فصلوں خصوصاً اس فصل میں ہماری بحث نے ذرا فنی اور فلسفیانہ رخ اختیار کر لیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں ایسے مسائل بیان ہوئے ہیں جو اس قسم کے تجزیہ و تحلیل سے ناآشنا ذہنوں کے لئے یقیناً سنگین ہیں ۔

چارۂ کار کیا ہے ؟ نہج البلاغہ ایسی کتاب کے بارے میں بحث کہ جو پستی و بلندی اور نشیب و فراز سے مملو ہے ممکن نہیں ہے لہذا بحث کا چاک سلتے ہیں اور چند نمونے کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں ۔ اگر ہم نہج البلاغہ کی لفظ بہ لفظ شرح (بیان) کریں تو دفتر کے دفتر وجود میں آجائیں ۔

ذاتِ حق

آیا نہج البلاغہ میں ذات حق کے سلسلہ میں کہ وہ کیا ہے ؟ اور اس کی کیا تعریف کی جاسکتی ہے ؟ بحث ہوئی ہے ؟ جی ہاں! بحث ہوئی ہے بلکہ بہت زیادہ بحث ہوئی

Presented by www.ziaraat.com

ہے لیکن یہ تمام بخشیں ایک نقطہ کا طواف کرتی ہیں۔ اور وہ یہ کہ ذات حق کے وجود کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا وہ ہستی مطلق ہے اور ماہیت نہیں ہے وہ ایسی ذات ہے جس کی حد بندی نہیں کی جاسکتی وہ کسی سرحد کا پابند نہیں ہے جبکہ ہر موجود کے لئے حدود اور کوئی نہ کوئی انتہا ہے چاہے وہ موجود متحرک ہو یا ساکن، متحرک وجود بھی اپنی سرحدیں ہمیشہ بدلتا رہتا ہے لیکن ذات حق کی کوئی حد و سرحد نہیں ہے۔

اس کے یہاں کسی بھی ایسی ماہیت کی راہ نہیں ہے جو اس کو کسی خاص نوع میں محدود کر دے یا کسی محدود وجود سے مختص کر دے۔ عالم وجود کا کوئی ایک زاویہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس سے خالی ہو وہ ہر قسم کے فقدان اور کمی سے بری ہے اس میں صرف ایک کمی جو ہے وہ یہ کہ اس میں کوئی کمی نہیں ہے صرف ایک سلب و محرومی جو اس کے لئے صادق آتی ہے وہ خود سلب و محرومی کی سلب و محرومی ہے صرف ایک نہیں اور عدمیت جو اس کی صفت قرار دی جاسکتی ہے ہر قسم کے نقص اور عدم و نیستی مثلاً مخلوقیت، ومعلولیت، محدودیت وکثرت، جزئیت و نیازمندی کی نفی و نہی ہے مختصر یہ کہ وہ تنہا سرحد جہاں وہ اپنے قدم نہیں اٹھاتا نیستی و نابودی کی سرحد ہے، وہ تمام اشیاء میں ہے لیکن کسی شئ میں نہیں ہے اور کوئی چیز بھی اس میں نہیں ہے اور کسی چیز میں سمایا ہوا نہیں ہے، مگر کسی چیز سے باہر بھی نہیں ہے وہ ہر قسم کی کیفیت و ماہیت اور ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل سے منزہ ہے کیوں کہ یہ تمام اوصاف محدود و متعین، ماہیت رکھنے والی موجود کے صفات ہیں۔

مع کلّ شیٍ لا بمقارنۃ وغیر کلّ شیٍ لا بمزایلۃ [1]

---

[1] خطبہ نمبر ۱

Presented by www.ziaraat.com

وہ ہر چیز کے ساتھ ہے مگر اس طرح نہیں کہ کسی
شئی کے ساتھ جفت و ملحق ہو اور نتیجہ میں
وہ چیز بھی اس سے قریب و ہم دوش ہو جائے وہ تمام
چیزوں سے الگ اور مغایر ہے عین وہی چیز نہیں ہے
لیکن اس طرح نہیں کہ ان چیزوں سے جدا ہو جائے
اور اشیاء کے وجود اس کی ذات کے لئے سرحد
محسوب ہوں۔

"لیس فی الاشیاء بوالج ولا عنھا بخارج [1]
وہ کسی چیز میں حلول کئے ہوئے نہیں ہے کیوں کہ
حلول، حلول کرنے والی چیز کی محدودیت کو لازم قرار
دیتا ہے اور اس کے یہاں گنجائش کا پتہ دیتا ہے جبکہ
وہ کسی چیز سے باہر بھی نہیں ہے کیوں کہ باہر ہونا بھی
ایک قسم کی محدودیت کو مستلزم ہے۔

بان من الاشیاء بالقھر لھا والقدرۃ علیھا
وبانت الاشیاء منه بالخضوع [2]
تمام اشیاء سے اس کے الگ اور مغایر ہونے کا
مطلب یہ ہے کہ وہ ان پر قاہر و قادر اور ان سب
پر حاوی و مسلط ہے اور یقیناً کبھی قاہر خود ہی مقہور

---

[1] خطبہ ۱۸۴ ۔ [2] خطبہ ۱۵۰

Presented by www.ziaraat.com

اور قادر خود ہی مقدور اور مسلط خود ہی مسخر نہیں ہو
سکتا، تمام اشیاء کی اس سے جدائی و مغایرت کا انداز
یہ ہے کہ وہ اس کی کبریائی کے سامنے سراپا تسلیم و مسخر
ہیں اور ہر گزیدہ، جو ذاتی طور پر محتاج و مسخر ہے
(بلکہ عین بندگی و اطاعت ہے) اور وہ جس کی ذات
ہی بے نیاز و مستغنی ہے ایک ہی نہیں ہو سکتے۔

اشیاء سے ذات حق کی جدائی اور علیحدگی اس طرح کی نہیں ہے کہ کوئی حد و سرحد ان کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرتی ہو بلکہ ایک طرف ربوبیت اور دوسری طرف بندگی، ایک طرف کمال اور دوسری طرف نقص اور ایک طرف قوت اور دوسری طرف ضعف ان کو جدا کرتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کے کلمات میں اس طرح کی باتیں بہت زیادہ مل سکتی ہیں بعد میں بیان ہونے والے تمام مسائل کی بنیاد اس اصول پر استوار ہے کہ ذات حق، وجود مطلق اور لامتناہی ہے اور اس کے لئے کسی قسم کی حدبندی اور کیفیت و ماہیت کا تصور صحیح نہیں ہے۔

وحدتِ حق، وحدتِ عددی نہیں ہے

نہج البلاغہ کے توحیدی مسائل میں سے ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ذات اقدس احدیت کی وحدت، وحدت عددی نہیں ہے (بلکہ) ایک دوسری نوعیت کی وحدت ہے وحدت عددی کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کا ایک ہونا جس کے

Presented by www.ziaraat.com

وجود میں تکرار کا فرض کیا جانا ممکن ہو جب بھی ہم پیدا شدہ ماہیات میں سے کسی ماہیت اور طبیعات میں سے کسی طبیعت پر نظر ڈ التے ہیں تو عقل یہ کہتی ہے کہ وہ ماہیت کوئی دوسری فرد پیدا کرے یا دوبارہ وجود حاصل کرے اس کا امکان پایا جاتا ہے ایسے موارد میں اس ماہیت کے افراد کی وحدت، وحدت عددی ہے یہ وحدت دوئی و کثرت کے مقابل میں ہے، ایک ہے یعنی دو نہیں ہے اور لامحالہ اس قسم کی وحدت کمی یا قلت کی صفت سے متصف ہوتی ہے یعنی وہ ایک شخص اپنے مقابل یعنی دو یا کئی فرد کی بہ نسبت بہر حال کم ہے لیکن اگر کسی چیز کا وجود ایسا ہو کہ اس کے یہاں تکرار کا فرض کیا جانا ممکن ہی نہ ہو (ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ دوسرے فرد کا وجود محال ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کے یہاں وجود کے تکرار کا فرض کیا جانا یا اس کے علاوہ کسی دوسرے فرد کا فرض کرنا بھی ممکن نہیں ہے) کیوں کہ اس کی ذات لامحدود لامتناہی ہے اور جس کو بھی ہم اس کا مثل یا اس کا ثانی فرض کریں گے یا تو وہ خود ہو گا یا وہ ہو گا کہ جس کا کوئی ثانی نہیں ہے اس قسم کے موارد میں وحدت عددی نہیں ہے یعنی یہ وحدت، دوئی اور کثرت کے مقابل میں نہیں ہے اور اس یکتائی کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ دو نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ اس کا دوسرا فرض ہی نہیں کیا جا سکتا ہے

اس مطلب کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا جا سکتا ہے، ہم جانتے ہیں کہ دنیا کے مفکرین کے درمیان کائنات کے پہلوؤں کے متناہی یا لامتناہی ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہے بعض اس کے ابعاد کے لامتناہی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم اجسام کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اور بعض دوسرے مفکرین کا اعتقاد ہے کہ اس کے ابعاد محدود ہیں اور ہم جس سمت کو بھی جائیں گے آخر کار ایسی جگہ تک پہنچ ہی جائیں گے کہ اس کے بعد سلسلۂ کائنات ختم ہو جائے گا ایک دوسرا

Presented by www.ziaraat.com

مسئلہ بھی محل بحث ہے اور وہ یہ کہ آیا عالم اجسام اسی جہان میں منحصر ہے کہ جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں یا اس کے علاوہ ایک یا کچھ اور جہان بھی ہیں؟

ظاہر ہے کہ اگر ہم اپنی اس دنیا کے علاوہ کوئی دوسرا عالم اجسام فرض کرتے ہیں تو بہرحال ماننا پڑے گا کہ ہمارا جہان محدود و متناہی ہے اور یہی وہ تنہا صورت ہے جس میں فرض کیا جاسکتا ہے کہ مثلاً دو عالم اجسام ہوں اور ان میں سے ہر ایک محدود و متناہی اور اس کے ابعاد معین و مقرر ہوں لیکن اگر ہم اپنے عالم جسمانی کو لامحدود فرض کریں تو کسی دوسرے جہان کا فرض ناممکن ہے کیوں کہ ہم جس دنیا کو بھی فرض کریں گے وہ خود یہی دنیا یا اسی دنیا کا حصہ ہوگی۔

وجود ذات احدیت کی مانند کسی بھی دوسرے وجود کا فرض کرنا اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ذات حق وجود محض، انّیّت صرف اور واقعیت مطلقہ ہے بالکل ویسے ہی ہے جیسے ایک لامحدود و لامتناہی عالم اجسام کے ساتھ دوسرا عالم اجسام فرض کیا جائے یعنی اس طرح کا کوئی فرض ہی ناممکن ہے۔

نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر اس سلسلہ میں بحث ہوئی ہے کہ ذات حق کی وحدت وحدت عددی نہیں ہے اور اس کو اعداد کے لحاظ سے ایک قرار دینا اس کی محدودیت کو مستلزم ہے۔

الاحد لا بتأويل عدد [1]

وہ ایک ہے لیکن عددی اعتبار سے ایک نہیں ہے

---

[1] خطبہ ۱۵۰

Presented by www.ziaraat.com

ولا یشمل بحدٍّ ولا یحسب بعدٍّ [1]
وہ کسی حد و حساب میں محدود اور کسی عدد و شمار میں مقید نہیں ہے۔

من اشار الیہ فقد حدّہ ومن حدّہ فقد عدّہ [2]
جس نے اس کی طرف اشارہ کیا اس نے اسے (جہت میں) محدود کر دیا اور جس نے اسے محدود کیا اس کو عدد و شمار میں لے آیا ہے۔

من وصفہ فقد حدّہ ومن حدّہ فقد عدّہ ومن عدّہ فقد ابطل ازلہ [3]
جس نے (ذات سے الگ) کسی صفت سے اس کو متصف کیا گویا اس نے اس کی حدبندی کر دی ہے اور جس نے اسے محدود کیا اسے عدد و شمار میں لے آیا ہے اور جو اسے شمار میں لایا اس نے (تمام چیزوں کے مقابل) اس کے ازلی و قدیم ہونے سے انکار کر دیا۔

کلّ مسمّی بالوحدۃ غیرہ قلیل [4]
ہر وہ چیز کہ جس کو لفظ ایک سے یاد کیا جائے کم ہے سوائے ذات احدیت کے جو باوجود اس کے کہ ایک ہے اس کی وحدت کو کمی سے متصف نہیں کیا جا سکتا

---

[1] خطبہ ۱۸۴ [2] خطبہ ۱ [3] خطبہ ۱۵۰ [4] خطبہ ۹۳

Presented by www.ziaraat.com

یہ جملہ کس قدر حسین، پرمعنی اور عمیق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات حق کے علاوہ جو چیز بھی ایک ہے وہ کم بھی ہے، یعنی وہ چیز ایسی ایک ہے کہ اس کے مثل دوسری چیز فرض کی جا سکتی ہے اس کا مثل ممکن ہے پس خود وہ ایک وجود محدود ہے اور دوسری فرد کے اضافہ سے زیادہ ہو جاتا ہے لیکن ذات حق ایک ہونے کے باوجود کمی و قلت سے موصوف نہیں ہوتی کیوں کہ اس کی وحدت وہی عظمت و جلالت اور اس کا لا متناہی اس کا لاثانی اور بے مثل و نظیر ہونا ہے۔

یہ مسئلہ کہ وحدت حق، وحدت عدد نہیں ہے اسلام کی اچھوتی اور بلند ترین فکر ہے کسی بھی مکتب فکر میں اس کا وجود نہیں ملتا خود اسلامی فلاسفہ رفتہ رفتہ حقیق اسلامی منابع، خصوصاً حضرت علی علیہ السلام کے کلمات میں غور و فکر کے بعد اس فکر کی گہرائی تک پہنچے ہیں اور اس کو فلسفۂ الٰہیات میں شامل کیا ہے اسلام کے قدیم فلاسفہ جیسے فارابی اور بوعلی وغیرہ کے کلمات میں اس لطیف فکر کا نشان بھی نہیں ملتا۔

بعد کے فلاسفہ نے، کہ جنہوں نے اپنے فلسفہ میں اسی فکر کو داخل کیا ہے۔ وحدت کی اس قسم کو وحدت حقۂ حقیقیہ کا نام دیا ہے۔

حق کی اوّلیت و آخریّت اور ظاہریّت و باطنیّت

نہج البلاغہ کی منجملہ بحثوں میں سے ایک بحث یہ بھی ہے کہ خدا اوّل بھی ہے آخر بھی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ البتہ یہ بحث بھی دیگر تمام بحثوں کی طرح قرآن سے ہی اقتباس کی گئی ہے اور اس وقت ہم قرآن سے اس کی سند پیش کرنا

Presented by www.ziaraat.com

نہیں چاہتے۔

خداوند عالم اول ہے لیکن زمانہ کے لحاظ سے نہیں کہ اس کی آخریت اس سے مغایر ہو، وہ ظاہر ہے لیکن اس طرح نہیں کہ حواس خمسہ سے محسوس کیا جاسکے کہ اس کے باطن ہونے سے دو مختلف معنیٰ اور دو مختلف جہتیں حاصل ہوں اس کی اوّلیت عین آخریت ہے اور ظاہریت عین باطنیت ہے:۔

الحمد للّٰہ الّذی لم تسبق له حال حالاً فیکون اوّلاً قبل ان یکون آخراً ویکون ظاهراً قبل ان یکون باطناً وکلّ ظاهر غیرہ غیر باطن وکلّ باطن غیرہ غیر ظاهر[1]

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس کی کوئی صفت وحالت دوسری صفت وحالت پر مقدم نہیں ہے کہ اس کا اول آخر سے قبل اور ظاہر باطن سے پہلے ظاہر رہا ہو اس کے علاوہ ہر ظاہر ظاہر ہونے کے ساتھ باطن نہیں ہوسکتا اور ہر باطن پنہاں ہے تو ظاہر نہیں ہوسکتا لیکن وہ عین اس عالم میں کہ ظاہر ہے پنہاں بھی ہے اور عین اس کے کہ پنہاں ہے ظاہر بھی ہے۔

لا تصحبه الاوقات ولا ترفده الادوات، سبق الاوقات کونه والعدم وجوده والابتداء ازله[2]

---

[1] خطبہ ۶۳، [2] خطبہ ۱۸۴

Presented by www.ziaraat.com

نہ زمانے اس کی ہم راہی کرتے ہیں (جہاں اس کی
ذات ہے زمانہ کا وجود ہی نہیں ہے) اور نہ آلات
و وسائل اس کے معاون و مددگار ہیں اس کی ہستی
زمانے سے پیشتر اس کا وجود عدم سے سابق اور
اس کی ہمیشگی ہر نقطہ آغاز سے پہلے ہے۔

ذات حق کا ہر زمان و عدم اور ہر ابتداء و آغاز پر تقدم الٰہی حکمت و نظر کی لطیف ترین فکروں میں سے ہے اور حق کی ازلیت کے فقط یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہے لیکن ہمیشہ سے ہے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا جس میں وہ موجود نہ رہا ہو جبکہ حق کی ازلیت ہمیشگی سے بالاتر ہے اس لئے کہ ہمیشہ ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ زمانہ فرض کیا جائے اور ذات حق باوجودیکہ تمام زمانوں میں رہی ہے پھر بھی وہ تمام چیزوں یہاں تک کہ زمانہ پر بھی مقدم ہے اس کی ازلیت کے یہی معنی ہیں اور یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تقدم تقدم زمانی کے علاوہ کسی اور نوعیت کا حامل ہے

الحمد للّٰه الدّال علی وجوده بخلقه وبمحدث
خلقه علی ازلیته وباشتباههم علی ان لاشبه
له لاتستلمه المشاعر ولاتحجبه السواتر [1]

تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے کہ جو خلق (کائنات،
سے اپنے وجود کا اور مخلوقات کے حدوث سے
اپنے قدیم وازلی ہونے کا اور مخلوقات میں باہمی شکل

---

[1] خطبہ ۱۵۰۔

Presented by www.ziaraat.com

وشباہت سے اپنے بے مثل ونظیر ہونے کا پتہ دیتا
ہے نہ حواس اس کو چھو سکتے ہیں اور نہ پردے
اسے چھپا سکتے ہیں یعنی وہ آشکار بھی ہے اور
پنہاں بھی وہ خود اپنی ذات میں آشکار ہے
لیکن انسان کے حواس سے پنہاں ہے، انسان
کے حواس سے اس کا پنہاں ہونا حواس انسانی کی
محدودیت کی بنا پر ہے نہ کہ اس کی ذات کی وجہ
سے۔

یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ وجود ظہور کے مساوی ہے اور جو وجود جتنا زیادہ کامل و قوی ہوگا اتنا ہی زیادہ ظاہر و آشکار ہوگا اس کے برعکس جتنا ضعیف اور عدم سے مخلوط ہوگا اسی تناسب سے وہ خود سے اور دوسروں سے پنہاں ہوگا۔

ہر چیز کے دو وجود ہوتے ہیں "وجود فی نفسہ" (اپنی ذات کے لئے) اور "وجود لغیرہ" (وہ وجود جو دوسروں کے لئے ہے) ہر چیز کا وہ وجود جو ہمارے یا دوسروں کے لئے ہے وہ ہماری قوتِ ادراک اور ماحول سے وابستہ ہے اسی بنا پر ظہور کی بھی دو قسمیں ہیں۔

"ظہور فی نفسہ" اور "ظہور لغیرہ" (وہ ظہور جو دوسروں کے لئے ہے)
ہمارے حواس چونکہ محدود ہیں اس لئے وہ ان ہی چیزوں کی عکاسی کی قدرت رکھتے ہیں جو مقید و محدود اور ضد و مثل کی حامل ہوتی ہیں اسی لئے ہمارے حواس ان ہی رنگوں، شکلوں، اور آوازوں کا ادراک کرتے ہیں کہ جو زمان ومکان

Presented by www.ziaraat.com

کے لحاظ سے محدود ہوتی ہیں یعنی جو ایک جگہ ہیں اور دوسری جگہ نہیں ہیں ایک زمانہ میں ہیں دوسرے زمانہ میں نہیں ہیں۔ مثلاً اگر روشنی ہر جگہ اور ہر زمانہ میں یکساں طور پر ہوتی تو قابل احساس نہ ہوتی، اگر ایک آواز ہمیشہ اور مسلسل ایک ہی انداز سے سنائی دیتی تو ہرگز سنی نہیں جا سکتی تھی۔

ذات حق "وجود محض" اور "فعلیت محض" ہے اور کسی زمان و مکان میں محدود نہیں ہے اسی لئے وہ ہمارے حواس کے لحاظ سے پوشیدہ ہے لیکن خود اپنی ذات میں ظاہر و آشکار ہے اس کا یہ کمال ظہور جو اس کے کمال وجود سے مربوط ہے اس کا ہمارے حواس سے پنہاں ہونے کا سبب ہے اس کا ظاہر و باطن ایک ہی ہے وہ اس جہت سے پنہاں ہے کہ بے انتہا آشکار ہے وہ اتنا زیادہ ظاہر ہے کہ اس میں پنہاں ہو گیا ہے۔

یامن ھو اختفی لفرط نوره
الظاھر الباطن فی ظھوره[1]

حجاب روی تو ہم روی تواست در ہمہ حال
نہاں ز چشم جہانی ز بس کہ پیدائی

تیرے چہرے کا حجاب بھی تیرا چہرا ہے ہر حال
میں دنیا کی نظروں سے ایسے ہی پوشیدہ ہے
کہ آشکار ہے۔

---

[1] ترجمہ: اے وہ ذات جو اپنے نور کی شدت کی بناء پر پنہاں ہے وہ اپنے ظاہر ہونے ہی میں ظاہر و باطن ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

موازنہ اور فیصلہ

مختصر طور پر ہی ایک موازنہ نہج البلاغہ کی منطق و روش اور دوسرے تمام مکاتب فکر کی منطق و روش کے درمیان نہ کیا جائے تو نہج البلاغہ کی توحیدی بحثوں کی اصل قدر و قیمت روشن نہیں ہو سکے گی نمونے کے طور پر جو کچھ گزشتہ فصلوں میں بیان کیا گیا ہے، وہ اس عظیم ذخیرہ کا بہت ہی مختصر سا حصہ ہے جو نمونہ کے لحاظ سے بھی کافی نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن فی الحال ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور دیگر مکاتب فکر کے ساتھ اس کا موازنہ شروع کرتے ہیں :۔

ذات و صفات حق کے بارے میں نہج البلاغہ سے قبل اور نہج البلاغہ کے بعد بھی مشرق و مغرب میں جدید و قدیم فلاسفہ عرفا اور متکلمین کے درمیان بے پناہ بحثیں دیکھنے میں آئی ہیں لیکن ان کے اسلوب و انداز بالکل جدا ہیں نہج البلاغہ کا طرز و اسلوب انوکھا اور چھوتا ہے اس کی اپنی ایجاد ہے نہج البلاغہ کا تنہا سرچشمۂ فکر قرآن مجید ہے اور بس، اگر ہم قرآن مجید سے ہٹ کر دیکھیں تو کوئی منبع و ماخذ ایسا نہیں ملے گا جس سے نہج البلاغہ کا میدان بحث متاثر ہو ۔

ہم پہلے (بھی) اشارہ کر چکے ہیں کہ بعض مفکرین نے ان مباحث کی نسبت حضرت علی علیہ السلام کی طرف دینے سے اس لئے انکار کیا ہے تاکہ ان مباحث کو ما قبل اسلام سے متاثر قرار دیا جا سکے ! چنانچہ انھوں نے فرض کر لیا ہے کہ یہ بیانات بہت بعد میں ایک طرف معتزلہ کے سر ابھارنے اور دوسری طرف

Presented by www.ziaraat.com

یونانی افکار کے زندہ ہونے سے متاثر ہو کر وجود میں آئے ہیں لیکن وہ اس حقیقت سے غافل رہے کہ " چہ نسبت خاک را با عالم پاک " یونانی یا معتزلی افکار کہاں اور نہج البلاغہ کے افکار کہاں ؟

نہج البلاغہ اور کلامی افکار و نظریات

نہج البلاغہ میں باوجود اس کے کہ خداوند متعال کے صفات کمالیہ بیان ہوئے ہیں اس کے لئے ہر قسم کی مقارن یا زائد بر ذات صفت کی نفی بھی ہوئی ہے[1] اور جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ دوسری طرف اشاعرہ خدا کے صفات کے زائد بر ذات ہونے کے قائل ہیں اور معتزلہ ہر قسم کی صفت کے منکر ہیں۔

الاشعریُّ بازدیاد قائلة

وقال بالنیابة المعتزلة

یہی وجہ ہے کہ بعض افراد اس خیال خام میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اس سلسلہ میں جو کچھ نہج البلاغہ میں بیان ہوا ہے وہ بعد کے زمانہ کی پیداوار اور معتزلہ کے افکار سے متاثر ہے در آں حالیکہ اگر کوئی فکر شناس ہو تو وہ اس بات کو بخوبی سمجھ لے گا کہ نہج البلاغہ میں (ذات واجب کے لئے) جس صفت کی نفی ہوئی ہے اس کا تعلق محدود صفت سے ہے اور لامحدود صفت لامحدود ذات کے لئے صفات

---

1 نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ میں۔ وکمال الاخلاص له نفی الصفات عنه سے پہلے آپ فرماتے ہیں۔ الذی لیس لصفته حدّ محدود ولا نعت موجود

Presented by www.ziaraat.com

صفات کے عین ذات ہونے کو مستلزم ہے انکارِ صفات کا مستلزم نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ نے نظریہ قائم کرلیا ہے اگر معتزلہ کی بھی یہی فکر ہوتی تو وہ ہرگز صفات کی نفی کرتے ہوئے ذات کو صفات کا نائب قرار نہ دیتے۔

اسی طرح خطبہ نمبر (۱۸۴) میں کلام پروردگار کے مخلوق ہونے کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے ممکن ہے (بعض لوگوں کو) یہ وہم ہو کہ یہ تمام باتیں قرآن کے قدیم وحادث ہونے سے مربوط ہیں کہ جو ایک زمانہ تک اسلامی متکلمین کی بحث کا موضوع رہا ہے چنانچہ جو کچھ بھی نہج البلاغہ میں بیان ہوا ہے وہ اسی زمانہ یا بعد کے زمانہ میں اس کے اندر شامل کر دیا گیا ہے۔

لیکن معمولی غور وفکر کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نہج البلاغہ کی گفتگو قرآن کے قدیم وحادث ہونے کے سلسلہ میں کہ جو ایک بے معنی بحث ہے نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ پروردگار کے "امر تکوینی" اور "ارادۂ انشائی" سے تعلق رکھتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پروردگار کا امر و حکم اور اس کا انشائی ارادہ اس کا ایک "فعل" ہے اسی لئے یہ دونوں اس کی ذات سے متأخر اور حادث ہیں اگر ذات کی طرح یہ بھی قدیم ہوں گے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ کوئی اس کی ذات میں شریک اور ثانی ہے

يقول لمن اراد كونه كن فيكون ، لا بصوت يقرع ولا بنداء يسمع وانما كلامه سبحانه فعل منه انشأه ومثّله لم يكن من قبل ذالك كائنا ولو كان قديما لكان الهاً ثانياً. (خطبہ نمبر ۱۸۴)

جس چیز کو وہ وجود میں لانا چاہتا ہے اس کے لئے

Presented by www.ziaraat.com

فرماتا ہے "ہو جا" تو وہ وجود میں آجاتی ہے یہ کن،
کہنا کانوں کے پردوں سے ٹکرانے یا اس سے سنی
جانے والی آواز و فریاد نہیں ہے بلکہ اس کا قول اس
کا فعل ہے اور چوں کہ فعل ہے (لہذا) حادث اور ایجاد
کردہ ہے اور پہلی منزل میں موجود نہیں تھا اور اگر قدیم
اور ذات کی منزل میں ہو تو دوسرا خدا ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ اس سلسلہ میں جو روایات حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوئی ہیں کہ جن کا صرف ایک حصہ نہج البلاغہ میں موجود ہے جب کہ وہ سب مستند روایتیں ہیں اور ان کا سلسلہ خود حضرت علی علیہ السلام تک پہنچتا ہے اس بنا پر کوئی انکار کی گنجائش نہیں رہ جاتی؛ اور اگر حضرت علی علیہ السلام اور معتزلہ کے اقوال و کلمات میں کہیں شباہت نظر بھی آئے تو یہ احتمال دیا جائے گا کہ معتزلہ نے حضرت علی علیہ السلام سے یہ کلمات اخذ کئے ہیں۔

اسلامی متکلمین، خواہ سنی ہوں یا شیعہ، اشعری ہوں یا معتزلی ہر ایک نے علی العموم حسن و قبح عقلی کو اپنی بحث کا محور و مرکز قرار دیا ہے یہ اصول جو ان کی اجتماعی عملی زندگی کے اصول سے زیادہ کچھ نہیں ہیں متکلمین کے نزدیک عالم الوہیت میں بھی اس کا دخل ہے اور "سنت تکوینی الہیہ" پر بھی اس کی حکمرانی ہے۔

لیکن ہمیں پوری نہج البلاغہ میں کہیں معمولی سا اشارہ بھی اس کے متعلق نہیں ملتا اور نہ ہی اس اصول سے استناد کیا گیا ہے بالکل ویسے ہی جیسے قرآن میں کہیں اس اصول کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے اگر متکلمین کے افکار و عقائد کو نہج البلاغہ میں راہ ملی ہوتی تو اس اصل کو پہلی منزل میں جگہ حاصل ہوتی۔

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ اور فلسفیانہ افکار

بعض دوسرے حضرات جنھوں نے نہج البلاغہ میں وجود و عدم، حدوث و قدم اور اسی قسم کے دوسرے کلمات مشاہدہ کئے ہیں اور ایک دوسرے مفروضہ کی بنیاد پر احتمال دیا ہے کہ یہ کلمات واصطلاحات جب یونانی فلسفہ دنیائے اسلام میں شامل ہوا تو عمداً یا سہواً حضرت علی علیہ السلام کے کلمات میں جگہ پا گئے ہیں۔

اس مفروضہ کے تراشنے والے بھی اگر الفاظ کی سطح سے گزر کر معانی تک پہونچ گئے ہوتے تو ایسے مفروضے کا اظہار ہی نہ کرتے نہج البلاغہ کا سبک، انداز اور طریقہ استدلال فلاسفۂ متقدمین، سید رضی کے معاصرین حتی سید رضی اور نہج البلاغہ کے جمع ہونے کے سیکڑوں سال بعد تک فلسفیوں کے درمیان رائج طریقہ استدلال سے سو فی صدی متفاوت ہے۔

اس وقت ہمیں الٰہیات کے سلسلہ میں یونان و اسکندریہ کے فلسفیوں سے بحث نہیں ہے کہ وہ کس سطح اور پایہ کے حامل تھے، ہماری بحث اس وقت الٰہیات کی ان بحثوں سے مخصوص ہے جو فارابی، ابن سینا اور خواجہ نصیر الدین طوسی وغیرہ سے نقل ہوئی ہیں البتہ اس میں شک نہیں ہے کہ اسلامی فلاسفہ نے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر فلسفہ میں ایسے مسائل داخل کئے ہیں جو پہلے نہ تھے اس کے علاوہ ان لوگوں نے بعض دوسرے مسائل کے بیان اور توجیہہ واستدلال میں بھی جدت سے کام لیا ہے اس کے باوجود نہج البلاغہ سے جن چیزوں کا استفادہ کیا جا سکتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

ان کی بات ہی الگ ہے ۔

استاد محترم حضرت علامہ طباطبائی (روحی فداہ) "مکتب تشیع" کے دوسرے سالنامہ کے مقدمے میں "اسلامی معارف سے متعلق روایات" سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

یہ بیانات فلسفۂ الٰہیہ میں کچھ ایسے سلسلہ وار مسائل و مطالب کو حل کرتے ہیں جو اس سے قطع نظر کہ پہلے مسلمانوں کے درمیان میں رائج نہ تھے اور عربوں کے درمیان انکا کوئی مفہوم ہی نہ تھا بلکہ سرے سے اسلام کے قبل بھی فلاسفہ کے درمیان کہ جن کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا ہے ان مسائل کو نہیں چھیڑا گیا ہے عرب و عجم میں پیدا ہونے والے حکمائے اسلام کے موجودہ آثار میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ملتی ہے یہ مسائل اسی طرح مبہم رہے اور تمام شارحین و مفسرین نے اپنے گمان کے تحت اس کی تشریح و تفسیر کی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان کی راہ کسی حد تک واضح ہوئی اور گیارہویں صدی ہجری میں یہ مسائل حل ہوئے اور ان کا مفہوم سمجھا جانے لگا جیسے ذات واجب الوجود میں "وحدت حقہ" کا مسئلہ (وحدت غیر عددی) یا یہ مسئلہ کہ ذات واجب کے وجود کا ثبوت خود اس کی وحدت کا ثبوت ہے (کیوں کہ واجب کا وجود وجود مطلق ہے

Presented by www.ziaraat.com

اور وحدت کے مساوی ہے) اور یہ کہ واجب "معلوم
بالذات" ہے اور اسی طرح واجب خود بہ خود بغیر کسی
واسطے کے پہچانا جاتا ہے اور تمام چیزیں اسی واجب
کے واسطے سے پہچانی جاتی ہیں نہ کہ اس کے برعکس ؎

اسلام کے ابتدائی فلاسفہ مثلاً، فارابی، بوعلی سینا اور خواجہ نصیرالدین طوسی وغیرہ کے یہاں ان مباحث میں جو ذات و صفات حق سے مربوط ہیں جیسے وحدت اور اس کا بسیط ہونا، مستغنی بالذات ہونا، علم و قدرت و مشیت کا حامل ہونا وغیرہ ان کی بحثوں اور دلیلوں کا محور و مرکز "وجوب وجود" رہا ہے یعنی وہ ایک واجب وجود کے پرتو میں تمام چیزیں اخذ کرتے ہیں اور خود وجوب وجود کا اثبات ایک غیر مستقیم راستے سے ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایک واجب الوجود فرض کئے بغیر ممکنات کے وجود کی بھی توجیہ ممکن نہیں ہے اگرچہ جو دلیل اس مطلب پر قائم کی جاتی ہے وہ برہان خلف کی قسم سے نہیں ہے لیکن غیر مستقیم ہونے اور لازمی خاصیت رکھنے کی بنا پر برہان خلف سے مماثلت رکھتی ہے لہذا ذہن واجب الوجود کے وجود کا ملاک و معیار ہرگز حاصل نہیں کر پاتا اور مطلب کی (لم) یا حقیقت کو کشف نہیں کر پاتا بوعلی سینا نے اپنی کتاب "اشارات" میں ایک خاص انداز بیان اپنایا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس بیان میں انہوں نے مسئلہ کی (لم) کشف کر لی ہے اسی لئے اپنے مشہور برہان کو انہوں نے "برہان صدیقین" کا نام دیا ہے لیکن اس کے بعد فلاسفہ نے مسئلہ کی "لم" کی توجیہ کے لئے ان کے بیان کو کافی نہیں سمجھا ہے۔

؎ مکتب تشیع کا دوسرا سالانہ نمبر صفحہ ۱۲۰

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ میں ہرگز وجودِ ممکنات کی توجیہہ کرنے والے "اصول" کے طور سے وجود وجوب پر تکیہ نہیں کیا گیا ہے اس کتاب میں جس بات کو بنیاد بنایا گیا ہے وہ وہی چیز ہے جو واجب الوجود کے حقیقی و واقعی ملاک و معیار کو بیان کرتی ہے یعنی ذات حق کا واقعیت اور وجود مطلق ہونا ہے۔

حضرت استاد اسی کتاب میں ایک حدیث کی شرح کے ضمن میں جو توحید صدوق میں حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے فرماتے ہیں۔

اس بیان کی بنیاد اس اصل پر استوار ہے کہ وجود
حق سبحانہ وہ واقعیت ہے کہ جو کسی حد و انتہا کو
قبول نہیں کرتی ہے اس لئے کہ وہ حقیقت محض
ہے اور تمام موجودات اپنے وجود کے خصوصیات
و حدود میں اسی کے نیازمند ہیں اپنی خاص ہستی کو
اسی سے حاصل کرتے ہیں [1]

جی ہاں نہج البلاغہ میں ذات حق سے متعلق تمام بحثوں میں جس چیز کو اساس و بنیاد قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہستی مطلق اور لا محدود ہے کسی بھی قید و حد کی اس کے یہاں گنجائش نہیں ہے کوئی زمان و مکان اور کوئی چیز اس سے خالی نہیں ہے وہ تمام چیزوں کے ساتھ ہے لیکن کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں اور چونکہ وہ مطلق و لا محدود ہے لہذا تمام چیزوں پر یہاں تک کہ زمان، عدد اور حد و ماہیت پر بھی مقدم ہے یعنی یہ تمام چیزیں (زمان و مکان و عدد و حد و اندازہ) اسی کے کرشمے اور افعال ہیں

---

1 مکتب تشیع کا دوسرا سالانہ نمبر صفحہ ۱۲۶

اور اسی کے فعل و صنّاعی سے وجود میں آتے ہیں تمام چیزیں اسی سے ہیں اور سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے وہ اول الاولین ہونے کے ساتھ ہی آخرالآخرین بھی ہے۔

یہ ہے نہج البلاغہ کی بحثوں کا محور کہ جس کا فارابی، بوعلی سینا، ابن رشد، غزالی اور خواجہ نصیرالدین طوسی کی کتابوں میں کوئی نشان بھی نہیں مل سکتا۔

جیسا کہ استاد بزرگوار علامہ طباطبائی مرحوم نے ذکر فرمایا ہے یہ عمیق بحثیں جو الہیات بالمعنی الاخص میں مسائل کے ایک دوسرے سلسلہ پر مبتنی و موقوف ہیں کہ جو فلسفہ کے "امور عامہ" میں ثابت ہو چکے ہیں ۱؎

ہم یہاں ان مسائل کو امور عامہ پر مبتنی ہونے کو بیان نہیں کر سکتے اولاً جب ہم دیکھتے ہیں نہج البلاغہ کے بیان شدہ مسائل جامع نہج البلاغہ سید رضیؒ کے زمانے کے فلاسفہ کے درمیان رائج ہی نہ تھے: مثلاً ذات واجب کی وحدت (یکتائی) وحدت عددی نہیں ہے اور عدد کا مرتبہ وجود اس کی ذات سے متاخر ہے اور یہ کہ اس کا وجود اس کی وحدت کے مساوی ہے اسی طرح ذات واجب کا "بسیط الحقیقت" ہونا اس کا تمام چیزوں کے ساتھ ہونا اور کچھ دوسرے مسائل جن کا اس عہد کے فلاسفہ کو پتہ بھی نہ تھا ثانیاً ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں جس چیز کو بحث کی بنیاد بنایا گیا ہے دنیا میں رائج آج تک کے نامور فلاسفہ کی بحثوں کی بنیاد سے جدا ہے تو ان حقائق کے بعد ہم کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ نہج البلاغہ میں یہ کلمات اس زمانہ کے فلسفیانہ مطالب سے آشنا افراد کے ذریعہ ایجاد ولکھے گئے

۱؎ مکتب تشیع کا دوسرا سالانہ نمبر صفحہ ۱۵۷

Presented by www.ziaraat.com

ہوئے ہیں

نہج البلاغہ اور مغربی فلسفہ

مشرقی فلسفہ کی تاریخ میں نہج البلاغہ کا بہت بڑا حصہ ہے صدر المتألہین جنہوں نے حکمت الہٰی میں ایک انقلاب برپا کر دیا حضرت علی علیہ السلام کے کلام سے بہت زیادہ متاثر تھے، توحیدی مسائل میں ان کے انداز بحث کی اساس ذات سے ذات اور ذات سے صفات و افعال پر استدلال کرنے کی روش پر استوار ہے اور ان سب کی بنیاد ذات واجب کے وجود محض اور وجود مطلق ہونے پر مبنی ہے جب کہ یہ خود سلسلہ دار کچھ ایسے کلی اصولوں پر استوار ہے کہ جو اس سلسلہ کے[1] "فلسفہ عامہ" میں بیان ہوئے ہیں[1]

مشرق کا الہٰی فلسفہ معارف اسلام کی برکت سے بار آور رہا اور اس کو استحکام حاصل ہوا اور اصول و مبادی کے ایک ایسے سلسلہ پر استوار رہا جس میں خلل واقع نہیں ہو سکتا ہے لیکن مغرب کا الہٰی فلسفہ اس نعمت و برکت سے محروم رہا ہے مادی فلسفہ کی طرف مغرب کے میلان کے بہت سے عوامل و اسباب ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

ہمارے خیال میں اس کی اہم وجہ مغربی الہٰی فلسفہ کے مطالب کی نارسائی اور ناتوانی تھی اگر کوئی ان دو تین فصلوں میں جن بحثوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کا

۱۔ شہید مرتضیٰ مطہری کی کتاب "مادیت کی طرف رجحان" کے عنوان "فلسفی مفاہیم کی نارسائیاں" کے تحت گفتگو ملاحظہ فرمائیں

Presented by www.ziaraat.com

مغربی فلسفہ سے موازنہ کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ برہان وجودی کے سلسلہ میں "آنسلم مقدس" سے لے کر ڈکارٹ دا سپینوزا لائب نیٹس اور کانٹ وغیرہ تک کے مغربی فلسفیوں کے نظریات کا جائزہ لے کہ جنہوں نے اس سے بحث کی ہے اور رد و قبول کرنے کے سلسلہ میں اظہار نظر کیا ہے اور پھر ان کا صدر المتألہین کے برہان صدیقین کے ساتھ کہ جو خالص اسلامی فکر اور خصوصاً حضرت علی علیہ السلام کے کلمات سے ماخوذ ہے موازنہ کرے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ تفاوت راہ از کجا تا بہ کجا است ۔

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

حصۂ سوم

سلوک و عبادت

اسلام میں عبادت ۔

عبادتوں کے درجے ۔

عبادت نہج البلاغہ کی نظر میں ۔

آزاد منشوں کی عبادت ۔

یادِ حق ۔

مقام و منزلت ۔

خدا والوں کی راتیں ۔

نہج البلاغہ میں عبادت اور عبادت گزاروں کی تصویریں

شب بیداریاں ۔

قلبی کیفیات ۔

ترک معصیت ۔

اخلاقی علاج ۔

انس و لذت ۔

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

سلوک وعبادت

اسلام میں عبادت

خدائے یکتا کی عبادت و پرستش اور کسی بھی دوسرے وجود کی پرستش سے انکار پیغمبران الٰہی کی تعلیمات کے بنیادی اصول میں سے ایک ہے کسی بھی نبی کی تعلیم عبادت سے خالی نہیں رہی ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام کے مقدس آئین میں بھی عبادت تمام تعلیمات میں سرفہرست ہے اسلام میں عبادت کا کوئی ایسا تصور جو زندگی کے امور سے الگ، محض کسی دوسری دنیا سے تعلق رکھتا ہو، نہیں پایا جاتا اسلامی عبادتیں فلسفۂ زندگی کے ساتھ ساتھ ہیں اور متن زندگی میں واقع ہیں۔

اس سے قطع نظر کہ بعض اسلامی عبادتیں مشترکہ طور پر جماعتی و اجتماعی صورت میں انجام دی جاتی ہیں، اسلام نے فردی عبادتیں بھی اس طرح تشکیل دی ہیں کہ اس میں زندگی کے بعض اصول اور ذمہ داریوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔

مثلاً نماز جو کامل طور سے اظہار بندگی کا مظہر ہے اسلام میں ایسی مخصوص شکل میں انجام دی جاتی ہے کہ اگر کوئی فرد گوشۂ تنہائی میں اکیلے نماز پڑھنا چاہے تو بھی وہ خود بخود بعض اخلاقی و اجتماعی وظائف،، مثلاً صفائی و پاکیزگی، دوسروں کے حقوق کا احترام، وقت کی رعایت، جہت و مقصد سے آگاہی جذبات پر قابو پانا اور اللہ کے

Presented by www.ziaraat.com

نیک بندوں سے صلح و آشتی وغیرہ ،، پر مجبور ہو جاتا ہے ۔

اسلام کی نگاہ میں ہر وہ نیک اور مفید کام جو خدا کے لئے انجام دیا جاتا ہے اگر پاکیزہ الہٰی جذبہ کے تحت انجام دیا جائے تو عبادت ہے لہٰذا تعلیم، کسب معاش اور اجتماعی سرگرمی اگر یہ سب صرف خدا کے لئے ہو تو عبادت ہے درآں حالیکہ اسلام میں نماز روزہ کی مانند چند ایسی تعلیمات بھی ہیں جو صرف رسم عبادت کی انجام دہی کے لئے وضع کی گئی ہیں اور جس کا خود اپنا ایک خاص فلسفہ ہے ۔

عبادتوں کے درجے

عبادت کے بارے میں لوگوں کا انداز فکر یکساں نہیں ہے بلکہ متفاوت ہے ۔

بعض لوگوں کی نظر میں عبادت ایک قسم کا لین دین، معاوضہ، محنتانہ اور اجرت ہے وہ اسی انداز سے سوچتے ہیں کہ کام کرو اور اجرت لو جس طرح مزدور روزانہ اپنی صلاحیت کو کسی مالک کے لئے بروئے کار لاتا ہے اور اس سے اجرت لیتا ہے عابد بھی خدا کے لئے قیام و قعود کی زحمت اٹھاتا ہے اور اس سے اجرت طلب کرتا ہے البتہ اس کی اجرت دوسری دنیا (آخرت) میں اسے دی جائے گی جس طرح سے ایک مزدور کی ریاضتوں کا ثمرہ مالک سے ملنے والی اجرت کی صورت میں خلاصہ ہوتا ہے اگر اس کو کام کی اجرت حاصل نہ ہو تو گویا اس کی محنت ضائع ہو جائے اسی طرح عابد کی عبادت کا فائدہ بھی اس گروہ کے نقطۂ نظر سے وہی اجرت اور بیگاری ہے جو اس کو دوسری دنیا میں مادی اشیاء کے ایک سلسلہ کی صورت میں دی جائے گی ۔

ہر مالک اس فائدہ کی وجہ سے اجرت دیتا ہے جو اسے مزدور کے کام

Presented by www.ziaraat.com

سے حاصل ہوتا ہے لیکن ملک و ملکوت کے مالک کو اپنے ایک ناتواں بندہ سے کس قسم کا فائدہ پہونچ سکتا ہے ؟ اور یہ بھی کہ اگر بالفرض مالک حقیقی کی طرف سے اجرت و مزدوری فضل و کرم کی صورت میں ہے ۔ تو یہی فضل و بخشش اس کو کام کی اس معمولی سی انرجی صرف کئے بغیر کیوں نہیں دیدی جاتی ؟! یہ وہ مسئلہ ہے جو ہرگز ایسے عابد دل کے پیش نظر نہیں ہے ۔

ایسے افراد کی نظر میں عبادت کے تار و پود یہی جسمانی اعمال اور ظاہری حرکات بدن ہیں جو زبان اور دیگر اعضاء بدن کے ذریعے وجود میں آتے ہیں ۔

عبادت کے بارے میں یہ ایک طرز فکر ہے جو محض عامیانہ اور جاہلانہ قسم کا ہے اور اشارات کی نویں فصل میں بو علی سینا کی تعبیر کے مطابق ۔ خدا کی معرفت سے عاری عبادت ہے جس کو صرف جاہل و قاصر عوام قبول کر سکتے ہیں ۔

عبادت کے بارے میں دوسرا نقطۂ نظر عارفانہ ہے :

اس طرز فکر میں مالک و مزدور یا اس طرح کی اجرت و مزدوری کا کوئی ایسا تصور جو ایک مزدور اور مالک کے درمیان رائج ہے نہیں ہونا چاہئے اس مکتب میں عبادت تقرب کا ذریعہ انسان کی معراج نفس کی بلندی اور ایک غیر مرئی ذات کی طرف روح کی پرواز ہے یہ روحانی صلاحیتوں کی تربیت اور ان کی ملکوتی طاقت کی مشق ہے یہ روح کی جسم پر فتح ہے کائنات کے خالق کے سامنے انسان کی سپاس گزاری کا بہترین ردعمل ہے کامل مطلق اور جمیل علی الاطلاق سے انسان کے عشق و شیفتگی کا اظہار ہے مختصر یہ کہ خدا کی طرف سیر و سلوک ہے

اس طرز فکر میں عبادت پیکر بھی رکھتی ہے اور روح بھی ظاہر بھی رکھتی ہے اور باطن بھی وہ باتیں جو زبان اور دیگر اعضاء بدن سے انجام پاتی ہیں وہ عبادت

Presented by www.ziaraat.com

کا پیکر اور اس کی ظاہری صورت ہے عبادت کی روح اور حقیقی مفہوم کچھ اور ہی ہے روح عبادت اس مفہوم سے کامل وابستگی رکھتی ہے جو ایک عابد اپنی عبادت سے رکھتا ہے وہ عبادت کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ وہ کون سا جذبہ ہے جس نے اس کو عبادت کی طرف متوجہ کیا ہے؛ وہ کہاں تک عملاً اس سے لطف اندوز ہوا ہے؟ اور یہ کہ عبادت کس حد تک سلوک الی اللہ کا ذریعہ بنی ہے اور وہ اس سے کتنا قریب ہوا ہے؟

عبادت نہج البلاغہ کی نظر میں

عبادت کے سلسلہ میں نہج البلاغہ کا کیا نظریہ ہے؛ نہج البلاغہ کی نظر میں عبادت عارفانہ طرز فکر کی حامل ہے بلکہ عالم اسلام میں عارفانہ نظریات کی حامل عبادتوں کا منبع و سرچشمہ قرآن مجید اور سنت پیغمبر اسلامؐ کے بعد حضرت علیؑ کے کلمات اور علی علیہ السلام کی عارفانہ عبادتیں ہی ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں اسلامی ادبیات کی عظمت و بلندی کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو خواہ عربی ہو یا فارسی (یا اردو) ان میں مذکورہ انسان اور ذات احدیت کے درمیان عابدانہ اور عاشقانہ روابط ہیں ایسے باریک و ظریف نظریات و افکار خطاب، دعا، تمثیل اور کنایہ وغیرہ کی شکل میں نثر یا نظم دونوں میں تخلیق ہوئے ہیں جو واقعاً لائق تحسین اور تعجب خیز ہیں۔

اسلامی مملکت میں اسلام سے ماقبل کے افکار کا موازنہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام نے افکار و نظریات دنیا کو وسعت و گہرائی اور لطف و رقت کے لحاظ سے کتنی عظیم بلندی عطا کی ہے؛ وہ لوگ جو بت یا انسان یا آگ کی پرستش کیا

Presented by www.ziaraat.com

کرتے تھے اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کے خود ساختہ مجسموں کو معبود قرار دیتے تھے۔ یا خدائے لایزال کو گرا کر ایک انسان کے باپ کی صف میں لا کھڑا کرتے تھے اور کبھی کبھی باپ اور بیٹا ایک ہو جایا کرتے تھے یا اہورا مزدا[1] کو قانوناً مجسم مانتے تھے اور اس کا مجسمہ ہر جگہ نصب کرتے رہتے تھے، ان کو ایسا آدمی بنا دیا کہ انھوں مجرد ترین معانی باریک ترین نظریات لطیف ترین افکار اور بلند ترین تصورات کو اپنے ذہنوں میں جگہ دینا شروع کر دیا۔

آخر کس طرح سے ایک دم فکریں بدل گئیں، منطقیں متغیر ہو گئیں، افکار اوج پر پہونچ گئے جذبات واحساس دلوں میں گھر بنانے لگے اور اقدار میں تبدیلیاں آگئیں؟!

"سبعۂ معلقہ" اور "نہج البلاغہ" یکے بعد دیگرے وجود میں آنے والی دو نسلیں ہیں اور دونوں نسلیں فصاحت وبلاغت کا نمونہ ہیں لیکن مطالب اور مفاہیم کے اعتبار سے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے ایک میں جو کچھ بھی ہے گھوڑے اور نیزہ کی تعریف، اونٹ کے اوصاف، شب خون چشم وابرو، معاشقہ اور افراد کی مدح وہجو ہے جب کہ دوسری میں عظیم ترین انسانی مفاہیم بیان کئے گئے ہیں۔

اب جب کہ ہم عبادت کے سلسلے میں نہج البلاغہ کے نظریہ کی وضاحت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے چند کلمات بطور نمونہ پیش کر رہے ہیں تو اپنی بات کا آغاز آپؑ کے اس جملے سے کرتے ہیں جس میں عبادت کے سلسلہ میں لوگوں کے طرز فکر کے فرق کو بیان کیا گیا ہے

---

[1] اہورا یعنی خداوند روح وحیات اور مزدا اہورا کی صفت ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

آزاد منشوں کی عبادت

ان قوما عبدوا اللہ رغبۃ فتلک عبادۃ التجار،

وان قوما عبدوا اللہ رھبۃ فتلک عبادۃ العبید

وان قوما عبدوا اللہ شکراً فتلک عبادۃ الاحرار [1]

بے شک ایک جماعت نے اللہ کی عبادت ثواب کی رغبت و خواہش کے پیش نظر کی یہ تاجروں کی عبادت ہے اور ایک جماعت نے خوف کی وجہ سے اس کی عبادت کی یہ غلاموں کی عبادت ہے اور ایک جماعت نے ازروئے شکر و سپاس گزاری اس کی عبادت کی یہ آزاد منشوں کی عبادت ہے

لو لم یتو عد اللہ علی معصیتہ لکان یجب ان لا یعصی شکراً لنعمہ [2]

اگر خدا نافرمانی پر عقاب نہ رکھتا تب بھی اس کی نعمت پر شکر کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی معصیت

---

1 نہج البلاغہ کلمات قصار حکمت ۲۳۷ 2 نہج البلاغہ کلمات قصار حکمت ۲۹۰

Presented by www.ziaraat.com

اور حکم کی خلاف ورزی نہ کی جائے

حضرت علیؑ کے ارشادات میں سے ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

الٰہی ما عبدتک خوفاً من نارک ولا طمعاً فی جنّتک

بل وجدتک اھلاً للعبادۃ فعبدتک۔

خدایا میں نے تیری عبادت نہ تو جہنم کے خوف سے

کی نہ ہی جنّت کے لالچ میں بلکہ تجھ کو لائق عبادت

پایا تو تیری عبادت کی۔

یادِ خدا

عبادت میں جتنے بھی اخلاقی و اجتماعی معنوی آثار ہیں ان سب کی بنیاد ایک چیز پر ہے اور وہ ہے خدا کی یاد اور غیر خدا کو دل سے نکال دینا، قرآن مجید ایک مقام پر عبادت کے تقویتی پہلوؤں و تربیتی آثار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے " نماز تمام برائیوں سے روکتی ہے" اور دوسری جگہ کہتا ہے " میری یاد کے لئے نماز قائم کرو" یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان جب نماز پڑھتا ہے اور خدا کو یاد کرتا ہے تو اسے ہر وقت اس بات کا احساس رہتا ہے کہ ایک دانا اور بینا ذات اسے دیکھ رہی ہے اور وہ اس بات کو کبھی فراموش نہیں کرتا کہ وہ خود ایک بندہ ہے۔

ذکر خدا اور یادِ خدا جو عبادت کا ایک مقصد ہے دل کو جلا اور پاکیزگی بخشتا ہے اور اس کو تجلیات الٰہی کے لئے آمادہ بناتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام یاد خدا کے بارے میں کہ جو روح عبادت ہے اس طرح فرماتے ہیں:

ان اللہ سبحانہ تعالیٰ جعل الذّکر جلاءً للقلوب،

Presented by www.ziaraat.com

تسمع به بعد الوقرة وتبصر به بعد العشوة

وتنقاد به المعاندة وما برح الله عزّت آلائه في

البرهة بعد البرهة وفي ازمان الفترات عباد

ناجاهم في فکرهم وکلمهم في ذات عقولهم[1]

اللہ نے اپنی یاد کو دلوں کی صیقل کا ذریعہ قرار دیا ہے

قلوب اس کے وسیلہ سے بہرے پن کے بعد سننے

لگے اور اندھے پن کے بعد دیکھنے لگے اور دشمنی و

سرکشی کے بعد مطیع و فرمانبردار ہو گئے ہمیشہ یہ ہوتا رہا

اور ہو رہا ہے کہ یکے بعد دیگرے زمانہ کے ہر عہد میں اور

جو دور انبیاء سے خالی رہا ہے اس میں بھی اللہ کے کچھ

ایسے مخصوص بندے ہمیشہ موجود تھے اور ہیں کہ جن کی

فکروں میں سرگوشیوں کی صورت راز و نیاز کی باتیں

القا کرتا ہے اور ان کی عقلوں کے ذریعہ ان سے

(الہامی آواز میں) کلام کرتا ہے۔

ان کلمات میں حضرت علیؑ نے یاد حق کے ذریعہ دلوں پر مرتب ہونے والے عجیب و غریب اثرات کو بیان کیا ہے یہاں تک کہ ذکر الٰہی سے دل الہامی اور خدا سے مکالمہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

---

[1] خطبہ ۲۲۰

Presented by www.ziaraat.com

مقام ومنزلت

اسی خطبہ میں ان ملکوتی افراد کے مقام و منزلت کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں کہ جو عزت و کرامت کی عبادت کے پرتو میں جلوہ گر ہوتے ہیں:

"قد حفت بھم الملائکة وتنزلت علیھم السکینة فتحت لھم ابواب السماء واعدت لھم مقاعد الکرامات فی مقام اطلع اللّٰہ علیھم فیہ فرضی سعیھم وحمد مقامھم یتنسمون بدعائہ روح التجاوز"

فرشتے ان کے گرد حلقے کئے ہوئے ہیں سکینہ و وقار کا ان پر نزول ہوتا ہے۔ آسمان کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں الطاف الٰہی کی مسندیں ان کے لئے مہیا ہیں وہ مقام و منزلت جو انھوں نے اپنی عبادت کے ذریعہ حاصل کی ہے وہ اللہ کی نظر توجہ کا مرکز ہے وہ ان کی کوششوں سے راضی اور ان کی منزلت پر آفریں کہتا ہے یہ لوگ جب اسے پکارتے ہیں تو الٰہی عفو و بخشش میں بسی ہوئی ہوائیں ان کی مشام سے ٹکراتی ہیں اور گناہ کے تاریک پردوں کے گر جانے کا احساس کرتے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

خداوالوں کی راتیں

نہج البلاغہ کی نظر میں عبادت کی دنیا ایک دوسری دنیا ہے دنیائے عبادت لذت سے لبریز ہے، ایسی لذتیں جن کا اس تکوینی مادی دنیا کی لذتوں سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا، دنیائے عبادت جوش و حرکت اور سیر و سفر سے پر ہے لیکن ایسا سفر جو مصر، عراق، شام یا کسی دوسرے شہر پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسے شہر پر ختم ہوتا ہے جس کا کوئی نام نہیں ہے عبادت کی دنیا میں شب و روز نہیں ہوتے اس لئے کہ وہاں صرف نور ہی نور ہے اندھیرے اور تاریکی یا مصیبت و کدورت کا وجود نہیں ہے سراسر صفا و خلوص ہے نہج البلاغہ کی نظر میں بڑا ہی باسعادت اور خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس دنیائے عبادت میں قدم اٹھائے اور اس دنیا کی نسیم جانفزا اس کا استقبال اور نوازش کرے جو اس دنیا میں قدم رکھتا ہے اس کو کچھ فکر نہیں رہتی کہ اس مادی اور جسمانی دنیا میں اس کا سر حریر و دیبا پر ہے یا مٹی کے ڈھیلے پر :

طوبیٰ لنفس ادت الی ربہا فرضہا و عرکت بجنبہا
بؤسہا وھجرت فی اللیل غمضہا حتی اذا غلب
الکری علیہا افترشت ارضہا وتوسدت کفہا
فی معشرا سھر عیونہم خوف معادھم وتجافت
عن مضاجعہم جنوبہم وھمہمت بذکر
ربہم شفاھہم وتقشعت بطول استغفارھم
ذنوبہم اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ

Presented by www.ziaraat.com

ھم المفلحون [1]

کتنا خوش نصیب و باسعادت ہے وہ شخص جس نے اپنے پروردگار کے فرائض کو پورا کیا (اللہ اس کا مددگار اور حمد و قل ہو اللہ اسکا کام ہے) سختی اور مصیبت میں صبر کئے پڑا رہا راتوں کو اپنی آنکھیں نیند سے بیزار رکھتا ہے اور رات جاگ کر بسر کر دیتا ہے جب نیند کا غلبہ ہوا تو ہاتھ کو تکیہ بنا کر زمین کو ہی بستر بنا لیتا ہے یہ اس گروہ سے ہے جن کی آنکھیں روز حشر کی فکر میں بیدار پہلو بچھونوں سے دور اور ہونٹ یاد خدا میں زمزمہ سنج رہتے ہیں ان کے مسلسل استغفار سے خود بخود گناہ کے بادل چھٹ جاتے ہیں یہی اللہ کا گروہ ہے اور بے شک اللہ کا گروہ ہی کامران و رستگار ہے

---

[1] نہج البلاغہ مکتوب ۴۵

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ میں عبادت اور عبادت گزاروں کی تصویریں

گزشتہ بحث میں عبادت کے سلسلے میں نہج البلاغہ کے "نقطۂ نگاہ" کے بیان سے معلوم ہوا کہ نہج البلاغہ کی نظر میں عبادت صرف چند خشک و بے روح اعمال کے انجام دینے کا نام نہیں ہے جسمانی اعمال عبادت کی صورت اور پیکر ہیں روح و معنیٰ ایک دوسری ہی چیز ہے جسمانی اعمال اس وقت زندہ و جاندار اور حقیقی عبادت کہلانے کے مستحق ہیں جب وہ روحانیت و معنویت کے ساتھ ہوں حقیقی عبادت اس تکوینی دنیا سے ایک طرح کا خروج اور

Presented by www.ziaraat.com

ایک دوسری دنیا میں قدم رکھتا ہے ایک ایسی دنیا جو اپنے آپ میں جوش و ولولہ قلبی کیفیات اور خاص لذتوں سے پر ہے ۔

نہج البلاغہ میں عرفاء اور عابدوں سے متعلق بہت زیادہ باتیں بیان ہوئی ہیں دوسرے لفظوں میں عبادت اور عبادت گزاروں کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے کبھی عابد و زاہد کی شب بیداری، خوف و خشیت، شوق و لذت، سوز و گداز، آہ و زاری اور تلاوت قرآن کے رنگوں سے نقاشی اور تصویر کشی کی گئی ہے تو کبھی عبادت و مراقبہ اور جہاد نفس کے ذریعہ نصیب ہونے والی قلبی کیفیات اور غیبی عنایات کا بیان ہوا ہے کبھی گناہوں سے روکنے اور اس کے تاریک آثار کو محو کرنے کے سلسلہ میں عبادت کے اثرات کو مورد بحث قرار دیا گیا ہے تو کبھی عبادت کی وجہ سے بعض اخلاقی بیماریوں اور نفسیاتی الجھنوں کے علاج کی طرف اشارہ ہوا ہے اور کبھی عابد و زاہد اور سالکان راہ خدا کو میسر آنے والی خالص لذتوں اور مسرتوں نیز بلا شرکِ غیر الہٰی عنایتوں کو بیان کیا گیا ہے ۔

شب بیداریاں

اما اللیل فصافون اقدامھم تالین لاجزاء
القرآن یرتلونھا ترتیلا یحزنون به
انفسھم ویستثیرون به دواء دائھم.
فاذا مروا بآیة فیھا تشویق رکنوا الیھا
طمعا وتطلعت نفوسھم الیھا

Presented by www.ziaraat.com

شـــو قـــــاً وظنوا انها نصب اعينهم و اذا
مرّوا باٰية فيها تخويف اصغوا اليها مسامــع
قلوبهم وظنّوا انّ زفير جهنّم وشهيقها في اصول
اٰذانهم فهم حانون على اوساطهم، مفترشون
لجباههم واكفّهم وركبهم واطراف اقدامهم
يطلبون الى الله تعالى في فكاك رقابهم واما النّهار فحلماءُ
علماءُ ابرار اتقياءُ [1]

رات ہوتی ہے تو (عبادت کے لئے) اپنے پیر جوڑ کر
کھڑے ہو جاتے ہیں قرآن کی آیتوں کی ٹھہر
ٹھہر کر آرام کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں آیات کی
زمزمہ خوانی اور اس کے مفاہیم پر توجہ کی وجہ سے
اپنے دلوں میں عارفانہ غم و اندوہ کی لہریں پیدا کرتے
ہیں اور اس طرح اپنے درد کی دوائیں ڈھونڈتے
ہیں قرآن کی زبان سے جو کچھ سنتے ہیں گویا وہ ان کو
اپنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کرتے ہیں جب کسی ایسی
آیتِ رحمت پر ان کی نگاہ پڑتی ہے جس میں جنت
کی ترغیب دلائی گئی ہو تو اس کی طمع میں پڑ جاتے
ہیں اور اس کے اشتیاق میں ان کے دل بے تابانہ

۱۔ خطبہ ۱۹۱

کھنچنے لگتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ پُر کیف
منظر بالکل ان کی نظروں کے سامنے "یا ان کا نصب العین"
ہے اور جب کسی آیت قہر و غضب پر ان کی نظر پڑتی ہے
کہ جس میں (دوزخ سے) ڈرایا گیا ہو تو اس کی جانب
دل کے کانوں کو لگا دیتے ہیں اور گمان کرتے ہیں گویا
جہنم کے شعلوں کے بھڑکنے کی آواز اور وہاں کی چیخ و
پکار ان کے کانوں تک پہنچ رہی ہے وہ (رکوع میں)
اپنی کمریں جھکا دیتے ہیں اور (سجدہ میں) اپنی پیشانیاں و
ہتھیلیاں، گھٹنے اور قدموں کے سرے (انگوٹھے)
زمین پر بچھا دیتے ہیں اور اللہ سے اپنی گلوخلاصی
کے لئے التجائیں کرتے ہیں (یہی لوگ جن کی راتیں
اس طرح شب بیداری میں بسر ہوتی ہیں) دن ہوتا
ہے تو اپنی اجتماعی زندگی میں ایک نیکوکار اور پرہیزگار
مرد نظر آتے ہیں۔

قلبی کیفیات

قد احیی عقله وامات نفسه، حتی دقّ جلیله

Presented by www.ziaraat.com

واطف غليظه وبرق له لامع كثير البرق، فابان
له الطريق وسلك به السبيل وتدافعته الابواب
الى باب السلامة ودار الاقامة وثبتت رجلاه
بطمانينة بدنه فى قرار الامن والراحة
بما استعمل قلبه وارضى ربّه ۱

مومن نے اپنی عقل کو زندہ اور اپنے نفس کو مار ڈالا ہے یہاں تک کہ اس کا جسمانی ڈیل ڈول لاغری میں اور روح کا کھردراپن نرمی میں تبدیل ہو گیا اس کے قلب میں بھرپور درخشندگیوں والا نورِ ہدایت چمکا کہ جس نے اس کے سامنے راستے نمایاں کر کے اسے سیدھی راہ پر لگا دیا اور وہ ایک دروازے کے بعد دوسرے دروازے کو روندتا ہوا آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ سلامتی کے دروازہ اور (دائمی) قرارگاہ تک پہنچ گیا اور اس کے پاؤں پرسکون بدن کے ساتھ امن و راحت کے مقام پر جم گئے اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس نے اپنے

---

۱ خطبہ ۲۱۸

Presented by www.ziaraat.com

دل وضمیر کو عمل میں لگا رکھا تھا اور اپنے پروردگار
کو راضی و خوشنود کیا تھا۔

ان جملوں میں جیسا کہ ظاہر ہے ایک دوسری زندگی کے سلسلے میں گفتگو کی گئی ہے ایک ایسی زندگی جس میں عقل کی حکمرانی ہے یہاں جہاد اور نفس امارہ کے مغلوب کرنے کا ذکر ہے، جسم و روح کی ریاضت کا تذکرہ ہے ایک ایسی روشنی کے بارے میں گفتگو ہے جو جہاد بالنفس کی وجہ سے سالک الی اللہ کے دل میں طور کی مانند چمک اٹھتی ہے اور اس کی دنیا کو روشن کردیتی ہے ان منازل و مراحل کا تذکرہ ہے جس کو ایک مشتاق اور سالک الی اللہ روح بتدریج طے کرتی ہے تاکہ اس منزل مقصود کو پالے جو بشر کے معنوی سیر و صعود کی آخری حد ہے۔

۱ یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ ۱

اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف جانے کی کوشش
کر رہا ہے تو ایک دن اس کا سامنا کریگا۔

اس میں اس آرام و اطمینان کا ذکر ہے جو انسان کے پریشان و مضطرب اور بالطرف دل کو آخری مرحلوں میں بہرحال نصیب ہو جاتا ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۲

آگاہ ہو جاؤ اطمینان یاد خدا سے ہی حاصل ہوتا ہے

۲۲۸ ویں خطبہ میں دل کی حیات کے لئے اس طبقہ کا اہتمام کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

---

۱ سورۂ انشقاق آیت ۶ / ۲ سورہ رعد آیت ۲۸۔

Presented by www.ziaraat.com

یرون اهل الدنیا یعظّمون موت اجسادهم
وهم اشدّ اعظاماً لموت قلوب احیائهم [1]

وہ اہل دنیا کو دیکھتے ہیں جو اپنی جسمانی موت کو
بڑی اہمیت دیتے ہیں لیکن یہ (ارباب معرفت و
ایمان) دلوں کی مردنی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں
ان کے حال کو زیادہ اندوہناک سمجھتے ہیں کہ جو زندہ
ہیں مگر ان کے دل مردہ ہیں

وہ جذبات اور عاشقانہ احساسات جو باستعداد روحوں کو بے چین کر دیتے ہیں اور اس کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں اس طرح بیان ہوئے ہیں ۔

صحبوا الدنیا بابدان ارواحها معلقة بالمحل الاعلی [2]

وہ اس حال میں اپنے جسموں کے ساتھ دنیا میں رہتے
اور اہل دنیا سے معاشرت کرتے ہیں کہ ان بدنوں
کی روحیں ملاء اعلےٰ سے وابستہ ہوتی ہیں ۔

لولا الاجل الّذی کتب اللّٰہ علیھم تستقرّ ارواحهم
فی اجسادهم طرفة عین شوقاً الی الثّواب وخوفاً
من العقاب [3]

اگر ان کی اجل اور مدت حتمی نہ ہوتی جو اللہ نے ان
کے لئے لکھدی ہے تو الہٰی لطف و کرامت

---

[1] خطبہ ۲۲۸، [2] حکمت ۱۴۷، [3] خطبہ ۱۹۱

Presented by www.ziaraat.com

کے شوق اور عقاب کے خوف سے ان کی روحیں
ان کے جسموں میں چشم زدن کے لئے بھی نہ ٹھہرتیں
قد اخلص للّٰہ سبحانہ فاستخلصہ " [1]
اس نے خود کو اور اپنے ہر کام کو اللہ کے لئے خالص
کردیا تو اللہ نے بھی اپنے لطف خاص سے اسے اپنا لیا
افاضی و اشراقی علوم جو تہذیب نفس اور طریق عبودیت کے طے کرنے سے
سالکان راہ خدا کے دلوں میں سوتا پیدا کرتے ہیں اور جس سے انہیں یقین محکم کی دولت
حاصل ہو جاتی ہے اس کو اس طرح بیان فرماتے ہیں :

" ھجم بھم العلم علیٰ حقیقۃ البصیرۃ وباشروا
روح الیقین واستلانوا ما استوعرہ المترفون
وانسوا بما استوحش منہ الجاھلون [2]
وہ علم جو حقیقت و بصیرت سے مملو ہے ان پر یلغار
کئے رہتا ہے اور انھوں نے یقین و اعتماد کی روح
کو لمس کر لیا ہے، وہ چیزیں جو آرام پسند لوگوں کے
لئے دشوار و سخت ہیں ان کے لئے سہل و آسان
بن گئی ہیں اور جن چیزوں سے جاہل بھڑک اٹھتے
ہیں اور دور بھاگتے ہیں ان سے وہ جی لگائے بیٹھے
ہیں ۔

---

[1] خطبہ ۸۵ ، [2] حکمت ۱۴۷

Presented by www.ziaraat.com

ترک معصیت

اسلامی تعلیمات کی رو سے ہر گناہ دل پر تاریکی اور کدورت پیدا کرنے والے آثار چھوڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے کار خیر کی طرف رغبت کم ہو جاتی ہے اور دوسرے گناہوں کی طرف جرأت بڑھ جاتی ہے، اس کے برعکس عبادت و بندگی اور یاد خدا انسان کے مذہبی جذبات و افکار کو پروان چڑھا کر نیک کاموں کی رغبت میں اضافہ اور برے کاموں اور گناہ کی طرف میلان میں کمی کر دیتی ہے یعنی گناہوں سے پیدا ہونے والی تیرگی کو زائل کر کے اس کی جگہ خیر و نیکی کی طرف میلان و رغبت بڑھا دیتی ہے

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں نماز، زکوٰۃ اور ادائے امانت سے متعلق بحث کی گئی ہے نماز کی وصیت اور تاکید کے بعد حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

وانّھا لتحتّ الذّنوب حتّ الورق وتطلقھا اطلاق

الرّبق وشبّھھا رسول اللّٰہ (ص) بالحمّۃ تکون علی باب

الرّجل فھو یغتسل منھا فی الیوم واللّیلۃ خمس مرّات

فما عسی ان یبقی علیہ من الدّرن ؟[1]

بلاشبہ نماز گناہوں کو دامن سے جھاڑ کر اس طرح

---

[1] خطبہ ۱۹۷

Presented by www.ziaraat.com

الگ کر دیتی ہے جس طرح (درخت سے) سے پتے جھڑتے ہیں اور گردنوں کو ریسمان گناہ سے آزاد کردیتی ہے رسول اللہؐ نے نماز کو اس گرم چشمہ سے تشبیہ دی ہے جو کسی شخص کے گھر کے دروازہ پر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے آیا اس طرح کی مسلسل دھلائی کے بعد امید کی جاسکتی ہے کہ اس کے (جسم) پر کوئی میل رہ جائے گا

اخلاقی علاج

ایک خطبہ میں سرکشی ظلم اور کبر جیسے اخلاق رذیلہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

"وعن ذالک ما حرس اللہ عبادہ المومنین بالصلوٰت والزکوٰت ومجاھدۃ الصیام فی الایام المفروضات تسکینا لاطرافھم وتخشیعا لابصارھم وتذلیلا لنفوسھم وتخفیضا لقلوبھم واذھابا للخیلاء عنھم[1]

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲

Presented by www.ziaraat.com

چونکہ انسان ان اخلاقی آفتوں اور نفسانی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے لہذا اللہ نماز، زکوٰۃ اور روزوں کے ذریعہ سے اپنے مومن بندوں کو ان آفتوں سے بچاتا اور نگہبانی کرتا ہے یہ عبادتیں ہاتھوں اور پاؤں کو گناہ کے ارتکاب سے روکتی ہیں آنکھوں کو خیرگی سے بچا کر خضوع و خشوع عطا کرتی ہیں اور نفوس کو رام کرتی ہیں دلوں کو متواضع اور دماغ کے خناس کو دور کرتی ہیں۔

اُنس و لذت

اللّٰھمّ انّک أنس الآنسین لاولیائک واحضرھم بالکفایہ للمتوکّلین علیک تشاھدھم فی سرائرھم وتطّلع علیھم فی ضمائرھم وتعلم مبلغ بصائرھم فاسرارھم لک مکشوفۃ وقلوبھم الیک ملھوفۃ ان اوحشتھم الغربۃ آنسھم ذکرک وان صبّت علیھم المصائب لجؤوا الی الاستجارۃ بک [1]

---

[1] خطبہ : ۲۲۵

Presented by www.ziaraat.com

اے خدا! تو اپنے دوستوں کے لئے تمام انس رکھنے
والوں سے زیادہ انیس وقریب ہے اور جو تجھ پر بھروسہ
رکھنے والے ہیں ان کی حاجت روائی کے لئے ان
سب سے زیادہ آمادہ اور پیش پیش ہے تو ان کی
باطنی کیفیتوں کو دیکھتا اور ان کے دل کی گہرائیوں
میں پوشیدہ بھیدوں کو جانتا ہے اور ان کی معرفتوں
اور بصیرتوں کی رسائی کی حد سے باخبر ہے ان کے راز
تیرے سامنے آشکارا اور ان کے دل تیرے فراق
میں بے تاب وفریاد کناں ہیں اگر تنہائی سے ان کا جی
گھبراتا ہے تو تیرا ذکر ان کا مونس بن جاتا ہے اور
اگر مصیبتیں ان پر آپڑتی ہیں تو وہ تیرے دامن میں
بھاگ کر پناہ حاصل کر لیتے ہیں ۔

وان للذکر لاھلا اخذوہ من الدنیا بدلاً [1]

بے شک یاد خدا نے کچھ ایسے شائستہ افراد پالئے ہیں
جنھوں نے اس کا دنیا کے تمام نعمتوں کے بدلے
میں انتخاب کرلیا ہے

ایک دوسرے خطبہ میں امام مہدی موعودؑ کی بشارت دیتے ہوئے آخر کلام میں آخری زمانہ کے ایک ایسے گروہ کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں شجاعت و

---

[1] خطبہ ۲۲۰

Presented by www.ziaraat.com

حکمت اور عبادت ایک ساتھ جمع ہو گئی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔

ثم لیشحذن فیھا قوم شحذ القین النصل
تجلی بالتنزیل ابصارھم و یرمی بالتفسیر فی
مسامعھم و یغبقون کأس الحکمۃ بعد الصبوح

اس وقت ایک قوم (کو حق کی سان پر) اس طرح تیز
کیا جائے گا جس طرح لوہار تیر کی باڑ تیز کرتا ہے
قرآن کے ذریعہ پردہ ہٹا کر ان کی آنکھوں میں جلا
پیدا کر دی جائے گی اور ان کے کانوں میں اس کی
تفسیر اور معانی القاء کئے جائیں گے اور صبح و شام
حکمت کے چھلکتے ہوئے ساغر پلائے جائیں گے
اور بادۂ معرفت سے سرشار ہو جائیں گے ۔

(خطبہ نمبر ۱۵۰

Presented by www.ziaraat.com

حصۂ چہارم

حکومت و عدالت

نہج البلاغہ اور مسئلہ حکومت ۔

قدر و قیمت ۔

عدالت کی اہمیت ۔

حضرت علیؑ بے عدالتی کو نہیں دیکھ سکتے تھے
پہلی دلیل ، دوسری دلیل

عدالت قربان نہ ہو ۔

لوگوں کے حقوق کا اعتراف ۔

کلیسا اور حق حاکمیت کا مسئلہ ۔

منطق نہج البلاغہ ۔

حکمراں امانت دار ہیں ۔

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

حکومت و عدالت

نہج البلاغہ اور مسئلہ حکومت

نہج البلاغہ میں جن موضوعات پر سیر حاصل بحث ہوئی ہے ان میں "حکومت اور عدالت" ایک اہم موضوع ہے۔

جس شخص نے پوری نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا ہوگا وہ یہ محسوس کرے گا کہ حضرت علی علیہ السلام نے حکومت و عدالت کے موضوع پر بہت زیادہ روشنی ڈالی ہے اور اس کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ یقیناً وہ افراد جو اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان و مذاہب کی تعلیمات سے آشنائی رکھتے ہیں ان کے لئے یہ بات قابل تعجب ہے کہ ایک دین کا پیشوا حکومت و عدالت کے موضوع میں اس طرح کیوں منہمک ہے کیا یہ وہ مسائل ہیں جن کا تعلق دنیا، اور دنیاوی زندگی سے ہے؟ اور ایک دینی رہبر کا دنیاوی زندگی اور اجتماعی مسائل سے کوئی ربط نہیں ہوا کرتا۔

لیکن اسلامی تعلیمات سے آشنا کو کوئی تعجب نہیں ہوتا چونکہ حضرت علیؑ کی پوری زندگی اس کے سامنے ہوتی ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام

Presented by www.ziaraat.com

نے آغوش پیغمبرؐ میں پرورش پائی بلکہ پیغمبرؐ نے بچپنے ہی سے حضرتؑ کو اپنے گھر میں رکھا، پروان چڑھایا، مخصوص تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا، اسلام کے رموز و اسرار ودیعت فرمائے، اصول و فروع کو رگ و پے میں لہو بنا کر دوڑا دیا ہے۔
ایسے شخص کے لئے اگر حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے حکومت و عدالت جیسے موضوعات پر کچھ ارشاد نہ فرمایا ہوتا تو یہ قابل تعجب ہوتا چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب
والمیزان لیقوم النّاس بالقسط [1]

کہ ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں اور کتاب
و میزان کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان
عدالت قائم کریں۔

اس آیت کریمہ میں تمام انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد "قیام عدالت" کو قرار دیا گیا ہے عدالت اتنا مقدس سرمایہ ہے کہ تمام انبیاءؑ اسی کو فروغ دینے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں لہٰذا ان تمام باتوں کے ساتھ کیسے ممکن ہے کہ حضرت علی علیہ السلام جیسا انسان جو قرآن کا مفسر اور اسلام کے اصول و فروع کی توضیح و تشریح کرنے والا ہو وہ اس مسئلہ میں خاموش رہے اور اس کی اہمیت کو نظر انداز کر دے۔
جو لوگ اپنی تعلیمات میں حکومت و حکمرانی جیسے مسائل کی طرف توجہ نہیں دیتے ہیں یا یہ خیال کرتے ہیں کہ دین اسلام میں ایسے مسائل کو کوئی خاص

---

[1] سورۃ الحدید ۲۴

Presented by www.ziaraat.com

اہمیت حاصل نہیں ہے بلکہ دین فقط طہارت اور نجاست کا مجموعہ ہے ایسے افراد کو اپنے عقائد و افکار میں نظر ثانی کرنا چاہیئے۔

قدر و قیمت

سب سے پہلے اس مسئلہ کے بارے میں بحث ہونی چاہیئے کہ نہج البلاغہ میں ایسے مسائل کی کیا قدر و قیمت ہے، بنیادی طور پر یہ دیکھنا ہے کہ حکومت و عدالت کے مسائل کو اسلام میں کیا اہمیت حاصل ہے تفصیلی بحث کی ان مقالات میں گنجائش نہیں ہے اگرچہ اس کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے۔

قرآن کریم نے جب پیغمبر اسلامؐ کو یہ حکم دیا کہ اپنے بعد علی علیہ السلام کی خلافت و ولایت کا لوگوں میں اعلان کریں تو آیت کا تیور یہ تھا۔

یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم
تفعل فما بلغت رسالته [1]

اے میرے رسول وہ پیغام جو آپ کو دیا جا چکا ہے
پہنچا دیں اگر آپ نے یہ پیغام نہیں پہنچایا تو گویا کار
رسالت انجام نہ دیا

اسلام میں کس موضوع کو اتنی اہمیت دی گئی ہے جتنی اہمیت اس

---

[1] سورہ مائدہ آیت ۶۷

Presented by www.ziaraat.com

موضوع کو دی گئی ہے، کون سا ایسا پیغام ہے کہ جس کے نہ پہنچانے کو رسالت کے نہ پہنچانے کے برابر قرار دیا گیا ہے؟

جب جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور پیغمبر اسلام کے شہید یا قتل ہونے کی خبر پہونچی تو کچھ لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے قرآن نے اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل
افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ؟ [1]

محمد تو صرف رسول ہیں ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں کیا محمد اگر اپنی موت سے مر جائیں یا مار ڈالے جائیں تو تم الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو خدا کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑے گا۔

استاد بزرگوار علامہ طباطبائی رضوان اللہ علیہ نے "ولایت و حکومت" کے عنوان سے جو مقالہ لکھا ہے اس میں قرآن کی اس آیت سے یوں استدلال کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے مرنے سے جنگ میں کوئی خلل نہ پیدا ہونا چاہیئے بلکہ تم لوگ فوراً پیغمبر کے بعد اس شخص کے پرچم (کے نیچے) رہ کر جو تمہارا سربراہ ہے اپنے کام کو انجام دو یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ بالفرض اگر پیغمبر مارے بھی جائیں یا مر جائیں تو مسلمانوں کے جنگی و اجتماعی نظام میں خلل نہیں پڑنا چاہیئے؛

---

[1] سورہ آل عمران ۱۴۴

Presented by www.ziaraat.com

جیساکہ پیغمبر کی حدیث ہے کہ اگر تین آدمی ہم سفر ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو اپنا رئیس یا امیر بنالو۔ اسی بنا پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ پیغمبر کی نظر میں ایسے حاکم کا کھو دینا شدید خسارہ ہے جو معاشرہ کے آپسی اختلافات کو دور اور ایک دوسرے میں اتحاد و اتفاق کو رواج دینے والا ہو

نہج البلاغہ میں حکومت اور عدالت کے سلسلے میں جو مسائل بیان کئے گئے ہیں ان کی تعداد بہت ہے لیکن ہم انشاء اللہ تعالےٰ ان میں سے بعض کو بیان کریں گے

سب سے پہلا مسئلہ حکومت کی حیثیت اور اس کی ضرورت کا ہے حضرت علی علیہ السلام نے بار بار صاف لفظوں میں حکومت کی ضرورت و حیثیت کو بیان فرمایا ہے اور اس طرح حضرت نے خوارج کے نظریئے کی تردید کی جن کا ابتداءً یہ نظریہ تھا کہ قرآن کے ہوتے ہوئے کسی حکومت کی ضرورت نہیں ہے حق حکومت صرف اور صرف خدا کو زیبا ہے۔ اگرچہ "لاحکم الااللہ" کا نعرہ خوارج نے قرآن ہی سے اقتباس کیا تھا جس کے خلاف (نظریاتی) جنگ کی ہے خوارج کا نعرہ یہ تھا کہ (لاحکم الااللہ) حکومت صرف خدا کے لئے ہے اس نعرہ کو قرآن مجید سے اخذ کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ قانون سازی صرف خدا اور ان افراد کا حق ہے جن کو اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن خوارج اس جملہ سے غلط فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جیساکہ امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خوارج اس کلمہ حق سے غلط و باطل معنیٰ مراد لے رہے تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ بشر کو حکومت کا حق حاصل نہیں ہے حکومت کا حق تو صرف خدا کو ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں میں بھی "لاحکم الااللہ" یعنی قانون بنانے کا اختیار صرف خدا ہی کو ہے" کا قائل ہوں لیکن حکومت و رہبری بھی خدا ہی کے

Presented by www.ziaraat.com

لئے ہے یہ معقول نہیں ہے کیونکہ خدا کا قانون انسان ہی کے ذریعہ اجرا ہونا چاہیئے حکومت کے بغیر انسان کو مفر نہیں خواہ حاکم اچھا ہو یا برا ۱ حکومت ہی کے زیر سایہ مومن عمل خیر کرتا ہے اور کافر مادی و دنیاوی فائدے کے لئے ثمر مٹتا ہے اور اس طرح دنیا چلتی رہتی ہے حکومت ہی کے ذریعہ ٹیکس کی وصولی دشمنوں سے دفاع، راستوں میں امن اور ضعیف قوی سے اپنا حق پاتا رہتا ہے اس حکومت کی مدد سے کمزوروں کو سرکش و متکبر افراد سے حق دلوایا جاتا ہے جس کے نتیجے میں اچھے لوگ راحت و آرام کے ساتھ زندگی بھی بسر کرتے ہیں اور فاسق و فاجر کے شر سے محفوظ بھی رہتے ہیں ۲

حضرت علی علیہ السلام نے بھی نمایندگان الٰہی کی طرح ایسی ہر حکومت و ریاست کی سخت مذمت اور تحقیر فرمائی ہے جس کا مقصد جاہ طلبی اور انسانوں پر حکمرانی کی ہوس رہی ہو آپ کی نظر میں ان مقاصد کے زیر نظر تشکیل پانے والی حکومت کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ ایسی ہی حکومت کو اس کے سارے زرق و برق کے باوجود سور کی ہڈی سے زیادہ پست تعبیر کیا ہے جو کسی مجذوم کے ہاتھ میں ہو۔

لیکن اگر یہی حکومت و ریاست اپنے حقیقی اور اصلی محور و مرکز پر ہو یعنی اس کے ذریعے معاشرہ میں عدالت کو رواج دیا جا رہا ہو حق کا بول بالا ہو رہا ہو اور معاشرے کی خدمت کی جا رہی ہو تو ایسی حکومت حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں نہایت مقدس ہے اور آپ کی یہی کوشش تھی کہ ایسی حکومت ان کے حریف و رقیب

---

۱ یعنی بالفرض اگر حکومت حقہ برقرار نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں ناصالح افراد ہی کی حکومت غنیمت ہے کہ وہ نظم و ضبط کے ذریعہ کم از کم اجتماعی نظام کو برقرار رکھے ہوئے ہے اور ہرج و مرج باہمی اور بے قید و بند زندگی سے انسان کو روکے تو ہوئے ہے۔ ۲ نہج البلاغہ خطبہ ۴۰

Presented by www.ziaraat.com

اور مفاد پرست و فرصت طلب افراد تک نہ پہونچنے پائے ایسی حکومت کی بقا و حفاظت اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے تلوار اٹھانے سے دریغ نہیں فرمایا ۔

حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے زمانہ میں ابن عباس حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت علی علیہ السلام اس وقت اپنی بوسیدہ نعلین میں ٹانکے لگا رہے تھے حضرتؑ نے ابن عباس سے پوچھا اے ابن عباس یہ بتاؤ تمہاری اس نعلین کی کیا قیمت ہے ؟ ابن عباس نے کہا کوئی قیمت نہیں آپؑ نے فرمایا میری نظر میں یہ نعلین تم لوگوں پر کی جانے والی اس حکومت سے بہتر ہے جس میں عدالت اور حق کا بول بالا نہ ہو اور باطل قوتوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش نہ کی جا رہی ہو اس سے کہیں زیادہ عزیز ہے[1] مگر یہ کہ اس کے ذریعہ عدالت قائم کر سکوں اور حق دار کو حق دلوا سکوں باطل کی سرکوبی کر سکوں ۔

مزید فرمایا کہ خدا کے منجملہ حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ ایک انسان کا دوسرے پر حق ہے اور ان حقوق کو اس طرح وضع کیا ہے کہ ایک حق دوسرے حق کے برابر قرار پاتا ہے ۔ ہر وہ حق کہ جو انفرادی یا اجتماعی منفعت کا حامل ہوتا ہے وہ دوسرے حق کو وجود بخشتا ہے کہ جس کے بجالانے پر انسان مجبور ہوتا ہے ، ہر حق اس وقت واجب ہوجاتا ہے کہ جب دوسرا (انسان) بھی ان حقوق کو جو اس کی گردن پر ہیں ادا کرے ۔

واعظم ما افترض سبحانه من تلك الحقوق حق

الوالی علی الرّعیة وحق الرعیة علی الوالی، فریضة

---

[1] خطبہ ۳۳

Presented by www.ziaraat.com

فرضها اللہ سبحانہ لکل علی کل، فجعلها نظاما
لالفتہم وعزّالدینہم فلیست تصلح الرعیۃ الا
بصلاح الولاۃ ولا تصلح الولاۃ الا باستقامۃ الرعیۃ
فاذا ادت الرعیۃ الی الوالی حقہ وادی الوالی الی
الرعیۃ حقہا عزّالحق بینہم وقامت مناھج
الدّین واعتدلت معالم العدل وجرت علی اذلالہا
السنن فصلح بذالک الزمان وطمع فی بقاء الدّولۃ
ویئست مطامع الاعداء.... [1]

ان حقوق میں سب سے اہم حق جسے خداوند عالم نے ایک دوسرے پر واجب کیا ہے وہ حکمراں کا حق رعایا پر اور رعایا کا حق حکمراں پر ہے خداوند کریم نے انسانی برادری کے لحاظ سے ہر فرد پر ایک دوسرے کے حق کو فریضہ بنا کر عائد کیا ہے اور اسے باہمی محبت اور مذہبی برتری اور سماجی واجتماعی روابط کا ذریعہ قرار دیا ہے۔
عوام کبھی خیر وصلاح سے بہرہ مند نہیں ہو سکتی جب تک ان کی حکومت صحیح نہ ہو اور حکومتیں اس وقت تک اپنے کو نہیں سدھار سکتیں جب تک عوام کا جذبۂ حمایت وپامردی اسے حاصل نہ ہو۔

---

1 نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۴

Presented by www.ziaraat.com

جب رعایا قوانین حکومت کی وفادار ہوگی اور حاکم

رعایا کے حقوق سے عہدہ برآ ہو رہا ہوگا اس وقت

کہیں جا کر عوامی زندگی میں حق کا بول بالا ہو سکتا ہے

اور ارکان دین محکم و استوار ہو سکتے ہیں اس کے بعد

عدل و انصاف صحیح طور سے نمایاں ہو سکتا ہے

اور اس وقت انبیاء کی سنتیں اپنے ڈھرے پر چل نکلیں

گی زمانے میں سدھار کا ظہور ہوگا اور آپس میں دوستانہ

ماحول پیدا ہو جائے گا اور اسوقت ایسی حکومت

سے دشمنوں کی آرزوئیں یاس و ناامیدی میں بدل

جائیں گی

عدالت کی اہمیت

اسلام کی تعلیمات نے سب سے پہلے اپنے عقیدت مندوں کی فکر و نظر کو متاثر کیا اسلام فقط انسانوں، انسانی معاشرے اور کائنات سے متعلق نیا علمی رجحان لے کر نہیں آیا تھا بلکہ اسلامی تعلیمات نے فکر و نظر کے دھارے کو بھی موڑ دیا تھا اسلام کا یہ اقدام کسی طرح بھی جہان و کائنات سے متعلق دیئے گئے نظریات و علوم سے کم نہیں تھا۔

ہر استاد اپنے شاگردوں کو نئی معلومات فراہم کرتا ہے اور ہر صاحب نظر اپنے پیرو کاروں اور اتباع کرنے والوں کے لئے نئی اطلاعات مہیا کرتا ہے لیکن بہت ہی کم ایسے اساتذہ اور صاحبان نظر ہوں گے جنھوں نے اپنے شاگردوں کو جہاں جدید نظریات و خیالات سے آگہی دی ہو اس کے ساتھ ساتھ ان کے

Presented by www.ziaraat.com

طرزِ تفکر کو بھی نیا رخ دیا ہو۔

یہ بات توضیح طلب ہے کہ کیسے منطق اور انداز فکر میں تبدیلی نہیں آتی ؟

چوں کہ انسان ایک متفکر ہے اس لئے وہ تمام علمی و اجتماعی مسائل میں استدلال کرتے ہوئے خواہ ناخواہ بعض بنیادی اصولوں پر اعتماد کرتا ہے اور پھر نتیجہ نکالتا ہے چوں کہ نظریات و طرزِ تفکر کا انحصار انہیں اصولوں پر ہوتا ہے لہذا جیسے جیسے اصول بدلتے ہیں نظریات و خیالات میں بھی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے پھر اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ استدلال اور نتیجہ میں کس قسم کے اصول پر تکیہ کیا گیا ہے اور انہیں سے تفکرات اور نتائج مختلف ہو جاتے ہیں

تقریباً علمی مسائل میں طرزِ فکر ہر زمانہ میں ان لوگوں کے لئے جو ردح علم سے آشنا ہوتے ہیں یکساں رہتا ہے اگر کسی قسم کا اختلاف پایا بھی جائے تو وہ صرف مختلف زمانوں کے تفکرات کی وجہ سے ہے اس کے برخلاف اجتماعی مسائل میں کہ جہاں ایک ہی زمانے کے لوگ بھی ایک جیسے نہیں ہوتے اس میں بھی ایک راز پوشیدہ ہے اس وقت اس بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

انسان جب اجتماعی اور اخلاقی مسائل سے دوچار ہوتا ہے تو مجبوراً ان مسائل کی تحقیق کرتا ہے اور پھر اپنی تحقیق کے مطابق ان مسائل میں مختلف درجات اور مراتب کا قائل ہو جاتا ہے اور انہیں درجہ اور طبقہ بندی کے باعث وہ ان اصول و مبادی کو استعمال کرتا ہے کہ جو دوسرے محققین کے اصول و مبادی سے جدا ہوتے ہیں اور نتیجہ میں طرزِ فکر بدل جاتا ہے۔

عورت کے لئے عفت و پاکدامنی ایک اجتماعی مسئلہ ہے لیکن کیا تمام لوگوں کا اس مسئلہ میں انداز فکر ایک جیسا ہے ؟ یقیناً ایسا نہیں ہے اس مسئلہ میں زیادہ اختلاف ہے بعض لوگوں کی نظر میں اس مسئلہ کی کوئی اہمیت

Presented by www.ziaraat.com

نہیں ہے لہٰذا یہ موضوع ان افراد کی فکر و نظر پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے اور بعض افراد اس قدر اس کی اہمیت کے قائل ہیں کہ اگر عفت و پاکدامنی نہ ہو تو پھر اس کے بعد زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہ جاتی ۔

اسلام نے طرز فکر میں جو تبدیلیاں پیدا کی ہیں اس کے معنی یہ ہیں اس نے ہر شئی کی حیثیتوں کو اجاگر کیا ہے مثلاً تقوی کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی اسے بلند مرتبہ دیا اور اس کی بے حد اہمیت کا قائل ہوا اور اس کے برخلاف قتل و خونریزی خاندانی و نسلی جذبۂ برتری جیسی چیزیں جن کی بہت زیادہ قدر و قیمت تھی ان کو گھٹا کر صفر کی حد تک پہونچا دیا اسلام ہی کے ذریعہ عدالت نے نئی زندگی اور بلند منزلت پائی ہے اسلام نے فقط عدالت ہی کو رواج نہیں دیا بلکہ اس کو نمایاں عظمت بھی بخشی ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ اس چیز کو ہم نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کی زبان سے سنیں ۔

ایک ذہین و نکتہ سنج سائل نے امیرالمومنین علیہ السلام سے سوال کیا ۔

العدل افضل ام الجود [1] ؟

عدل افضل ہے یا سخاوت ؟

اس جگہ سائل نے انسان کی دو خصلتوں سے متعلق سوال کیا ہے ۔

انسان ہمیشہ ظلم و ستم سے گریزاں اور فرار کرتا رہا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس شخص کی تعریف بھی کی جاتی ہے کہ جس نے صلہ رحم یا کسی امید کے بغیر کسی کے ساتھ نیکی یا احسان کیا ہو ۔

---

[1] نہج البلاغہ حکمت ۔ ۴۳۷

Presented by www.ziaraat.com

یوں تو اس سوال کا جواب بہت آسان نظر آتا ہے پہلی ہی فکر میں آدمی سے طے کر لیتا ہے کہ جود و سخا، عدالت سے افضل ہے کیونکہ عدالت دوسروں کے حقوق کی رعایت اور ان کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز نہ کرنے کا نام ہے لیکن سخاوت میں انسان اپنے مسلم حقوق کو دوسروں پر نثار کرتا ہے اس کے برخلاف جو عدالت سے کام لیتا ہے وہ دوسروں کے حقوق کو نہ خود پامال کرتا ہے بلکہ دوسروں کے حقوق کو پامالی سے بھی بچاتا ہے لیکن جو سخاوت کرتا ہے وہ جذبہ فداکاری کا اظہار کرتا ہے اور اپنے ذاتی حق کو دوسروں پر قربان کر کے خود دست بردار ہو جاتا ہے لہذا ایسی صورت میں سخاوت، عدالت سے بہتر و بالاتر ہے۔

اگر اخلاقی اور انفرادی معیار پر پرکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ سخاوت، عدالت سے کہیں زیادہ کمال نفس اور ارتقاء روح کا مظہر ہے۔

لیکن حضرت علی علیہ السلام اس کے برعکس ارشاد فرماتے ہیں کہ عدل دو دلیلوں کی بناء پر سخاوت سے بہتر ہے۔

پہلی دلیل

العدل یضع الامور مواضعها والجود یخرجها من جهتها۔

عدالت کے ذریعہ نظام کائنات برمحل انجام پاتے ہیں اور سخاوت نظام ہستی کا رخ موڑ دیتی ہے

Presented by www.ziaraat.com

عدالت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص کی بنیادی ضرورتوں کو اور اس کی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے اس کا حق دیا جائے، معاشرہ کی مثال ایک گاڑی کی سی ہے کہ جس کے ہر پرزے اپنی اصل جگہ پر لگے ہوئے ہیں لیکن سخاوت اگرچہ سخی کی نظر میں بہت اہمیت رکھتی ہے چوں کہ وہ اپنے قیمتی اور جائز مال و دولت کو دوسروں کو بخشتا ہے لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ سخاوت ایک مسئلہ غیر فطری ہے جس طرح انسان کے بدن کا اگر کوئی عضو بیمار ہو جائے تو بدن کے دوسرے اعضاء تھوڑی دیر کے لئے اس کی سلامتی کے سلسلے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بدن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بدن کا مریض حصہ جلد از جلد ٹھیک ہو جائے یہی حال سخاوت کا بھی ہے کیا اچھا ہو تا کہ معاشرہ میں ایسی کوئی بیمار فرد پائی ہی نہ جاتی کہ جس سے سماج کے فردوں کو اس کی صحت و سلامتی کی طرف متوجہ ہونا پڑے اور اس طرح کی شاہراہوں پر گامزن نہ رہ سکے۔

دوسری دلیل

العدل سائس عام والجود عارض خاص

عدالت اس عام قانون اور ہمہ گیر ضابطے کو کہتے ہیں

کہ جس کی گرفت میں پورا معاشرہ ہے اور اس عظیم

شاہ راہ پر گامزن رہنا چاہیئے۔

Presented by www.ziaraat.com

لیکن سخاوت میں وہ چیزیں نہیں پائی جاتیں جن کے بل بوتے پر
معاشرہ چلے اگر بنیادی طور پر سخاوت میں قانونی پہلو
پایا جائے تو پھر وہ سخاوت نہیں ہے ۔
امیرالمومنین علیہ السّلام نے اس کے بعد فرمایا ۔
فالعدل اشرفھما وافضلھما [1]
لہٰذا عدل سخاوت سے بہتر و برتر ہے ۔

انسان اور انسانی مسائل کے سلسلہ میں وہ طرز فکر ایک خاص نوعیت کی فکر ہے کہ جس کی بنیاد تحقیق پر ہے اور اس تحقیق کی بنیاد معاشرہ کی اہمیت ہے نیز اس تحقیق کی بنیاد یہ ہے کہ معاشرے کے مبادی و اصول اخلاقی اصول اور مبادی پر مقدم ہیں ، وہ اصل ہے اور یہ فرع وہ درخت اور یہ اس کی شاخ ، وہ رکن ہے اور یہ زینت و زیور کا تنہ ہے ۔

حضرت علی علیہ السّلام کی نظر میں عدالت ہی وہ اصل ہے جس کے ذریعہ اجتماع کے نظم و نسق کی بقا اور لوگوں کی رضا مندی معاشرے کے پیکر کی سلامتی ....
اور اجتماعی روح کو سکون ملتا ہے ظلم وجور اور طبقاتی نظام سے خود ظالم اور اس انسان کی روح کو کبھی بھی سکون نہیں مل سکتا ہے کہ جس کے فائدہ کے لئے ظلم کیا گیا ہے پس مظلوم اور غریبوں کو کیسے سکون و آرام مل سکتا ہے عدالت ایک عام شاہراہ ہے کہ تمام لوگ اس سے بآسانی گزر سکتے ہیں ، لیکن ظلم وجور ایسی پر پیچ اور خطرناک راہ ہے کہ جس سے ظالم و ستمگر بھی اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا ہے ۔

---

[1] حکمت ۴۳۷

Presented by www.ziaraat.com

ہم جانتے ہیں کہ عثمان بن عفان نے اپنی خلافت کے دوران مسلمانوں کے اموال کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا عثمان کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو آپ سے اس کی گزارش کی گئی کہ گزری ہوئی باتوں پر توجہ نہ دیں اور نہ ہی اس کو چھیڑیں بلکہ اپنی کوششوں کو ان حادثات پر صرف فرمائیں جو آپ کی خلافت کے زمانہ میں پیش آنے والے ہیں تو آپ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ:-

الحق القديم لا يبطله شيءٔ

حق قدیم اور پرانا ہونے کی وجہ سے کبھی باطل نہیں ہوتا

خدا کی قسم اگر کسی نے بیت المال سے اپنی شادی کی ہو یا کنیزیں خریدی ہوں، پھر بھی میں اسے بیت المال میں پلٹا دوں گا

فان فی العدل سعة ومن ضاق عليه العدل فالجور عليه اضيق [1]

عدالت ہی میں آسانیاں ہیں جس پر عدالت سخت و دشوار ہوئی پھر ظلم و زیادتی تو اس پر دشوار تر ہو جائے گی

عدالت کو ایک حصار محکم سمجھنا چاہیئے اور اس کی حدوں کا پاس و لحاظ بھی رکھنا چاہیئے۔

اگر خدانخواستہ اس کی حدیں ٹوٹ گئیں اور اس میں کسی اور چیز کی

---

[1] از خطبہ ۱۵ نہج البلاغہ۔

Presented by www.ziaraat.com

آمیزش ہوگئی تو پھر کوئی قانون محفوظ نہیں رہ سکتا اور ایسی صورت میں طبیعت کے تقاضوں اور شہوت کی پیاس بجھانے کے لیے دوسری حدوں کا تشنہ ہوگا اور نتیجہ میں ناراضگی کا احساس زیادہ ہونے لگے گا۔

علیؑ بے عدالتی کو نہیں دیکھ سکتے تھے

حضرت علی علیہ السلام عدالت کو ایک وظیفہ الٰہی بلکہ شرف الٰہی سمجھتے ہیں اور آپ کو ہرگز گوارا نہیں کہ اسلامی تعلیمات سے آگاہ مسلمان، طبقاتی نظام اور بے عدالتی کو تماشائی بنا دیکھتا رہے۔

اور خطبہ شقشقیہ میں گزشتہ غم انگیز سیاسی حالات کو بیان فرماتے ہیں کہ جب حالات نے پلٹا کھایا تو لوگ قتل عثمان کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور خلافت قبول کرنے کے لئے اصرار کرنے لگے۔ گزشتہ دردناک واقعات اور موجودہ زمانہ کی ناگفتہ بہ حالت کو دیکھتے ہوئے آپ اس سنگین ذمہ داری کو قبول نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اگر حضرت علی علیہ السلام خلافت کو قبول نہ کرتے تو (ایک طرف) حقائق پامال ہو جاتے اور لوگ کہتے کہ علی علیہ السلام کو تو شروع ہی سے خلافت سے رغبت نہیں تھی اور آپ کی نگاہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی (دوسری طرف) اسلام اس بات کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ معاشرہ ظالم اور مظلوم دو حصوں میں بٹ جائے کہ ایک ظالم زیادہ شکم پری کی بنا پر ناراض اور دوسرا (مظلوم و ستمدیدہ) گرسنگی کی وجہ سے پریشان ہو ایسی صورت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر

Presented by www.ziaraat.com

تماشائی بنا رہے، لہذا آپ نے اس سنگین ذمہ داری کو قبول کر لیا۔

لولاحضور الحاضر وقیام الحجۃ بوجود الناصر وما

اخذ اللہ علی العلماء ان لا یقاروا علی کظۃ ظالم

ولا سغب مظلوم لألقیت حبلها علی غاربها

ولسقیت آخرها بکاس اولها [1]

اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو خدا نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و اطمینان سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اس کے کاندھے پر ڈال دیتا اور روز اول کی مانند ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا۔

عدالت قربان نہ ہو

عدالت کو مصلحت پر قربان نہیں ہونا چاہیئے۔
طبقاتی نظام، دوستی، پارٹی بازی اور مال و دولت کے ذریعے منہ بھرنا

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۳ (شقشقیہ)

Presented by www.ziaraat.com

ہمیشہ حکومتوں کا سیاسی حربہ اور آلہ کار رہا ہے لیکن اب حکومت کی باگ ڈور اور سفینۂ سیاست کا ناخدا ایسا شخص ہو گیا ہے جو ان طریقوں کا دشمن ہے اور جس کا اصلی مقصد ایسی گھناؤنی سیاست کا قلع قمع کرنا ہے اس روش کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی دن سے ارباب سیاست کے دلوں میں قہری طور پر رنجش پیدا ہو گئی اور اس رنجش کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ تخریب کاری کی جانے لگی اور حکومت کے لئے دردسری ایجاد کی جانے لگی خیر خواہ دوست آپ کی خدمت میں آئے اور نہایت خلوص وخیر خواہی سے التماس کیا کہ آپ اہم سیاسی مصلحتوں کی خاطر اپنی سیاست میں کچھ نرمی لائیں اور اس قسم کے مشکلات سے اپنے کو بچائیں، ٹکڑا دے کر ان کا منھ بند کر دینا بہتر ہے اس لئے کہ یہ تخریب کار ہیں ان میں بعض خلیفہ اول کے نمک خوار ہیں آپ کا مقابلہ معاویہ ایسے دشمن سے ہے جس کے قبضہ میں شام جیسا زرخیز علاقہ ہے مصلحت اسی میں ہے کہ مساوات و برابری جیسے موضوعات کو نہ چھیڑا جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا :۔

أتامرونی ان اطلب النصر بالجور فیمن ولیت علیه لا اطور به ما سمر سمیر وما ام نجم فی السماء نجماً، لو کان المال لی لسویت بینهم فکیف وانما المال مال الله [1]

کیا تم لوگ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ خلافت

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۶

Presented by www.ziaraat.com

۱

کی خاطر نژاد پرستی و ظلم و زیادتی کردوں مجھ سے یہ امید
رکھے ہوئے ہو کہ عدالت و انصاف کو خلافت و حکومت
کی بھینٹ چڑھا دوں خدا کی قسم جب تک دنیا
کا قصہ جاری ہے اور تاروں میں کشش باقی ہے میں
ہرگز یہ نہ کروں گا میں اور طبقاتی نظام؟ میں اور
عدالت کی پائمالی؟ اگر یہ میرا ذاتی مال ہوتا جسے رنج
و مشقت سے کمایا ہوتا تو بھی ایک دوسرے میں
امتیاز قائم نہ کرتا چہ جائیکہ یہ مال تو اللہ کا ہے۔
اور میری حیثیت فقط ایک امانتدار کی سی ہے
یہ تھی علیؑ کی نگاہ میں عدالت کی قدر و قیمت اور عدل و انصاف کا ایک بہترین نمونہ

Presented by www.ziaraat.com

لوگوں کے حقوق کا اعتراف

انسان کی ضروریات کو روٹی، کپڑا اور مکان کے ذریعہ حل نہیں کیا جاسکتا، ایک گھوڑے اور کبوتر کو تو ان چیزوں سے راضی کیا جاسکتا ہے لیکن انسان کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے جس طرح جسمانی عوامل مؤثر ہیں نفسیاتی عوامل بھی مؤثر ہوسکتے ہیں۔

ممکن ہے کہ لوگوں کی مادی حوائج پورا کرانے میں ساری حکومتیں یکساں عمل کرتی ہوں۔ جب کہ لوگوں کی رضامندی حاصل کرنے میں سب یکساں نہیں ہوتی ہیں جس طرح ایک حکومت معاشرے کے تمام نفسیاتی مسائل وحوائج کو پورا کرتی ہے دوسری حکومت اس انداز سے پورا نہیں کرتی

وہ چیزیں کہ جن سے اکثر لوگوں کی خوشنودی کا تعلق ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ حکومت کا خود حکومت وعوام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ آیا رعایا یا عوام، غلام ومملوک اور خود مالک وصاحب اختیار ہے؟ یا یہ کہ رعایا حقدار ہے اور یہ لوگ فقط وکیل، امین اور نمائندہ؟ پہلی صورت میں ہر خدمت ایک طرح کی دیکھ بھال ہے کہ جیسے کسی ایک حیوان کا مالک اپنے حیوان کی خدمت اور دیکھ بھال کرتا ہے اور دوسری صورت میں ایک طرح کی خدمت شمار ہوگی کہ جس کو امین وصالح افراد انجام دیتے ہیں حکومت کا لوگوں کے واقعی حقوق کا اعتراف کرنا اور ایسا کوئی عمل انجام نہ دینا جس سے ان کے حق حاکمیت

Presented by www.ziaraat.com

کی نفی ہو، عوام کو مطمئن و راضی رکھنے کی پہلی شرط ہے ۔

کلیسہ اور حق حاکمیت کا مسئلہ

ہمیں معلوم ہے کہ دور حاضر میں یورپ میں مذہب کے خلاف ایک تحریک اٹھی کم و بیش اس کا اثر مسیحیت کے علاوہ دوسرے مذاہب پر بھی ہوا اس تحریک کا رجحان مادی تصور کی طرف تھا جب ہم اس کے اسباب و علل کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی حقوق کے نقطۂ نظر سے اس کی ایک علت کلیسائی تصورات و مفاہیم کی نارسائی ہے ارباب کلیسا اور بعض یورپین فلسفیوں نے ایک طرف خدا پر اعتقاد اور سیاسی حقوق کا سلب دوسری طرف استبدادی حکومتوں کے قیام کے درمیان ایک رابطہ استوار کیا نتیجہ میں ڈیموکریسی اور دینی حکومت کے ماورار لوگوں کی عوام پر حکومت کے درمیان ایک مثبت نوعیت کا رابطہ فرض کر لیا گیا ۔ یہ طے ہوا کہ یا تو ہم خدا کو تسلیم کریں اور یہ مانیں کہ حکومت کا حق اس کی طرف سے مخصوص بندوں کو تفویض کیا گیا ہے کہ جن میں کوئی امتیاز نہیں ہے یا خدا کی نفی کر دیں اور اپنے کو مختار و ذی حق سمجھیں ۔

مذہبی ماہر نفسیات کی نظر میں مذہب کی ترقی میں ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ مذہب کے ذمہ دار افراد مذہب اور فطری ضروریات میں ایک قسم کا تضاد پیدا کر دیتے ہیں خصوصاً جب یہ ضرورت عمومی افکار میں ظاہر ہو بالخصوص اس موقع پر جب کہ یورپ میں استبداد اور پھانسی وغیرہ کا سلسلہ انتہا کو پہونچا ہوا تھا اور لوگ اس فکر میں تھے کہ حاکمیت عوام سے مربوط ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

کلیسا یا اس کے طرف داروں کی طرف سے یہ فکر پیش کی گئی کہ لوگ حکومت کے مکلف ہیں لیکن اس میں ان کا کوئی حق نہیں ہے یہ بات آزادی طلب، ڈیموکریسی اور حکومت چاہنے والوں کو کلیسا بلکہ کلی طور پر دین اور خدا کے خلاف بھڑکانے میں کافی تھی۔

زمانۂ قدیم سے مشرق و مغرب کا یہی انداز فکر رہا ہے۔

ژان ژاک روسو اپنی کتاب قرارداد اجتماعی میں لکھتے ہیں پہلی صدی عیسوی کا یونانی حکیم فیلو نقل کرتا ہے کہ روم کا خونخوار (EMPEREUR) شہنشاہ کگولہ یہ کہتا تھا کہ جس طرح چرواہا فطری طور پر اپنے گلہ پر برتری رکھتے ہیں یعنی اس استدلال کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم کے رؤسا خدا کے مثل اور قوم کی مثال جانوروں کی سی ہے۔

دور حاضر میں اس قدیم فکر میں تبدیلی پیدا ہوگئی چوں کہ اس میں مذہبی اور خدائی رنگ ظاہر ہونے لگا لہذا احساسات کو مذہب کے خلاف بھڑکایا جانے لگا اور مصنف اپنی اسی کتاب "قرارداد اجتماعی" میں لکھتے ہیں کہ۔

گروسیوس ہالینڈ کا ایک سیاسی اور تاریخ نویس ہے کہ جس کی بود و باش لوئی کے تیرہویں حکمراں کے زمانہ میں پیرس میں تھی ـــــ اس نے ۱۶۲۵ء میں "حق جنگ و صلح" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے وہ اس بات کو قبول نہیں کرتا کہ حکومت

Presented by www.ziaraat.com

حکمرانی کا مقصد عوام کی آسائش و آرام کے لیے ہے وہ
اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے بطور مثال غلاموں
کی زندگیوں کو پیش کرتا ہے کہ غلام اپنے آقاؤں کی
راحت و آرام کے لئے امکانات فراہم کرتے ہیں
لیکن آقا اپنے غلاموں کی راحت و آرام کے لئے
کچھ نہیں کرتا۔

یہی نظریہ " ہوبز" کا بھی ہے۔ ان دونوں دانشمندوں کے مطابق بنی نوع انسان چند گروہوں سے مل کر تشکیل پائی ہے کہ جس میں ہر ایک کا ایک رئیس ہوتا ہے [1]

اسی طرح معروف دانشمند (ROSU) "روسو" کے نزدیک یہ حق جبری حق ہے (حق و طاقت) اور اس نے اس استدلال کا جواب یوں دیا ہے۔

ساری طاقت و قدرت خدا کی طرف سے ہے
اسی نے طاقتوروں کو بھیجا ہے لیکن اسکا مطلب
یہ نہیں کہ ہم طاقتوروں سے مقابلہ نہ کریں، ساری
بیماریاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں لیکن اس کے یہ
معنی نہیں ہیں کہ طبیب اور ڈاکٹروں سے پرہیز
کریں۔
اگر مجھ پر جنگل میں کوئی چور حملہ کر دے تو آیا یہ بات صحیح

---

1 قرارداد اجتماعی صفحہ ۳۷ - ۳۸

Presented by www.ziaraat.com

ہے کہ میں اس کے سامنے تسلیم خم کر کے اپنی ساری پونجی اس کے حوالہ کر دوں یا اس کا مقابلہ کر کے اپنا دفاع کروں کیا یہ صحیح ہے کہ اپنے پیسوں کو چھپا سکتا ہوں پھر بھی اسے دیدوں ۔

ایسے نازک موقع پر چور کے مقابلہ میں میرا کیا ردعمل ہونا چاہیئے ؟ [1]

مندرجہ بالا عبارت میں "ہوبز" کے نظریہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ہرچند وہ اپنی استبدادی منطق میں خداوند عالم کا معتقد نہیں ہے اور سیاسی حقوق کے بارے میں اس کا بنیادی فلسفی نظریہ یہ ہے کہ حکمران ، لوگوں کا منتخب کیا ہوا ہے یعنی وہ جو کام بھی کرتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے خود لوگوں نے انجام دیا ہو لیکن اس کے نظریہ میں ذرا سا غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی کلیسا کے افکار سے متاثر ہے "ہوبز" اس بات کا مدعی ہے کہ فردی آزادی اور حکمران کی نامحدود طاقت میں کوئی منافات نہیں ہے ۔

وہ کہتا ہے :-

یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ اس آزادی کا وجود (آزادئ فرد کا خود سے دفاع) حکمرانوں کی قدرت کو لوگوں کی جان و مال سے یا تو بالکل سے ختم کردیگا یا پھر ان کی طاقت کو گھٹا دے گا اس لئے کہ عوام سے

---

[1] قرارداد اجتماعی صفحہ ۴۰ اور کتاب آزادی فرد و قدرت دولت تالیف ڈاکٹر محمود صناعی صفحہ ۴۰،۵

Presented by www.ziaraat.com

حکمراں کے سلوک کو ظلم و ستم سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا

کیونکہ حکمراں کے کسی بھی کام کو ظلم نہیں کہا جاسکتا ہے[1]

کیونکہ حکمراں ، لوگوں کا منتخب کیا ہوا ہے وہ جو کام

بھی کرتا ہے گویا ایسا ہے کہ خود لوگوں نے انجام دیا

ہے (اسے تمام حقوق حاصل ہیں) وہ تمام حقوق

کا مالک ہے اس کی طاقت میں اگر کسی قسم کی کوئی حد

پائی جاتی ہے تو وہ صرف اس لحاظ سے ہے

کہ وہ بندۂ خدا ہے لہذا فطری قوانین کا لحاظ کرے

ممکن ہے اور اکثر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جب

حکمراں کسی فرد کو تباہ کرے گا تو اسے ظلم نہیں کہا جائیگا

مثلاً یفتاح[2] اپنی لڑکی کی قربانی کا باعث ہوا تو

ایسے موقع پر ہر وہ شخص جو اس قسم کی چیزوں میں مبتلا

ہوگا اسے اپنے کام میں پوری آزادی ہے چاہے

---

[1] یعنی ان کا ہر کام عین عدالت ہے ۔

[2] یفتاح بنی اسرائیل کا ایک قاضی ہے جس نے کسی جنگ میں نذر کی تھی کہ اگر خداوند اسے اس جنگ میں غالب کرے گا تو جنگ سے واپسی پر سب سے پہلے ملاقات ہونے والے شخص کو خدا کی قربانی کے لئے جلا ڈالے گا ، اتفاق سے سب سے پہلے اپنی ہی لڑکی سے ملاقات ہو جاتی ہے اور یفتاح اپنی لڑکی کو جلا ڈالتا ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

انجام دے یا نہ دے ، یہی حکم اس حکمراں کا بھی ہے
جو لوگوں کو بے گناہ قتل کرتا ہے، اگر چہ اس کا یہ عمل قانونِ
فطرت و عدالت کے خلاف ہے مثلاً "اوریا" کا
"داؤد" کے ہاتھوں قتل ہونا ایسا ہی تھا یعنی اوریاہ
پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوا ، بلکہ ظلم خدا پر ہوا ہے [1]

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان فلسفوں میں خداوند عالم کی مسئولیت کو لوگوں کی مسئولیت کے سلب ہونے کا سبب قرار دیا گیا ہے نیز احکام و فرائض خداوندی کی انجام دہی کو کافی سمجھا گیا ہے اس لئے لوگوں کو کوئی حق نہیں ہے جو کچھ حکمراں انجام دیتا ہے وہی عدالت ہے اور اس کی طرف ظلم کی نسبت دینا بے معنیٰ ہے ۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ حق اللہ کو حق الناس کی تباہی و بربادی کا باعث فرض کیا گیا ہے ۔ اس بات سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ "ہوبز" اگر چہ ظاہر بظاہر ایک فلسفی اور آزاد فکر انسان ہے اور کلیسائی افکار اس پر مسلط بھی نہیں ہیں لیکن اگر اس کے ذہن میں کلیسائی فکریں راسخ نہ ہوتیں تو ایسا نظریہ کبھی بھی پیش نہ کرتا بہر حال یہ فلسفے اسی کی حکایت کرتے ہیں کہ عقیدہ ربوبیت عدالت و حقوق الناس کا پشت پناہ نہیں ہے ۔

اگر چہ یہ حقیقت ہے کہ عقیدہ خدا شناسی ہی حقوق الناس اور عدالت کا مخزن و سرچشمہ ہے اور تنہا وجود خدا کو قبول کر کے ہی ذاتی حقوق اور عدالت واقعی کو دو مستقل حقیقت کے عنوان سے قبول کیا جا سکتا ہے ۔

---

[1] آزادی فرد قدرت صفحہ ۷۸

Presented by www.ziaraat.com

مزید برآں یہی تصور ذریعۂ نفاذ قانون بھی ہے۔

منطق نہج البلاغہ

نہج البلاغہ کی منطق حق و عدالت کے سلسلے میں اسی نہج پر ہے بطور نمونہ خطبہ نمبر ۲۱۴ میں اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں :-

اما بعد فقد جعل اللہ لی علیکم حقا بولایۃ امرکم ولکم علیّ من الحق مثل الذی لی علیکم فالحق اوسع الاشیاء فی التواصف واضیقھا فی التناصف لا یجری لاحد الاجری علیہ ولا یجری علیہ الاجری لہ۔

(حمد الٰہی کے بعد) خداوند کریم تمہارے معاملات کا اختیار دے کر تمہارے اوپر میرا حق مقرر کر رہا ہے اور جس طرح تم پر میرا حق ہے اسی طرح مجھ پر بھی تمہارا حق ہے یوں تو گنوانے کے لئے آپس میں حق و انصاف کا میدان کافی وسیع ہے لیکن آپس میں حق و انصاف پر عمل کرنے کا دائرہ تنگ ہے دو آدمیوں کے درمیان ایک کا دوسرے

Presented by www.ziaraat.com

پر حق اس وقت ہوتا ہے جب دوسرے کا حق اس
پر ہو اور دوسرے کا حق اس پر اسی وقت ہو سکتا
ہے جب اس کا حق دوسرے پر ہو۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ اس خطبے میں صرف خدا حق و عدالت اور فرائض کو بیان کیا گیا ہے لیکن ایسا نہیں کہ خدا نے بعض لوگوں کو کل حق و اختیار دیئے ہوں اور فقط اپنی ذات کو ان کا باز پرس قرار دیا ہو اور کچھ کو بالکل حق سے محروم کر کے اپنے اور اپنے حکمرانوں کے حضور میں جواب دہ بنایا ہو اگر ایسا ہی ہے تو پھر حاکم محکوم کے درمیان عدل و ظلم کا کوئی مفہوم نہیں رہے گا۔

اور اسی خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ولیس امرؤ وان عظمت فی الحق منزلته وتقدمت
فی الدین فضیلته بفوق ان یعان علی ما حمّله
اللّٰہ من حقه ولا امرؤ وان صغّرته النفوس
واقتحمته العیون بدون ان یعین علی ذالک
او یعان علیه"

کوئی بھی شخص راہ حق میں کتنا ہی بلند مقام
کیوں نہ پائے اور خدمت دین میں اسے کتنی ہی فضیلت
کیوں نہ حاصل ہو جائے مگر وہ بہرحال یہ حق نہیں
رکھتا کہ خدا کے مقرر کئے ہوئے حقوق سے زیادہ
کے لیے اس کی امداد کی جائے اور ایسا بھی نہیں ہونا
چاہیئے کہ جو شخص لوگوں میں کتنا ہی بے وقار

Presented by www.ziaraat.com

اور نظروں میں گرا ہوا ہو وہ اس معاملہ میں مدد کرنے یا اس کی مدد کی جانے سے محروم کر دیا جائے

اور نیز اسی خطبہ میں ارشاد ہے کہ :۔

" فلا تکلمونی بما تکلم به الجبابرة ولا تتحفظوا منی بما یتحفظ عند اهل البادرة ولا تخالطونی بالمصانعة ولا تظنوا بی استثقالاً فی حق قیل لی ولا التماس اعظام لنفسی فانه من استثقل الحق ان یقال له او العدل ان یعرض علیه کان العمل بهما اثقل علیه فلا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل۔

مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کرو جیسی جابر وظالم بادشاہوں سے کی جاتی ہیں اور مجھ سے اس طرح جان بچانے کی باتیں نہ کرو جیسے غصہ میں آجانے والے حاکموں سے بچاؤ کی باتیں کی جاتی ہیں اور مجھ سے بناوٹ کا میل جول بھی نہ رکھو جس سے چاپلوسی کا پہلو نکلتا ہو اور نہ یہ خیال کرو کہ اگر میرے سامنے کوئی حق کی بات کہی جائے گی تو مجھے گراں گزرے گی نہ یہ میں اپنی برتری منوانے کی درخواست کروں گا کیوں کہ جو شخص حق بات کہی جانے اور عدل کے پیش کئے جانے کو گراں

Presented by www.ziaraat.com

سمجھتا ہو اسے حق و انصاف پر عمل کرنا کہیں زیادہ دشوار ہو گا۔ لہذا تم مجھ سے حق بات کہنے اور مشورہ دینے میں پہلو تہی نہ کرو۔

Presented by www.ziaraat.com

حکمراں امانت دار ہیں

گزشتہ فصل میں ہم کہہ چکے ہیں کہ دور حاضر میں جو گمراہ کن اور خطرناک افکار کے وہ یورپ (EUROP) کے بعض مفکرین کی پیداوار ہیں ان کا لوگوں کو مادی فلسفہ (MATERIALISME) کی طرف مائل کرنے میں بہت بڑا ہاتھ ہے اس طرح سے ایک طرف تو خدا پر ایمان اور دوسری طرف لوگوں سے حق حاکمیت کو سلب کرنے میں مصنوعی رابطہ برقرار ہوا۔ خدائی ذمہ داریوں کا لازمہ لوگوں کے مقابل میں ذمہ دار نہ ہونا فرض ہوا اور حق اللہ حق الناس کا جانشین بنا۔ ایمان اور خدا کے اعتقاد نے بجائے اس کے کہ دنیا کو حق و عدالت پر استوار کیا ذاتی و فطری حقوق کی پشت پناہی بنیاد قرار پائے، بالکل اس کی ضد کے عنوان سے پہچانا گیا اور فطرتاً قومی حق حاکمیت بے دینی کے مساوی ہو گیا۔

اسلام کا نظریہ اس فکر کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ نہج البلاغہ جو اس وقت ہماری بحث کا موضوع ہے اور یہ مقدس کتاب، ہر چیز سے پہلے فقط ایک توحیدی و عرفانی کتاب ہے اس میں ساری بخشیں خدا کے بارے میں ہیں، اور جگہ جگہ خدا کا نام ملتا ہے لوگوں کے اصل اور واقعی حقوق کے

Presented by www.ziaraat.com

بارے میں اور لوگوں کا حکمراں کے ساتھ کیا برتاؤ اور رویہ ہونا چاہیئے اور حکمراں کے مرتبہ و مقام حقیقی کے بارے میں ہے کہ حکمراں صرف لوگوں کے حقوق کے امانتدار اور محافظ ہیں اس قسم کے مسائل سے بھی غفلت نہیں کی گئی ہے بلکہ ان کی طرف توجہ دی گئی ہے اس مقدس کتاب کی منطق کے لحاظ سے امام اور حکمراں لوگوں کے حقوق کا امین و پاسباں اور لوگوں کا جواب دہ ہے اگر یہ طے ہے کہ عوام و حکمراں دونوں ایک دوسرے کے لیۓ ہیں تو حکمراں عوام کے لیۓ ہے نہ کہ عوام حکمراں کے لیۓ اس چیز کو بیان کرتے ہوئے سعدی نے یوں کہا ہے

گوسفند از برای چوپان نیست
بلکہ چوپان برای خدمت اوست

ترجمہ: بھیڑیں چرواہے کی خدمت کے لیۓ نہیں بلکہ چرواہا بھیڑوں کی دیکھ بھال کے لیۓ ہے۔

"رعیت" کا لفظ جو فارسی زبان میں بتدریج نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ہے وہ بہترین اور انسانی مفہوم رکھتا ہے سب سے پہلے کلمات پیغمبر میں لفظ (راعی) حکمراں اور (رعیت) عوام کے لیۓ استعمال ہوا ہے اس کے بعد ہم کلمات علیؑ میں اس کا بہت زیادہ استعمال دیکھتے ہیں۔

اس لفظ کا مادہ "رعی" ہے جس کے معنیٰ محافظت اور نگہبانی کے ہیں لوگوں کو (رعیت) اس لیۓ کہا جاتا ہے کہ حکمراں ان کی جان و مال حقوق اور آزادی کے محافظ و نگہباں ہیں

اس لفظ کے مفہوم کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ سے ایک جامع حدیث

Presented by www.ziaraat.com

وارد ہوئی ہے ۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :۔

"کلکم راع وکلکم مسئول؛ فالامام راع وھو مسئول
والمرأة راعیة علی بیت زوجھا وھی مسئولة
والعبد راع علی مال سیدہ وھو مسئول الا
فکلکم راع وکلکم مسئول " ۔ [1]

تم میں سے ہر ایک نگہبان اور جواب دہ ہے اور
امام و پیشوا لوگوں کا نگہبان اور جواب دہ ہے ،
عورت اپنے شوہر کے گھر کی جواب دہ اور نگہبان
ہے ،غلام اپنے مولا و آقا کے مال کا نگہبان اور
جواب دہ ہے ، آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک
نگہبان اور جواب دہ ہے ۔

گزشتہ فصل میں ہم عوام کے حقوق کے بارے میں ایسے چند نمونے نہج البلاغہ سے پیش کر چکے ہیں کہ جو مولائے کائنات کے موقف کو واضح کر رہے ہیں اب چند دیگر نمونوں کو قرآن مجید سے بطور مقدمہ پیش کر رہے ہیں :

سورۂ مبارکہ " النساء " آیت نمبر ۵۸ میں ہے ۔

" ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا
واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل "

---

[1] صحیح بخاری ، جلد ۷ کتاب النکاح

Presented by www.ziaraat.com

خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتوں کو اس کے
اہل کے حوالہ کردو اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں
کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔
طبرسی (رح) مجمع البیان میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔
کہ اس آیت کے معنی کے سلسلہ میں کئی اقوال ہیں، ایک
یہ ہے کہ امانت سے مراد مطلق امانت ہے یعنی خواہ
امانت الٰہی ہو یا غیر الٰہی اس کا تعلق مال سے ہو یا غیر مال
سے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت سے حکمراں
افراد مراد ہیں یا یوں کہا جائے کہ خدا نے
امانت کی ادائیگی کے وجوب کے ذریعہ حکمرانوں کو حکم
دیا ہے کہ لوگوں کے حقوق کی مراعات کریں۔
اس کے بعد فرماتے ہیں:۔
اور اس معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔
یاایھاالذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و
اولی الامر منکم [1]
اس آیت میں لوگوں کی ذمہ داری صرف اتنی ہے
کہ خدا، رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کریں
پہلی والی آیت میں لوگوں کے حقوق اور اس آیت

---

[1] سورہ مبارکہ (النساء)

Presented by www.ziaraat.com

میں صاحبان امر کے حقوق کا تذکرہ ہوا ہے ائمہ علیہم السلام

سے روایت کی گئی ہے کہ ان دو آیتوں میں سے ایک

آیت ہمارے لئے ہے (یعنی تم پر ہمارے حقوق کا

بیان ہے) اور دوسری آیت تمہارے لئے ہے (یعنی

ہم پر تمہارے حقوق کا بیان ہے) ------

امام باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ من جملہ امانتوں

میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی ہے اور

من جملہ امانتوں میں سے ایک امانت یہ ہے کہ صاحبان

امر کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ صدقات، اور مال

غنیمت وغیرہ لوگوں میں تقسیم کریں "

تفسیر المیزان میں بھی اس آیت کے ذیل میں روائی بحث کے ذیل میں کتاب

در المنثور سے مولا امیر المومنینؑ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

"حق علے الامام ان یحکم بما انزل اللّٰہ وان یؤدی

الامانۃ، فاذا فعل ذالک فحق علے النّاس ان یسمعوا

اللّٰہ وان یطیعوا وان یجیبوا اذا دعوا"

امام پر لازم ہے کہ لوگوں میں خداوند عالم کے دستورات کے مطابق

حکومت کرے اور خدا کی عطا کی ہوئی امانتوں کو (حق دار تک)

پہونچا دے، اگر مذکورہ بالا صفات امام میں پائے جائیں تو پھر لوگوں

پر واجب ہے کہ اس کے فرمان کو سنیں اور اس کی اطاعت اور

دعوت کو قبول کریں ۔

Presented by www.ziaraat.com

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ:۔

قرآن نے معاشرہ کے حاکم و سرپرست کو کہ جس کو امانت دی جائے اور وہ اس کو پہنچا دے "امین" اور "نگہبان" بنایا ہے اس سلسلہ میں قرآن کی منطق سے آشنا ہونے کے بعد اب نہج البلاغہ سے بھی چند نمونہ پیش کرتے ہیں سب سے پہلے ان خطوط کو پیش کرتے ہیں جو مولا نے گورنروں کو لکھے ہیں خصوصاً جن خطوط میں احکامات صادر فرمائے ہیں ان خطوط میں عوام اور ان کے حقوق کے مقابلہ میں حکمراں اور ان کی ذمہ داریوں کو بیان کیا ہے ۔

آپؑ آذربائیجان کے گورنر (اشعث بن قیس) کے نام خط تحریر فرماتے ہیں:۔

"وان عملك ليس لك بطعمة ولكنه فی عنقك امانة وانت مسترعیٰ لمن فوقك ليس لك ان تفتات فی رعيته ...[1]

تمہارا عہدہ (گورنری) تمہاری جاگیر نہیں ہے کہ ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی درحقیقت یہ ایک امانت ہے، جو تمہاری گردن کا پھندا ہے اور تمہارے حاکم بالادست تم سے لوگوں کے حقوق کی حفاظت و رعایت کے خواہاں ہیں، تمہیں، یہ اختیار حاصل نہیں کہ رعیت میں من مانی کرتے پھرو،

---

[1] نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۵ ۔

Presented by www.ziaraat.com

حضرت علیؑ عاملین خراج "کے نام خط میں مختصر وعظ و نصیحت کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :۔

" فانصفوا الناس من انفسکم واصبروا لحوائجهم فانکم خزّان الرعیه ووکلاء الامة وسفراء الائمة"[1]

اپنی طرف سے لوگوں کو انصاف مہیا کرو اور ان کی ضروریات کی زیادتی پر صبر سے کام لو۔ اس لئے کہ تم رعیت کے خزانہ دار، امت کے وکیل اور ائمہ کے سفیر ہو ۔

مالک اشتر کے نام مشہور خط میں تحریر فرماتے ہیں ۔

" واشعر قلبك الرحمة للرعیة والمحبة لهم واللطف بهم ولا تکونن علیهم سبعاً ضاریاً تغتنم اکلهم، فانهم صنفان، اما اخ لك فی الدین او نظیر لك فی الخلق "

رعیت کے لئے رحم، محبت اور مہربانی کو اپنے دل کا شعار بنالو، اور ان کے لئے خونخوار درندہ نہ بنو کہ انھیں کھا جانے کا موقع تلاش کرتے رہو کیونکہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں یا تو مسلمان ہیں جو تمہارے دینی بھائی ہیں، یا غیر مسلمان ہیں اور تمہاری ہی طرح مخلوق ہیں ۔۔۔۔

---

1 نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۵۱

Presented by www.ziaraat.com

"ولا تقولن انی مؤمر آمر فاطاع فان ذالك ادغال
فی القلب ومنهکة للدین وتقرب من الغیر ـ
اور کبھی یہ نہ کہنا کہ میں فرماں روا ہوں، جو حکم دوں فوراً
تعمیل ہو جائے، کیوں کہ ایسا کہنا دل میں بگاڑ کو راہ
دینے، دین میں کمزوری لانے اور حکومت کی
افراتفری کے قریب ہونے اور نعمت کے سلب ہونے
کے برابر ہے۔

آپ فوج کے اعلیٰ افسروں کے نام خط تحریر فرماتے ہیں:۔
"فان حقاً علی الوالی ان لا یغیره علی رعیته فضل ناله
ولا طول خص به وان یزیده ما قسم الله له
من نعمه دنواً من عباده وعطفاً علی اخوانه [1]
حکمراں پر (رعایا) کا ایک حق یہ ہے کہ رعایا پر
اسے جو فضیلت حاصل ہے، اور جو اقتدار اس سے
مخصوص کیا گیا ہے، وہ اس کا مزاج نہ بدل دے
دوسرے یہ کہ اللہ نے اسے اپنی نعمتوں کا جو حصہ تقسیم
کر دیا ہے وہ اسے بندگان خدا کے قریب
اور اپنے دینی بھائیوں پر مزید مہربان کر دے
حضرت علی علیہ السّلام کے خطوط میں لوگوں سے عدالت و مہربانی

---

1 نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۵

Presented by www.ziaraat.com

اور ان کے حقوق و شخصیات کے احترام کے بارے میں عجیب حساسیت پائی جاتی ہے واقعاً یہ ایک تعجب خیز نمونہ ہے۔

نہج البلاغہ میں "لمن یستعملہ علی الصدقات" کے عنوان سے آپؑ کی وصیت نقل ہوئی ہے۔ یعنی عاملین زکوۃ کے لئے ہدایات تحریر فرماتے ہیں عنوان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہدایات کسی سے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ تمام لوگوں کے لئے ہیں وہ ہدایات خواہ نوشتہ کی صورت میں ہوں یا لفظی تاکیدات کی شکل میں۔

سید رضی نے اس کو مکتوبات میں شامل کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ میں نے اس کو یہاں اس لئے بیان کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کس طرح حق و عدالت کو قائم کرتے تھے، اور ہر چھوٹے بڑے پیچیدہ اور کھلے معاملہ میں عدل کی راہیں کھول دیتے تھے:

وہ دستورات یہ ہیں:۔

اللہ وحدہ لاشریک لہ سے ڈرتے ہوئے چل
کھڑے ہو اور یاد رہے کسی مسلمان کو خوف زدہ
نہ کرنا[1] اور بدرفتاری سے پیش نہ آنا کہ وہ تم سے
نفرت کرے، اور اس کے مال میں جتنا حق بنتا ہے
اس سے زیادہ ہرگز نہیں لینا چنانچہ جب کسی
قبیلے کے ہاں جانے لگو، تو ان کے کنویں پر اترو
نہ یہ کہ ان کے گھروں میں گھستے پھرو

---

[1] فقط مسلمان کے بارے میں یہ دستور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ وغیرہ تنہا مسلمانوں ہی سے لیا جاتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

پورے سکون اور وقار کے ساتھ ان کی طرف چلو!
یہاں تک کہ جب ان کے درمیان کھڑے ہو جاؤ تو
سلام کہو اور ان پر درود بھیجو پھر (سلام) کے بعد
کہو، بندگان خدا مجھے، اللہ کے ولی اور خلیفہ نے
تمہارے پاس (اس لئے) بھیجا ہے کہ تمہارے مال
میں اللہ کا جتنا حق "بنتا" ہے وہ لوگوں سے وصول کروں
تو کیا تمہارے مال میں اللہ کا کچھ حق ہے یا نہیں ؟
اگر جواب میں کوئی کہے نہیں، تو اس سے دوبارہ مت
پوچھو، ان کی باتوں کو قبول اور ان کے قول کا احترام
کرو، اگر کوئی شخص مثبت جواب دے (یعنی کہے
ہاں) تو اس کے ساتھ ہو لو مگر اسے ڈرانا دھمکانا
نہیں، نہ اس پر تشدد کرنا نہ اس پر ناجائز دباؤ
ڈالنا وہ جس قدر سونا چاندی دے تم اسے لے لو۔ اگر
اس کی ملکیت میں (گائے بھیڑ بکری) یا اونٹ ہوں
تو ان کے گلوں میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ
ہونا کیوں کہ ان کے بڑے حصہ کا مالک تو وہی
ہے چنانچہ جب ان (جانوروں) کی جگہ تک پہنچ جاؤ تو
ان میں اس طرح داخل ہونا کہ کسی جانور کو چھیڑ کر
بھگانا اور ڈرانا نہیں [1]

---

[1] نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۲۵

Presented by www.ziaraat.com

تفصیلی (معلومات) کے لئے) پورے وصیت نامہ کا مطالعہ کریں۔

یہ بات سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا حکمران اور عوام
کے بارے میں کیا نظریہ تھا۔

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

حصہ پنجم

اہلبیتؑ اور خلافت

تین بنیادی مسائل ۔

عظمتِ اہلبیتؑ ۔

احقیت و اولویت ۔

نص اور وصیت ۔

لیاقت و فضیلت ۔

قرابت و نسب ۔ خلفاء پر تنقید ۔

ابو بکر ۔

عمر ۔

عثمان ۔

قتلِ عثمان میں معاویہ کا ماہرانہ کردار ۔

تلخ سکوت ۔

اتحاد اسلامی ۔

دو ممتاز موقف ۔

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

"اہلبیتؑ اور خلافت"

تین بنیادی مسائل

ہم گزشتہ چار مباحث میں "حکومت و عدالت" کے عنوان کے تحت مسئلہ حکومت اور اس کے اہم ترین فریضہ کے سلسلہ میں نہج البلاغہ کے نظریات کو بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم اس مسئلہ کا ذکر کر رہے ہیں کہ جس کا اس مقدس کتاب میں متعدد بار تذکرہ ہوا ہے اور وہ ہے مسئلہ اہل بیت اور خلافت" حکومت اور عدالت کے سلسلہ میں کل بحث کو مکمل کرنے کے بعد ضروری ہے کہ ہم اسی ذیل میں " بعد رسول خلافت" اور امت کے درمیان مقام آل محمد" کے بارے میں گفتگو کریں اس سلسلہ میں درج ذیل مسائل پر گفتگو ہوگی،

(الف) آل محمد کی امتیازی منزلت اور ان کی بلند مقامی، اور یہ کہ ان کے علوم و معارف کا سرچشمہ مافوق بشر ہے نہ آل محمد کو کسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کا آل محمد سے تقابل کیا جا سکتا ہے

(ب) اہل بیتؑ من جملہ امیرالمومنینؑ خلافت کے سب سے بڑے حقدار تھے وصیت نبیؐ کے لحاظ سے بھی لیاقت، فضیلت اور قرابت کے اعتبار سے بھی۔

(ج) خلفاء پر تنقید۔

Presented by www.ziaraat.com

(د) مولائے کائنات کی اپنے مسلم حق سے چشم پوشی کا فلسفہ اور آپ کے حقوق، کی حد کہ جس سے نہ آپ نے تجاوز کیا، نہ ہی تنقید واعتراض سے گریز کیا۔

عظمت اہل بیت ؑ

" موضع سرہ ولجاءامرہ وعیبة علمه وموئل حکمه وکھوف کتبه، وجبال دینه، بھما اقام انحناء ظھرہ واذھب ارتعاد فرائصه ۔۔۔ لایقاس بآل محمد صلی اللہ علیه وآله من ھذہ الامة احد ولایسوی بھم من جرت نعمتھم علیه ابدا ھم اساس الدین و عماد الیقین، الیھم یفئ الغالی وبھم یلحق التالی ولھم خصائص حق الولایة وفیھم الوصیة والوراثة. الآن اذ رجع الحق الی اھله ونقل الی منتقله " [1]

سر الٰہی کے امین اور اس کے دین کی پناہ گاہ ہیں علم خدا کے مخزن اور حکمتوں کے مرجع ہیں کتب آسمانی کی گھاٹیاں اور دین کے پہاڑ ہیں انہیں کے ذریعہ اللہ نے اس کی پشت کا خم سیدھا کیا اور اس کے

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۲

Presented by www.ziaraat.com

پہلوؤں سے ضعف اور لچکپ دور کی ...... امت نبی ؐ
کے کسی فرد پر آل محمدؐ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا جو لوگ
ان کے ٹکڑوں پر پلے ہیں وہ آل محمدؐ کے ہم پلہ نہیں
ہو سکتے وہ دین کی اساس و بنیاد اور علم و یقین کے محکم
ستون ہیں ۔ راہ افراط و غلو پر گامزن افراد پیچھے آئیں
اور حد تفریط میں مبتلا انسان تیز قدم بڑھائیں اور
آل محمدؐ کے ساتھ ہو جائیں اور مسلمین کی ولایت کے
شرائط انہیں میں جمع ہیں پیغمبر نے انہیں کے لیے
صاف صاف ارشاد فرمایا ہے یہی کمالات نبوی کے
وارث ہیں اب حق اپنے وارث حقیقی تک پہنچ گیا
ہے اور اپنی جائے گاہ حقیقی کو پا گیا ہے ۔

ان چند جملوں سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آل محمدؐ روحانیت و معنویت کی اس منزل پر فائز تھے کہ جو عام انسانوں کی سطح سے بلند ہے ایسی سطح کے افراد کا کسی سے تقابل کرنا بالکل اسی طرح غلط ہے جس طرح مسئلہ نبوت میں عام انسانوں کا پیغمبران الٰہی سے موازنہ و تقابل غلط ہے خلافت کے مسئلہ میں باعظمت شخصیت کے ہوتے ہوئے دوسروں کے بارے میں سوچنا لغو ہے ۔

" نحن شجرة النبوة ومحط الرسالة ومختلف
الملائكة ومعادن العلم وينابيع الحكم [1]

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۷

Presented by www.ziaraat.com

ہم شجرۂ نبوت۔ منزل رسالت۔ فرودگاہ ملائکہ معدن علم اور سرچشمہ حکمت ہیں۔

"این الّذین زعموا انھم الرّاسخون فی العلم دوننا، کذباً و بغیاً علینا ان رفعنا اللہ و وضعھم واعطانا وحرمھم وادخلنا واخرجھم بنا یستعطی الھدیٰ ویستجلی العمیٰ انّ الائمۃ من قریش غرسوا فی ھذا البطن من ھاشم لا تصلح علی سواھم ولا تصلح الولاۃ من غیرھم 1"

وہ لوگ کہاں ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں اور حسد کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ راسخون فی العلم وہ ہیں نہ کہ ہم۔ بے شک اللہ نے ہم کو بلند کیا انھیں گرایا ہمیں منصب امامت سے نوازا انہیں محروم رکھا اور ہمیں (منزل علم میں) داخل کیا اور انہیں دور کیا اور ہم ہی سے ہدایت کی طلب اور ہم سے ہی تاریکی و ضلالت کو چھانٹنے کی خواہش کی جا سکتی ہے بے شک امام قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کی کشت زار سے ابھریں گے نہ امامت کسی اور کو زیب دیتی ہے اور نہ

---

1 نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۲

Presented by www.ziaraat.com

کوئی ان کے علاوہ اس کا اہل ہو سکتا ہے ۔

" نحن الشعار والاصحاب والخزنة والابواب لا توتی البیوت الامن ابوابها فمن اتاها من غیرابوابها سمی سارقا [1]

ہم ہی پرچم اسلام ۔ خاص ساتھی ۔ خزانہ دار اور دروازہ اسلام ہیں ۔ گھروں میں دروازے سے داخل ہوا جاتا ہے ۔ غلط طریقہ سے (دیوار پھاند کر) آنے والا چور کہلاتا ہے

" فیهم کرائم القرآن وهم کنوز الرحمن، ان نطقوا صدقوا وان صمتوا لم یسبقوا " [2]

قرآن کی نفیس آیات انہیں کی مدح سرائی میں نازل ہوئی ہیں وہ خدائے رحمان کے خزینے ہیں جب لب کشائی کرتے ہیں تو سچ بولتے ہیں اور اگر خاموش رہتے ہیں تو کوئی ان پر سبقت نہیں کرتا ۔

"هم عیش العلم وموت الجهل ، یخبرکم حلمهم عن علمهم وظاهرهم عن باطنهم وصمتهم عن حکم منطقهم لا یخالفون الحق ولا یختلفون فیه هم دعائم الاسلام وولائج الاعتصام بهم عاد الحق

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۲ [2] نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۲

Presented by www.ziaraat.com

فی نصابہ وانزاح الباطل عن مقامہ، وانقطع
لسانہ عن منبتہ عقلوا الدین عقل رعایۃ ووعایۃ
لا عقل سماع ورروایۃ، فان رواۃ العلم کثیر و
رعاتہ قلیل [1]

وہ علم کے لیے باعث حیات اور جہل کے لیے سبب
مرگ ہیں۔ ان کا حلم ان کے علم کا اور ان کا ظاہر ان کے
باطن کا اور ان کا سکوت ان کے کلام کی حکمتوں کا پتہ
دیتا ہے نہ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس میں
اختلاف پیدا کرتے ہیں وہ اسلام کے ستون اور
محافظ ہیں۔ ان کی وجہ سے حق اپنے اصلی مقام
پر پلٹا اور باطل اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اور اس کی
زبان جڑ سے کٹ گئی انھوں نے دین کو سمجھا اور
پہچانا ہے اور اس پر عمل کیا ہے نہ کہ طوطے کی
طرح صرف سن کر اس کو یاد کیا اور اس پر عمل پیرا ہو
کر اس کی نگہداشت کرنے والے کم ہیں۔

نہج البلاغہ میں کلمات قصار کے ضمن میں ایک واقعہ نقل ہوا ہے کہ کمیل بن زیاد
نخعی فرماتے ہیں: امیرالمومنینؑ نے (اپنے زمانہ خلافت میں قیام کوفہ کے درمیان)
مجھے ساتھ لیا ہم لوگ شہر سے باہر قبرستان کی طرف نکل گئے جب شہر سے دور

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۲۳۶

Presented by www.ziaraat.com

سناٹے میں پہنچے تو امام نے ایک سرد آہ بھری اور گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اپنی گفتگو کی ابتدا میں فرمایا : اے کمیل ابن آدم کے دل ظرف کی مانند ہیں اور بہترین ظرف وہی ہے جو بہترین مظروف کی اچھی طرح حفاظت کر سکے پس جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں اسے محفوظ کر لو۔

مولائے کائنات نے اپنی اس گفتگو میں کہ جو تھوڑی مفصل بھی ہے فرمایا کہ راہ حق کی پیروی کرنے والے انسان تین طرح کے ہوتے ہیں ۔ اور اس کے بعد آپ نے اپنی تپش دل اور گھٹن کا شکوہ ان الفاظ میں فرمایا کہ آج ایسے افراد نہیں ہیں کہ میں اس سینہ میں محفوظ رموز و اسرار کے عظیم ذخیرہ ان افراد کے حوالہ کر سکوں لیکن اختتام گفتگو میں فرماتے ہیں البتہ ایسا نہیں کہ علیؑ جن کی آرزو رکھتا ہے زمین خدا ان افراد سے بالکل خالی ہو گئی ہے نہیں ایسا ہرگز نہیں ہر عہد میں ایسے افراد رہے ہیں اگرچہ ان کی تعداد کم رہی ہے ۔

" اللھم بلی لا تخلو الارض من قائم للہ بحجۃ اما
ظاھراً مشھوراً و اما خائفاً مغموراً، لئلا تبطل
حجج اللہ و بیناتہ . وکم ذا ؟ واین اولئک ؟ اولئک
واللہ الاقلون عدداً والاعظمون عند اللہ قدراً
یحفظ اللہ بھم حججہ و بیناتہ حتی یودعوھا
نظرائھم ویزرعوھا فی قلوب اشباھھم ھجم
بھم العلم علی حقیقۃ البصیرۃ، وباشروا روح
الیقین، واستلانوا ما استوعرہ المترفون، وانسوا بما
استوحش منہ الجاھلون وصحبوا الدنیا بابدان

Presented by www.ziaraat.com

ارواحها معلقة بالمحل الاعلیٰ اولٰئک خلفاء اللّٰہ فی

ارضه والدعاة الی دینه، آہ آہ شوقاً الی

رؤیتهم[1]"

ہاں! مگر زمین ایسی فرد سے خالی نہیں رہتی کہ جو خدا کی حجت کو برقرار رکھتا ہے چاہے وہ ظاہر و مشہور ہو یا خائف و پنہاں۔ تاکہ اللہ کی نشانیاں مٹنے نہ پائیں وہ ہیں ہی کتنے؟ کہاں ہیں؟ خدا کی قسم وہ بہت تھوڑے ہیں لیکن اللہ کے نزدیک قدر و منزلت میں بہت بلند ہیں۔ خداوند عالم ان کے ذریعہ اپنی حجتوں اور نشانیوں کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے جیسوں کے سپرد کر دیں اور اپنے جیسوں کے دل میں بو دیں۔ علم نے انہیں ایک دم حقیقت و بصیرت کے انکشافات تک پہونچا دیا ہے وہ یقین و اعتماد کی روح سے گھل مل گئے ہیں اور ان چیزوں کو جنہیں آرام پسند افراد نے دشوار سمجھا ہے اپنے لئے سہل و آسان سمجھ لیا ہے جو چیزیں جاہلوں کے لئے سبب خوف و وحشت ہیں وہ ان لوگوں کے لئے باعث عشق و محبت ہیں

---

1. نہج البلاغہ حکمت۔ ۱۴۷

Presented by www.ziaraat.com

وہ ایسے جسموں کے ساتھ دنیا میں رہتے ہیں کہ جن کی
ارواح ملاء اعلیٰ سے وابستہ ہیں یہی تو وہ لوگ ہیں
جو زمین میں اللہ کے نائب اور اس کے دین کی طرف
دعوت دیتے ہیں آہ آہ میں ان کے دیدار کی آرزو
لئے بیٹھا ہوں ۔

ان جملوں میں اشارتاً بھی اہل بیتؑ کا نام نہیں لیا گیا لیکن نہج البلاغہ میں دوسرے مقامات پر اسی سے ملتے جلتے جو جملے اہل بیتؑ کے بارے میں موجود ہیں ان میں غور و فکر کرنے سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ان جملوں سے مراد آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں

نہج البلاغہ سے ہم نے جو مطالب اس بحث میں ذکر کئے ہیں ان سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نہج البلاغہ میں جہاں خلافت اور ، سیاسی امور میں مسلمانوں کی رہبری ، کے مسئلہ کا ذکر ہے وہیں مسئلہ امامت ایک خاص مفہوم کے ساتھ کہ جس کو شیعہ " حجت " کہتے ہیں بیان ہوا ہے ۔ اور اس پر سیر حاصل بحث ہوئی ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

احقیّت و اولویّت

گزشتہ فصل میں ہم نے "اس سلسلہ میں کہ "اہل بیتؑ امتیازی حیثیت کے مالک ہیں آل محمدؐ کے علوم و معارف کا سرچشمہ ما فوق بشر ہے اور ان کا دوسرے افراد سے تقابل غلط ہے" نہج البلاغہ کی چند عبارتوں کو نقل کیا ہے۔ اس فصل میں ہم بحث کا دوسرا جزو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں یعنی وہ عبارتیں کہ جو آل محمدؐ کے سب سے زیادہ حق دار ہونے کے سلسلہ میں ہیں بلکہ اہل بیتؑ کے خاص حقوق خصوصاً امیر المومنین کے خاص حق کے سلسلہ میں چند عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

نہج البلاغہ میں اس بارے میں تین طریقوں سے استدلال کیا گیا ہے رسول خداؐ کی نص اور وصیت دوسرے حضرت علیؑ کی لیاقت اور یہ کہ لباس خلافت آپ ہی کے جسم پر زیب دیتا ہے تیسرے رسولؐ خدا سے نسبی اور روحی رشتہ۔

نص اور وصیّت

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نہج البلاغہ میں مسئلہ نص کی طرف کہیں بھی اشارہ نہیں ہوا ہے ہاں اس بات کی طرف ضرور اشارہ ملتا ہے کہ آپ میں خلافت کی صلاحیت و لیاقت موجود تھی جب کہ یہ خیال خام ہے اس لئے کہ اول تو نہج البلاغہ کے خطبہ ۲

Presented by www.ziaraat.com

دوم یہ، کہ جس کو ہم گزشتہ فصل میں بیان کر چکے ہیں، حضرت علیؑ صراحتاً اہل بیتؑ کے لئے یہ فرماتے ہیں۔

وفیھم الوصیۃ والوراثۃ ۔ رسول خدا نے انہیں کے لئے وصیت کی ہے اور یہی وارث رسول ہیں۔

ثانیاً یہ کہ مولائے کائنات متعدد موقعوں پر اپنے حق کے لئے اس طرح فرماتے ہیں کہ جس کے بعد حق خلافت کے بارے میں آپ کے لئے پیغمبرؐ کی نص اور تعین قابل توجہ نہیں رہ جاتی ہے ان جگہوں پر مولائے کائنات یہ نہیں فرماتے کہ کیوں مجھے جامع الشرائط اور باصلاحیت ہونے کے باوجود برکنار کردیا اور دوسروں کو میری جگہ بٹھا دیا بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ میرا مسلم حق مجھ سے چھین لیا ظاہر ہے کہ یہ صرف نص اور رسولؐ کی طرف سے خلافت پر منصوب ہونے کی وجہ سے ہی کہا جاسکتا ہے کہ خلافت میرا مسلم حق ہے کیونکہ صلاحیت اور لیاقت "حق بالقوہ" کو وجود دیتی ہیں نہ کہ حق بالفعل کو اور بالقوہ کے مورد میں یہ بات کہنا صحیح نہیں ہے کہ میرا قطعی اور مسلم حق مجھ سے چھین لیا اب ہم چند ایسے مواقع کو قلم بند کرتے ہیں کہ جہاں علیؑ نے خلافت کو اپنا مسلم حق بتایا ہے من جملہ خطبہ نمبر ۶ میں کہ جو آپ نے اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں اس وقت دیا تھا جب آپ طلحہ زبیر اور عائشہ کی شرانگیزیوں سے باخبر ہوئے اور ان کی شورشوں کو کچلنے کا عزم مصمم کیا چنانچہ حالاتِ زمانہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"فواللہ مازلت مدفوعاً عن حقی مستأثراً
علیّ منذ قبض اللہ نبیہ حتی یوم الناس ھذا"[1]

خدا کی قسم جس روز اپنے حبیب کو اللہ نے ہم سے لے لیا اس

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۶

Presented by www.ziaraat.com

روز سے آج تک لوگوں نے میرے مسلم حق سے
مجھکو محروم کر رکھا ہے۔

خطبہ نمبر ۱۷۰ اگرچہ واقعاً خطبہ نہیں ہے بہتر تھا کہ سید رضی اعلی اللہ مقامہ اسے کلمات قصار کے ذیل میں ذکر فرماتے ہیں مولائے کائنات ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:

ایک شخص نے کچھ لوگوں کے درمیان مجھ سے کہا:

اے فرزند ابو طالب! آپ خلافت کے لالچی ہیں تو میں نے کہا:۔

بل انتم واللہ لاحرص وابعد وانا اخص واقرب
وانما طلبت حقا لی وانتم تحولون بینی وبینه
وتضربون وجهی دونه، فلما قرعته بالحجة فی الملاء
الحاضرین هب کانه بهت لا یدری ما یجیبنی به [1]

لالچی میں نہیں ہوں بلکہ تم خلافت کے لالچی ہو اور تم پیغمبر سے دور ہو میں جسم و روح کے اعتبار سے قریب ہوں میں نے اپنا حق طلب کیا ہے اور تم لوگ چاہتے ہو کہ میرے اور میرے حق کے درمیان حائل اور مانع بن کر مجھ کو میرے قطعی حق سے محروم کر دو کیا وہ انسان جو اپنا حق طلب کرتا ہے لالچی ہے یا وہ کہ جو دوسروں کے حق پر نگاہ لگائے ہے وہ لالچی ہے جب میں نے استدلال سے اس کی بولتی بند کر دی تو اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ

(۱ نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۲)

Presented by www.ziaraat.com

مجھے کیا جواب دے معلوم نہیں یہ اعتراض کرنے والا کون تھا؟ اور یہ اعتراض کب کیا گیا تھا؟

ابن ابی الحدید کہتے ہیں سعد وقاص نے روز شوریٰ (جس روز سقیفہ میں کمیٹی بنی تھی) یہ اعتراض کیا تھا اس کے بعد کہتے ہیں کہ امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ ابو عبیدہ جراح نے روز سقیفہ اعتراض کیا تھا۔ انہیں جملوں کے بعد فرماتے ہیں:۔

"اللھم انی استعدیك علی قریش ومن اعانھم فانھم قطعوا رحمی وصغّروا عظیم منزلتی واجمعوا علی منازعتی امراً ھولی [1]"

میرے پروردگار میں قریش اور ان کے ہمنواؤں کے ظلم کے لئے شکایت کناں ہوں ان لوگوں نے مجھ سے قطع رحم کیا میری عظمت و منزلت کو گھٹایا اور سب نے متحد ہو کر میرا حقِ خاص چھین لیا اور میرے خلاف محاذ آرائی کی۔

ابن ابی الحدید انہیں جملوں کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مذکورہ جملوں کی طرح مولائے کائنات کے اور بھی ایسے کلمات ہیں جو تواتر کے ساتھ نقل ہوئے ہیں کہ جن میں علیؑ نے اس بات کا شکوہ کیا ہے کہ لوگوں نے ظلم و جور کے ذریعہ ان کا مسلّم حق غصب

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۲

Presented by www.ziaraat.com

کیا ابن ابی الحدید شیعوں کے نظریات کی تائید
کرتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ علیؑ نص کے ذریعہ
خلیفہ ہیں کسی بھی شخص کو مسند خلافت پر بیٹھنے کا حق
نہیں ہے چونکہ مولائے کائنات کے کلمات سے
دوسروں کا فاسق و فاجر ہونا ظاہر ہوتا ہے اس
لئے اس کی تاویل کرنا ضروری ہے کہ جس طرح
قرآن کی متشابہ آیات کے ظہور پر عمل نہیں کیا جا
سکتا اسی طرح ان کلمات کے ظہور پر بھی عمل
نہیں کیا جا سکتا ہے۔

خود ابن ابی الحدید بھی مولائے کائنات کی افضلیت اور اولویت کے قائل ہیں نہج البلاغہ کے وہ کلمات جو علی علیہ السلام کے احق اور اولی ہونے پر دلالت کرتے ہیں ابن ابی الحدید کی نگاہ میں ان کی توجیہہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن مذکورہ بالا جملے ان کی نگاہ میں اس لئے توجیہہ کے محتاج ہیں کہ ان میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ خلافت علیؑ کا خاص حق تھا یہ بات نص اور حکم خدا کے مطابق رسولؐ کے ذریعہ تکلیف کی تعیین اور حق کے تعین کے علاوہ متصور نہیں ہے۔

حضرت علیؑ کے ایک صحابی کہ جن کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا وہ آپ سے پوچھتے ہیں۔

"کیف دفعکم قومکم عن هذا المقام وانتم احق به"
یہ کیسے ہوا کہ آپ کی قوم نے آپ کو منصب خلافت
سے دور کر دیا جب کہ آپ زیادہ حقدار تھے؟

Presented by www.ziaraat.com

مولائے کائنات نے اس کے سوال کا جواب دیا ہے جو نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۶۱ کی صورت میں موجود ہے۔ علیؑ نے صریح طور پر فرمایا کہ اس مسئلہ میں ایک طرف حرص و طمع اور دوسری طرف عفو و گزشت (مصلحتاً) کارفرما تھی۔

"فانها كانت اثرة شحت عليها نفوس قوم وسخت عنها نفوس آخرين"

یہ سوال و جواب مولائے کائنات کے دور خلافت ــــــــ کے اس پر آشوب زمانہ میں ہوا تھا جب علیؑ معاویہ کی نیرنگیوں سے برسر پیکار تھے علیؑ ایسے بحرانی زمانہ میں اس مسئلہ کو چھیڑنا نہیں چاہتے تھے۔

لہذا اسے جواب دینے سے پہلے آپ نے طعن و تشنیع کے انداز میں فرمایا کہ آخر ہر سوال کا ایک محل ہوتا ہے یہ وقت گڑے مردے اکھاڑنے کا نہیں ہے آج کا اہم ترین مسئلہ "معاویہ" ہے۔

وهلم الخطب في ابن ابي سفيان ..... ایسے ماحول میں بھی آپ اپنی مستقل و معتدل روش کے مطابق جواب دیتے ہیں اور حقائق کو آشکار کرنے سے پہلو تہی نہیں کرتے ہیں۔

خطبۂ شقشقیہ میں آپ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

اری تراثی نهبا۔ میں اپنے موروثی حق کو برباد ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا ظاہر ہے کہ یہاں وراثت سے مراد خاندانی وراثت نہیں ہے بلکہ الٰہی و معنوی وراثت مراد ہے

Presented by www.ziaraat.com

لیاقت و فضیلت

نص صریح اور مسلم و قطعی حق کے مسئلہ کے بعد (ذاتی) لیاقت و فضیلت کا مسئلہ آتا ہے نہج البلاغہ میں اس سلسلہ میں بھی متعدد جگہوں پر بحث ہوئی ہے خطبہ شقشقیہ میں فرماتے ہیں۔

"وأما واللہ لقد تقمصہا ابن ابی قحافۃ وانّہ
لیعلم ان محلّی منہا محل القطب من الرحی
ینحدر عنی السیل ولا یرقی الی الطیر"

خدا کی قسم ابن ابی قحافہ نے پیراہن خلافت کو زبردستی پہن لیا جب کہ وہ جانتا ہے کہ خلافت میں میرا وہی مقام ہے جو چکی میں کیل کا ہوتا ہے علم و فضیلت کے چشمے میری شخصیت کے کوہسار سے نکلتے ہیں انسان کی فکر و وہم کا شہباز بھی میری بلندی کمال تک پر نہیں مار سکتا۔

خطبہ نمبر ۱۹۵ میں پہلے رسول کے لئے اپنی تسلیم و رضا اور ایمان کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے بعد مختلف مواقع پر اپنے ایثار و فداکاری کو بیان فرماتے ہیں اور پھر وفات رسول اکرمؐ کا واقعہ کہ نبیؐ کے آخری وقت میں میرا سر سینۂ رسولؐ پر تھا پھر اپنے ہاتھوں سے رسول اکرمؐ کو غسل دینے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ در آنحالیکہ ملائکہ آپ کی مدد کر رہے تھے اور آپ فرشتوں کے زمزمہ

Presented by www.ziaraat.com

سن رہے تھے اور محسوس کر رہے تھے کہ وہ کس طرح گروہ در گروہ آرہے ہیں اور پیغمبر پر درود بھیج رہے ہیں ان کے زمزموں کی آواز رسولؐ کے دفن کے وقت تک علیؑ کے کانوں سے مسلسل ٹکراتی رہی اپنے مخصوص موقفوں بتمام تسلیم اور عدم انکار سے (بعض صحابہ کے برخلاف) اپنی بے نظیر فداکاریوں، رسول سے قرابت آپ کی آغوش میں پیغمبر کے دم توڑنے تک کا تذکرہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"فمن ذا احق بہ منی حیا ومیتاً؟

کون ہے جو حیات و ممات رسولؐ میں مجھ سے زیادہ ان کا حقدار ہو؟

قرابت ونسب

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ وفات رسول اکرمؐ کے بعد سعد ابن عبادہ انصاری نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ ان کے قبیلے کے بہت سے لوگ ان کے ساتھ تھے اور ان لوگوں نے اس کام کے لئے سقیفہ کا انتخاب کیا یہاں پر ابو بکر، عمر اور ابو عبیدہ جراح بھی پہونچ گئے، اور لوگوں کی توجہ سعد ابن عبادہ سے ہٹا کر حاضرین سے ابو بکر کے ہاتھوں پر بیعت لے لی۔

اس اجتماع میں انصار و مہاجرین کے درمیان تو تو میں میں بھی ہو گئی اور اس جلسہ کو تاریخ ساز بنانے کیلئے بہت سے عوامل استعمال ہوئے۔ ابو بکر کے طرف دار مہاجرین نے جو ایک حربہ اپنی کامیابی کے لئے

Presented by www.ziaraat.com

استعمال کیا تھا وہ یہ تھا کہ رسول اکرمؐ کا تعلق قبیلۂ قریش سے ہے اور ہم پیغمبرؐ کے خاندان سے ہیں ۔ ابن ابی الحدید خطبہ نمبر ۶۵ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں :

عمر نے انصار سے کہا اہل عرب ہرگز تمہاری
حکومت و ریاست پر راضی نہیں ہوں گے اس لیے
کہ پیغمبرؐ تمہارے قبیلہ سے نہیں ہیں لیکن اگر قبیلۂ
پیغمبرؐ کی کوئی فرد مسند خلافت پر متمکن ہو تو قوم
عرب کو کوئی اعتراض نہ ہوگا حکومت و میراث
محمدیؐ کے سلسلہ میں کون ہمارا مقابلہ کر سکتا ہے
اس لئے کہ ہمارا شمار پیغمبرؐ کے عزیز و اقارب
میں ہوتا ہے ۔

اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے فریضہ کی انجام دہی یعنی پیغمبرؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہے اس حادثہ کے بعد حضرت علیؑ نے ان لوگوں سے کہ جو اس مجمع میں موجود تھے طرفین کا استدلال دریافت کیا اور طرفین کے استدلال کو سنا اور دونوں کے استدلال کو تنقید کرتے ہوئے رد کر دیا ۔ مولائے کائنات کی گفتگو اس موقع پر وہی ہے کہ جسے سید رضی نے خطبہ نمبر ۶۵ میں نقل کیا ہے ۔

علیؑ نے پوچھا کہ انصار نے کیا کہا؟
انصار نے کہا ایک ہم میں سے اور ایک تم میں
سے امیر ہو، فرمایا ۔ کیوں ! تم لوگوں نے ان کے
نظریہ کو رد کرنے کے کیلئے پیغمبر اسلام کی وصیتوں

Presented by www.ziaraat.com

سے استفادہ کیوں نہیں کیا کہ رسولؐ نے فرمایا :۔
انصار کے نیک افراد کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ
اور ان کے بُرے کو نظر انداز کردو ؟ !

ان کی یہ باتیں کیسے دلیل بن سکتی ہیں ؟

اگر یہی طے تھا کہ حکومت ان کی ہے تو ان کے لئے وصیت بے معنیٰ تھی اور جو دوسرے لوگوں سے کہا گیا کہ ان کے ساتھ نیکی کرو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت دوسروں کا حق ہے ان کا نہیں۔

اچھا! قریش نے کیا کہا ؟

قریش کا استدلال یہ تھا کہ وہ لوگ اسی درخت کی ایک شاخ ہیں جس درخت کی دوسری شاخ پیغمبرؐ اکرم ہیں۔

احتجوا بالشجرۃ و اضاعوا الثمرۃ :

ان لوگوں نے اپنے کو شجرِ وجودِ پیغمبرؐ سے منسوب کر کے اپنی صلاحیت پر دلیل قائم کر لی اور درخت کے میوہ کو ضایع کر دیا۔

یعنی اگر درخت کی نسبت معتبر ہے تو دوسرے بھی اس درخت کی ایک شاخ ہیں جس درخت کی دوسری شاخ رسولؐ ہیں اور اہل بیتؑ تاخ

Presented by www.ziaraat.com

نبوت سے ثمر ہیں۔

خطبہ نمبر ۱۶۱ ایس کہ جس کا کچھ حصہ ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں کہ جس میں ایک شخص سے سوال وجواب کا ذکر ہے۔ اس میں علیؑ نسب کے ذریعہ بھی استدلال فرماتے ہیں،

اما الاستبداد علینا بهذا المقام ونحن الاعلون نسباً والاشدون برسول الله اص) نوطاً۔

مسئلہ نسب پر حضرت علیؑ کا استدلال ایک قسم کا منطقی ہے مولاؑ نے اس بات کو پیش نظر رکھ کر کہ دوسروں نے قرابت اور رشتہ داری کو معیار بنایا ہے، فرمایا کہ اگر نص۔ لیاقت اور افضلیت کو بھی نظر انداز کر دیں اور اس قرابت اور رشتہ داری کو معیار بنائیں کہ جس کو دوسروں نے آلۂ کار بنا کر استعمال کیا ہے تو بھی خلافت کے دعویداروں میں سب سے اولیٰ وافضل میں ہوں۔

Presented by www.ziaraat.com

خلفاء پر تنقید

تیسرا مسئلہ خلفا پر تنقید ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ علیؑ نے خلفا پر تنقید کی ہے آپ کا طرز تنقید سبق آموز ہے خلفاء پر حضرت علیؑ کی تنقیدیں جذبات یا تعصب کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ تحقیق اور منطقی ہیں یہی وہ اسباب ہیں کہ جن سے آپ کی تنقید کو عظمت و اہمیت ملتی ہے۔ اگر تنقید جذبات و تعصب کی وجہ سے ہوتی ہے تو اس کا اندازہ کچھ اور ہوتا ہے لیکن اگر منطق اور حقائق کی بنیاد پر ہوتی ہے تو اس کا انداز ہی دوسرا ہوتا ہے۔ عام طور پر جذباتی تنقیدیں تمام افراد کو ایک ہی زمرے میں رکھتی ہیں کیوں کہ تنقید میں برا بھلا بھی کہا جاتا ہے لعن و طعن بھی کی جاتی ہے ۔ سب و شتم کے لئے کوئی قانون نہیں ہوتا ۔

لیکن منطقی تنقیدوں کی بنیاد روحی و اخلاقی خصوصیات پر استوار ہوتی ہے اور مورد تنقید افراد کی زندگی کے تاریخی نقاط پر تکیہ کناں ہوتی ہیں ظاہر ہے کہ ایسی تنقیدیں تمام افراد کے لئے یکساں نہیں ہو سکتیں بلکہ منقسم ہو جاتی ہیں ۔

Presented by www.ziaraat.com

یہیں سے تنقید کرنے والے کی واقعیت بینی کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے
خلفاء پر نہج البلاغہ کی تنقیدیں بعض کلی اور بعض ضمنی ہیں اور بعض جزئی اور
واضح ہیں کلی اور ضمنی تنقیدیں وہ ہیں کہ جن کا سوائے کائنات کھلے لفظوں میں اظہار
فرماتے ہیں کہ میرا قطعی اور مسلم حق مجھ سے چھین لیا گیا۔ گزشتہ فصل میں "جہاں آپ ؑ
نے اپنی منصوصیت پر استدلال کیا ہے" نقل کیا ہے۔

ابن ابی الحدید فرماتے ہیں :۔

امام علیہ السلام کی خلفاء پر تنقید اور شکایت اگرچہ
وہ ضمنی اور کلی ہیں لیکن متواتر ہیں ایک روز امام ؑ نے
سنا کہ ایک شخص فریاد کر رہا ہے کہ میں مظلوم ہوں
مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ علی ؑ نے اس سے کہا آؤ ایک ساتھ
مل کر فریاد کریں کیوں کہ مجھ پر بھی مسلسل ستم ہو رہا
ہے۔

اس طرح وہ اپنے عہد کی قابل اعتماد فرد ابن عالیہ سے
ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا۔

میں اسماعیل بن علی حنبلی ، فرقہ حنبلی کے اس عصر کے امام ،،
کی خدمت میں تھا کہ اسی وقت ایک مسافر کوفہ
سے بغداد واپس آیا تھا۔ اسماعیل اس سے
سفر کے احوال اور کوفہ کے حالات دریافت کر رہا
تھا اس مسافر نے اپنی گفتگو کے درمیان اس
بات پر شدید افسوس کا اظہار کیا کہ شیعہ غدیر

Presented by www.ziaraat.com

سے کے دن خلفاء پر شدید تنقید کر رہے تھے حنبلی
عالم نے کہا اس میں ان لوگوں کی کوئی خطا نہیں
ہے اس دروازہ کو تو خود علیؑ نے کھولا ہے اس
شخص نے کہا تو اس موقع پر ہمارا کیا فریضہ ہے؟
ہم ان تنقیدوں کو صحیح سمجھیں یا غلط ؟ اگر یہ صحیح ہیں
تو ایک طرف کو چھوڑ دیں اور اگر غلط ہوں تو دوسری
طرف کو!

اسماعیل یہ سوال سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جلسہ کو ختم کرتے ہوئے کہا یہ ایسا سوال ہے کہ جس کا جواب آج تک میں بھی تلاش نہیں کر سکا ہوں ۔

ابوبکر

خطبہ شقشقیہ میں ابوبکر پر خاص انداز میں تنقید کی گئی ہے جس کا خلاصہ دو جملوں میں ہوا ہے ۔

اول ۔ ابوبکر اچھی طرح جانتا تھا کہ میں (علیؑ) خلافت کے لئے اس سے زیادہ مناسب اور موزوں ہوں جامۂ خلافت صرف میرے جسم پر فٹ آتا ہے ۔ اور ابوبکر بھی یہ بات اچھی طرح جانتا تھا اس کے باوجود اس نے ایسا اقدام کیا میں (ابوبکر کے) عہد خلافت میں اس انسان کے مانند تھا کہ جس کی آنکھوں میں خار ہو یا جس کے گلے میں ہڈی پھنس گئی ہو ۔

Presented by www.ziaraat.com

"اما واللہ لقد تقمصھا ابن ابی قحافہ وانہ لیعلم

ان محلی منھا محل القطب من الرحی"

قسم خدا کی پسر ابو قحافہ نے زبردستی پیراہن خلافت

پہن لیا جب کہ وہ جانتا تھا کہ اس چکی کے پاٹوں

کا محور میں ہوں۔

دوسرے اس نے اپنے بعد خلیفہ کیوں مقرر کیا جب کہ اس نے اپنے عہد خلافت میں ایک دفعہ لوگوں سے درخواست کی تھی کہ مجھ سے اپنی بیعت اٹھالیں اور مجھے اس ذمہ داری سے آزاد کردیں۔ وہ انسان کہ جو اس مقام کے لیے اپنی عدم لیاقت کا اعلان کرتا ہے اور عوام سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کے استعفیٰ کو قبول کرلیں، پھر اپنے بعد کیسے خلیفہ مقرر کرتا ہے!۔

"فیا عجبا بینا ھو یستقیلھا فی حیاتہ اذ عقدھا

لاخر بعد وفاتہ"

تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ ابو بکر لوگوں سے

مطالبہ کرتا ہے کہ اس کو خلافت کی ذمہ داری

سے سبکدوش کر دیں اور اسی عالم میں اپنے

جانشین کے لئے زمین استوار کرتا گیا

اس جملہ کے بعد مولائے کائنات نے دونوں خلفاء کے لیے نہایت ہی سخت جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ جس سے ان دونوں کے درمیان وسیع رابطے واضح ہو جاتے ہیں، علیؑ فرماتے ہیں۔

"لشد ما تشطرا ضرعیھا"

Presented by www.ziaraat.com

ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے
تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا ۔

ابن ابی الحدید ابو بکر کے استعفٰی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ :۔
ابو بکر سے ایک جملہ دو طرح نقل ہوا ہے کہ جس کو ابو بکر نے اپنے دور
خلافت میں منبر سے بیان کیا تھا بعض لوگوں نے یوں نقل کیا ہے :

ولیتکم ولست بخیرکم ۔
بار خلافت کو میرے کندھوں پر ڈال دیا گیا جب کہ
میں تمہارے بہترین افراد میں سے نہیں ہوں ۔

لیکن بہت سے لوگوں نے اس طرح نقل کیا ہے :

اقیلونی فلست بخیرکم ۔
مجھے چھوڑ دو میں تمہارے بہترین افراد میں سے
نہیں ہوں ۔

نہج البلاغہ کا جملہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ابو بکر کا یہ جملہ دوسری صورت
میں ادا ہوا ہے

عمر

نہج البلاغہ میں عمر پر اچھوتے انداز میں تنقید کی گئی ہے ۔ مولائے کائنات
نے لشد ما تشطرا ضرعیھا ۔ کے ذریعہ دونوں " ابو بکر و عمر " پر ایک

Presented by www.ziaraat.com

ساتھ تنقید کے علاوہ عمر کی اخلاقی و روحی خصوصیات کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا خصوصاً آپ نے عمر کی دو اخلاقی خصوصیتوں کو مورد تنقید قرار دیا ہے۔

اول۔ سخت و تند مزاجی۔ عمر اس مسئلہ میں ابوبکر کے بالکل برعکس اور اخلاقی اعتبار سے سخت مزاج، تند خو۔ ہیبتناک اور دہشت گرد تھے۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں۔

بڑے بڑے صحابی عمر کے پاس جانے سے
ڈرتے تھے عمر کے مرنے کے بعد جب ابن عباس
نے مسئلہ "عول" کے بارے میں اپنا عقیدہ ظاہر
کیا تو ابن عباس سے (لوگوں نے) کہا کہ یہ بات
پہلے کیوں نہیں بتائی؟
انھوں نے جواب دیا کہ میں عمر سے ڈرتا تھا۔

"درۂ عمر" یعنی عمر کا تازیانہ دہشت پھیلانے کے سلسلہ میں ضرب المثل تھا یہاں تک کہ بعد میں لوگوں نے کہنا شروع کر دیا۔

"درّۃ عمر اھیب من سیف حجاج"
یعنی عمر کا تازیانہ حجاج کی تلوار سے زیادہ
ہیبتناک تھا۔

عمر عورتوں پر بہت غضبناک رہتے تھے عورتیں ان سے خوفزدہ رہتی تھیں ابوبکر کی موت پر ان کے خاندان کی عورتیں گریہ وزاری کر رہی تھیں اور عمر ان کو رونے سے برابر منع کر رہے تھے لیکن عورتوں کی گریہ وزاری اسی طرح جاری تھی آخر کار عمر ام فروہ (ابوبکر کی بہن) کو عورتوں

Presented by www.ziaraat.com

کے درمیان سے کھینچ کر باہر لائے اور اس کو ایک تازیانہ مارا۔ اس واقعہ کے بعد تمام عورتیں منتشر ہو گئیں۔

عمر کی دوسری وہ خصوصیت جو علیؑ کی تنقید کا نشانہ بنی فیصلوں میں عجلت سے کام لینا اور پھر اس کو بدل دینا تھا جس کا نتیجہ تناقض گوئی ہوتا تھا ایک بات کے لئے متعدد فیصلے کرتے تھے اور پھر اپنی غلطی کو محسوس کر کے معذرت کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں بہت سے واقعات (تاریخ کے دامن میں محفوظ) ہیں یہ جملہ بھی "

"کلکم افقہ من عمر حتی ربات الحجال:
تم سب عمر سے زیادہ فقیہ ہو یہاں تک کہ حجلہ نشیں خواتین بھی" انھیں حالات میں عمر کی زبان سے "لولا علی لھلک عمر" ایسے جملے ادا ہوئے۔

کہتے ہیں عمر کی زبان سے ستر بار یہ جملہ سنا گیا ہے "اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

ان اشتباہات سے حضرت علیؑ انھیں آگاہ کیا کرتے تھے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے عمر کی انھیں دو خصوصیتوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ تاریخ جن کی گواہی دے رہی ہے۔

ان کی (عمر) تندمزاجی کا یہ عالم تھا کہ ان کے ساتھی بھی حقیقت بیانی سے ڈرتے تھے اور دوسرے ان کی عجلت پسندی، جلد بازی، غلطیوں کی

Presented by www.ziaraat.com

تکرار اور پھر عذر خواہی ۔

چنانچہ حضرت علیؑ ان کی پہلی صفت کے لئے فرماتے ہیں ۔

"فصیرھا فی حوزۃ خشناء یغلظ کلامھا ویخشن مسّھا... فصاحبھا کراکب الصعبۃ ان اشنق لھا خرم وان اسلس لھا تقحّم"

ابوبکر کی خلافت کی زمام سخت طبیعت کے اختیار میں تھی کہ اس کو ضرر پہونچانا مشکل اور اس سے رابطہ قائم کرنا دشوار تھا جو اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس شخص کی طرح ہوتا کہ جو سرکش اونٹ پر سوار ہوتا ہے اگر اس کی مہار کو کھینچے تو اس کے نتھنے پھٹ جائیں اگر ڈھیلی چھوڑ دے تو ہلاکت کی کگار تک پہونچا دے

اس کے بعد عمر کی عجلت۔ بکثرت اشتباہات اور پھر عذر خواہی کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

ویکثر العثار فیھا والاعتذار منھا ۔

خطا و لغزش بہت زیادہ تھیں اور خطاؤں سے عذر خواہی اس سے بھی زیادہ تھی ۔

جہاں تک مجھے یاد ہے کہ نہج البلاغہ میں خلیفہ اول و دوم پر صرف خطبۂ شقشقیہ میں "کہ جس کے چند جملے ہم نقل کر چکے ہیں" تنقید کی گئی ہے اگر کسی دوسری جگہ بھی ان پر تنقید ہوئی ہے تو یادہ

Presented by www.ziaraat.com

کلی طور پر یا کنا یہ کی صورت میں ہے ۔

جیسا کہ عثمان ابن حنیف کے نام اپنے مشہور خط میں مسئلہ فدک کی طرف اشارہ فرماتے ہیں ۔

یا خط نمبر ۲ ۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں تصور بھی نہیں کرتا تھا کہ عرب خلافت کا رخ ان کے اہل بیت سے موڑ دیں گے مگر ایک دم میرے سامنے یہ منظر آیا کہ لوگ فلاں شخص کے (گرد) جمع ہو گئے، ۲۸ نمبر خط میں ،، کہ جو معاویہ کے جواب میں لکھا تھا ،، رقم طراز ہیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ مجھ سے زبردستی بیعت کروائی گئی ہ اس لئے مجھ پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہرگز کسی مسلمان کے لئے یہ عیب و عار نہیں ہے کہ اس پر ستم کیا جائے جب تک کہ وہ اپنے دین میں شک نہ کر رہا ہو ۔

نہج البلاغہ میں ۲۲۶ نمبر خط کے ضمن میں چند جملے ایک شخص کی مدح و ستائش میں موجود ہیں کہ کنایتہً اس شخص کو لفظ ،، فلاں ،، سے یاد کیا ہے نہج البلاغہ کی شرح لکھنے والوں کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ وہ کون شخص ہے جس کی علی علیہ السلام نے مدح کی ہے اکثر لوگوں نے حقیقت میں یا تقیہ کے طور پر کہا ہے کہ اس سے عمر ابن خطاب مراد ہیں قطب راوندی وغیرہ کہتے ہیں ۔ کہ مولائے کائنات کی مراد گزشتہ اصحاب میں سے کوئی فرد ہے مثلاً عثمان ابن مظعون وغیرہ لیکن ابن ابی الحدید مدح کی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ مدح سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمام دار کی تعریف کی ہے اس لئے کہ ایسے انسان کی بات ہے کہ جس نے برائیوں کو دور اور مشکلات کو رفع کیا ہے اور یہ صفت گزشتہ

Presented by www.ziaraat.com

صحابیوں پر پورے طور سے صحیح نہیں اترتی ۔
" کہتے ہیں ،، قطعاً عمر کے علاوہ کوئی اور مراد نہیں ہے ۔
ابن ابی الحدید طبری سے نقل کرتے ہیں کہ :۔

عمر کی موت پر عورتیں گریہ کر رہی تھیں ابو حثمہ ،
کی دختر یہ کہہ کے رو رہی تھی ۔

اقام الاود وابرأ العمد مات الفتن واحیا السنن

خرج نقی الثوب بریئا من العیب :

طبری نے مغیرہ ابن شعبہ سے نقل کیا ہے کہ وہ (مغیرہ)
عمر کے دفن کے بعد علیؑ کے پاس گیا تاکہ آپ
سے عمر کے بارے میں کچھ سنے علیؑ اس عالم
میں گھر سے باہر تشریف لائے کہ ابھی انھوں
نے ہاتھ منہ دھویا تھا اور پانی دست و صورت
سے ٹپک رہا تھا اور ایک چادر اوڑھے
تھے گویا اس بات میں شک نہیں تھا کہ عمر کے
بعد خلافت انھیں کو ملے گی ۔

آپ نے کہا کہ ابی حثمہ کی صاحبزادی نے
جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے لقد قوم الاود ۔۔۔

ابن ابی الحدید اس واقعہ کو اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں
کہ نہج البلاغہ کے یہ کلمات عمر کی تعریف و ستائش میں بیان ہوئے ہیں ۔
لیکن بعض عصر حاضر کے محققین نے طبری کے علاوہ دوسرے مدارک سے اس

Presented by www.ziaraat.com

واقعہ کو دوسرے ہی انداز میں نقل کیا ہے وہ نقل کرتے ہیں کہ علیؑ جب گھر سے باہر تشریف لائے اور مغیرہ پر ان کی نگاہ پڑی تو سوالیہ انداز میں فرمایا کیا ابی حشمہ کی صاحبزادی جو عمر کی تعریف کر رہی تھی وہ یہی تھی ؟

اس بنیاد پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ جملہ مولا کا نہیں ہے اور نہ ہی اس عورت کے جملہ کی تائید ہے ۔ سید رضیؒ اس سلسلہ میں اشتباہ کا دوچار ہوئے ہیں کہ انھوں نے اس جملہ کو نہج البلاغہ کے کلمات کے ضمن میں درج کیا ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

عثمان

نہج البلاغہ میں سابق کے دونوں خلفاء (ابوبکر وعمر) سے زیادہ عثمان کا تذکرہ ہوا ہے اس کی علت واضح ہے، عثمان اس حادثہ میں مارے گئے کہ جسے تاریخ نے فتنۂ عظیم کا نام دیا ہے اس میں خود عثمان کے اعزہ واقارب یعنی بنی امیہ کا دوسروں سے زیادہ ہاتھ تھا، اور لوگ فوراً علیؑ کے گھر پر جمع ہو گئے اور آپؑ نے بادل نخواستہ ان لوگوں کی بیعت قبول کی اس حادثہ (قتل عثمان) نے مولائے کائنات کے دور خلافت میں بہت سی مشکلات پیدا کر دیں ایک طرف خلافت کے طلبگار آپ پر یہ تہمت لگا رہے تھے کہ قتل عثمان میں آپ کا ہاتھ ہے اس لئے آپ اپنا دفاع اور قتل عثمان کے واقعہ میں اپنا موقف واضح کرنے پر مجبور تھے۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسری طرف انقلابی گروپ کہ جس نے حکومت عثمان کے خلاف شورش برپا کی تھی اور جس کا بڑی طاقتوں میں شمار ہوتا تھا علیؑ کا حامی تھا علیؑ کے مخالفین اس بات کا مطالبہ کر رہے تھے کہ قاتلان عثمان کو ہمارے حوالہ کیا جائے تاکہ قتل عثمان کا قصاص لے سکیں علیؑ کو چاہئے تھا کہ اس مسئلہ کو اپنے کلام میں بیان کرتے اور اپنے موقف کو ظاہر فرماتے عثمان کی زندگی میں جب کہ انقلابیوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا اور ان سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ یا تو اپنی روش بدل دیں یا استعفیٰ دیدیں اس وقت بھی وہ تنہا ذات کہ جو طرفین کے لئے قابل اعتماد تھی اور دونوں کے درمیان صلح و صفائی کا کام انجام دے رہی تھی اور ایک کی بات کو دوسرے تک منتقل کر رہی تھی ۔ وہ ذات علیؑ تھی ان تمام باتوں سے قطع نظر حکومت عثمان میں بہت زیادہ فساد پھیل چکا تھا اور علیؑ اپنے فریضہ کے مطابق نہ عثمان کے دور حکومت میں اور نہ ہی عثمان کے بعد خاموش تماشائی بنے نہیں دیکھ سکتے تھے اور اپنی زبان پر مہر سکوت نہیں لگا سکتے تھے (اس لئے کہ یہ ان کی ذمہ داری تھی) یہ تمام چیزیں اس بات کا سبب بنیں کہ علیؑ کے کلمات میں عثمان کا ذکر سب سے زیادہ آئے ۔

نہج البلاغہ میں مجموعی طور پر ۱۶ بار عثمان کا ذکر ہوا ہے اور زیادہ تر قتل عثمان کے سلسلہ میں ہے پانچ جگہوں پر علیؑ نے عثمان کے قتل میں شریک نہ ہونے کی صفائی دی ہے اور ایک جگہ طلحہ کو " کہ جس نے مولائے کائنات کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں قتل عثمان کو وسیلہ بنایا تھا عثمان کے خلاف سازش میں شریک بتایا ۔ اور دو جگہوں پر معاویہ کو قتل عثمان کا قصوروار ٹھہرایا ہے ۔ کہ جس نے علی علیہ السلام کی انسانی و آسمانی حکومت میں

Presented by www.ziaraat.com

دراڑ ڈالنے کے لئے قتل عثمان کو حربہ کے طور پر استعمال کیا تھا اور مگرمچھ کے آنسو بہا کر بے چارے عوام کو "خلیفہ کے خون کے قصاص کا سہارا لے کر" اپنی دیرینہ آرزوؤں کو پوری کرنے کے لئے بھڑکا رہا تھا۔

قتل عثمان میں معاویہ کا ماہرانہ کردار

حضرت علیؑ نے اپنے خطوط میں معاویہ کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ تم بھی بولتے ہو تمہارا مخفی ہاتھ تو خود ہی کہنیوں تک خون عثمان سے رنگین ہے اس کے بعد بھی خون عثمان کا دم بھرتے ہو؟

یہ حصہ بہت ہی دلچسپ ہے علیؑ اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ جسکو تاریخ کی تیز بیں آنکھیں بھی بہت کم دیکھ سکی ہیں فقط عہد نو کے محققین اور تاریخ دانوں نے علم نفسیات اور جامعہ شناسی کے اصول کی مدد و راہنمائی کے ذریعہ تاریخ کے پیچ وخم سے اس نکتہ کو نکالا ہے ورنہ اوائل اسلام کے لوگ یہ بات ماننے پر تیار نہ تھے کہ قتل عثمان میں معاویہ کا ہاتھ ہے یا کم سے کم عثمان کا دفاع کرنے میں اس نے کسی قسم کی کوتاہی سے کام لیا ہے۔

معاویہ اور عثمان دونوں اموی تھے دونوں میں خاندانی رشتہ بھی تھا اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے امیوں کے درمیان ایسا مضبوط اتحاد تھا کہ آج کے مورخوں نے اس اتحاد کو اس زمانہ کی پارٹی کے (مقاصد میں) اتحاد کی طرح بیان کیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

یعنی صرف قوم و قبیلہ کا احساس انھیں آپس میں متحد نہیں کرتا تھا بلکہ خاندان پرستی ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا وسیلہ تھا کہ جس کے ذریعہ وہ اپنے مساوی مقاصد کے حصول کے لئے متحد ہو سکیں چونکہ معاویہ نے عثمان کی محبتیں اور حمایتیں دیکھی تھیں اور وہ بھی عثمان سے محبت و دوستی کا دم بھرتے تھا اس لئے کوئی بھی یقین نہیں کر رہا تھا کہ معاویہ کا اس حادثہ میں مخفیانہ ہاتھ ہے معاویہ کا صرف ایک مقصد تھا اس کے حصول کے لئے وہ ہر کام کو مباح جانتا تھا، معاویہ اور معاویہ خصلت لوگوں کے نزدیک انسانی عواطف اور اصول وضوابط بے معنی تھے جس روز معاویہ نے یہ سمجھ لیا کہ میرے لئے حیاتِ عثمان سے زیادہ اس کی موت سود مند ہے اور اس کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون سے بہتر اس کا زمین پر بہہ جانے والا خون فائدہ بخش ہے اسی دن سے قتل عثمان کے لئے حالات سازگار کرنے میں مصروف ہو گیا جن مواقع پر وہ (معاویہ) عثمان کی پوری مدد کر سکتا تھا اور اس کو قتل ہونے سے بچا سکتا تھا اس وقت عثمان کو موت کے خطرناک چنگل میں پھنسا دیتا ہے۔

لیکن علیؑ کی تیز بین نگاہیں معاویہ کی ریشہ دوانیوں کو دیکھ رہی تھیں اور پس پردہ انجام پائے ہوئے ڈرامے کو سمجھ چکی تھیں یہی وجہ ہے کہ مولائے کائنات نے معاویہ کو قتل عثمان کا ذمہ دار ٹھہرا کر اسے بے نقاب کر دیا، نہج البلاغہ میں معاویہ کے خط کا مفصل جواب موجود ہے معاویہ نے امام علیہ السلام پر قتل عثمان کی تہمت لگائی اور امامؑ نے اس کا جواب اس طرح دیا

" ثم ذکرت ما کان من امری وامر عثمان

Presented by www.ziaraat.com

فلك ان تجاب عن هذه لرحمك منه فاینا
کان اعدى له واهدى الى مقاتله أمن بذل
له نصرته فاستقعده واستكفه؟ ام من استنصره
فتراخى عنه وبث المنون اليه حتى اتى قدره؟
وما كنت لاعتذر من انى كنت انقم عليه احداثا
فان كان الذنب اليه ارشادى وهدايتى له
فرب ملوم لا ذنب له وقد يستفيد الظنة
المتنصح وما اردت الا الاصلاح ما استطعت
وما توفيقى الا بالله عليه توكلت ۱
پھر تم نے میرے اور عثمان کے معاملہ کو چھیڑا
ہاں تو اس میں تمہیں حق پہنچتا ہے کہ جواب دیا
جائے اس لئے کہ تم ان کے رشتہ دار ہو اچھا تو
بتاؤ کہ ہم دونوں میں ان کے ساتھ زیادہ دشمنی
کرنے والا اور ان کے قتل کا سروسامان کرنے
والا کون تھا وہ کہ جس نے بے جھجک ہر طرح
کی امداد کی پیش کش کی لیکن عثمان نے بے جا
شورش کی وجہ سے اسے بٹھا دیا اور روک دیا یا
وہ کہ جس سے عثمان نے مدد چاہی تو وہ ٹال گیا اور

---

۱ نہج البلاغہ نامہ ۲۸

Presented by www.ziaraat.com

اور اس کی موت کے لئے اسباب مہیا کیا؟ البتہ
میں نے عثمان کی بدعنوانیاں اور اس کی
کجروی پر جو تنقیدیں کی ہیں۔ ہرگز اس کے
لئے معذرت خواہ نہیں ہوں اور اپنے کئے پر
پشیمان بھی نہیں ہوں اگر میرا گناہ یہی ہے کہ میں
نے اسے راہ ہدایت دکھائی تو یہ مجھے قبول ہے
اکثر ناکردہ گناہ ملامتوں کا نشانہ بن جاتے ہیں۔
مجھ سے جہاں تک بن پڑا میں نے یہی چاہا کہ
کہ اصلاح حال ہو جائے صرف اللہ کی توفیق کا
محتاج ہوں اور اسی پر میرا بھروسہ ہے۔
دوسرے خط میں معاویہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔
فامّا اكثارك الحجاج فی عثمان وقتلته فانك انما
نصرت عثمان حيث كان النصر لك وخذلته
حيث كان النصر له [1]
تو جو عثمان اور قاتلان عثمان کا تذکرہ بار بار چھیڑتا
ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ تو نے عثمان کی اس
وقت مدد کی جب تیرا اِمفاد مضمر تھا اور جب اس
کا فائدہ تھا تو تو نے اس کو تنہا چھوڑ دیا

---

[1] نہج البلاغہ، خط ۳۷

قتل عثمان بھی بہت سے فتنوں کی جڑ ہے اور اس قتل نے دنیا ئے اسلام میں ایسے سیکڑوں فتنوں کو جنم دیا جو صدیوں سے اسلام کے دامن گیر رہے ہیں اور آج تک ان کے آثار باقی ہیں مولائے کائنات کے کلام سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ عثمان پر سخت تنقید کرتے تھے اور انقلابی گروپ کو حق بجانب سمجھتے تھے لیکن مسند خلافت پر قتل عثمان کو مصالح اسلام کے خلاف سمجھتے تھے اور آپ قتل عثمان سے پہلے بھی اس کے بھیانک نتائج کے بارے میں سوچتے تھے کیونکہ عثمان کے جرائم اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ وہ شرع کے لحاظ سے قتل کے مستحق تھے یا نہیں دوسرے یہ کہ قتل عثمان کے اسباب جو اس کے دوستوں نے سوچ سمجھ کر یا جہالت میں مہیا کئے تھے اور انقلابیوں کے لئے سوائے قتل عثمان کے تمام راستے بند کر دیئے تھے یا ایک بات ہے اور یہ کہ عثمان کا شورش کرنے والوں کے ہاتھوں مسند خلافت پر قتل ہوجانا اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں تھا یا نہیں یہ دوسری بات ہے۔

علیؑ کے پورے کلام سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ آپؑ یہ چاہتے تھے کہ عثمان اپنا رویہ بدل کر صحیح اور عدالت اسلامی کی راہ پر گامزن ہو جائیں اور مخالفت کی صورت میں انقلابی گروپ انھیں مسند خلافت سے الگ کر کے قید کر دے اور مسند خلافت پر شائستہ انسان آجائے اور وہ خلیفہ (عثمان) کے جرائم کی چھان بین کر کے حکم صادر کرے۔

لہٰذا نہ تو علیؑ نے قتل عثمان کا فرمان صادر فرمایا اور نہ انقلابیوں کو کھلے میں ان کی تائید کی آپ کی پوری کوشش یہی تھی کہ بغیر کشت وخون کے انقلابیوں کو شرعی مقاصد حاصل ہو جائیں یا تو خود عثمان اپنی اصلاح کر لے یا عہدہ

Presented by www.ziaraat.com

خلافت سے دست بردار ہوکر اسے اس کے اہل کے حوالے کردے علیؑ نے دونوں کے لئے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنایا ۔

استاثر فاساء الأثرۃ وجزعتم فاسأتم الجزع[1]

عثمان نے خود سرانہ روش اپنائی اور انہوں نے (اپنے عزیزوں) کی طرف داری کی تو بری طرح طرف داری کی اور تم گھبرا گئے تو بری طرح گھبرا گئے

جب آپ انقلابیوں اور عثمان کے درمیان ثالثی کا کام انجام دے رہے تھے اس وقت بھی آپ نے اس بات پر کہ عثمان مسند خلافت پر قتل ہوا اور مسلمانوں کے لئے فتنہ کا عظیم باب کھل جائے " اپنی تشویش کا اظہار فرمایا اور خود عثمان سے کہا:۔

" وانی انشدک اللہ الا تکون امام ھذہ الامۃ المقتول، فانہ کان یقال: یقتل فی ھذہ الامۃ امام یفتح علیھا القتل والقتال الی یوم القیامۃ، ویلبس امورھا علیھا، ویبث الفتن فیھا، فلا یبصرون الحق من الباطل، یموجون فیھا موجا، ویمرجون فیھا مرجا[2]

میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کوئی ایسا کام نہ کرو کہ تم اس امت کے مقتول رہبر کہلاؤ کیونکہ کہا گیا ہے کہ اس امت کا ایک پیشوا قتل کیا جائےگا

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۳۰ ۔ [2] نہج البلاغہ خطبہ ۱۶۴

Presented by www.ziaraat.com

اور اس کا قتل امت

کے لیئے قتل وخونریزی کے دروازے کو ہمیشہ کے لئے کھول

دے گا اور امت کے تمام امور کو مشتبہ کر دے گا اور اس امت

میں ایسے فتنے پیدا کرے گا کہ لوگ حق کو باطل سے جدا کر کے نہ

دیکھ سکیں گے اور وہ انہیں فتنوں میں غوطے کھاتے رہیں گے

اور تہہ و بالا ہوتے رہیں گے ۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی نقل کیا ہے آپ جس طرح عثمان کی زندگی میں ان کی موجودگی یا عدم موجودگی میں ان پر تنقید کرتے تھے اسی طرح عثمان کے مرنے کے بعد بھی ان کی غلطیوں اور انحراف کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے اور اس مقولہ اذکروموتاکم بالخیر "کو جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ معاویہ کا کلام جو اس نے غلط اور فاسد حکومتوں کے فائدہ کے لیئے کہا تھا تاکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے کرتوتوں کو لوگ بھول جائیں اور آنے والی نسلوں کے لیئے درس عبرت اور بعد میں وجود میں آنے والی فاسد وغلط حکومتوں کے لیئے کوئی خطرہ نہ ہو " کی پیروی نہیں کی ہے

اور اب تنقید کے موارد ۔

(۱) ۱۲۸ ویں خطبہ میں جناب ابوذر کو رخصت کرتے وقت " جب عثمان نے جناب ابوذر کو جلاوطنی کا حکم دیا تھا " اس وقت آپؑ نے چند جملے ارشاد فرمائے تھے آپ نے جناب ابوذر (آپ حکومت پر اعتراض وتنقید کرنے والے اور انقلابی) کو حق بجانب قرار دیا اور ان کی حمایت کی اور ضمناً عثمان

Presented by www.ziaraat.com

کی حکومت کو مقصد قرار دیا

(۲) ۳۰ ویں خطبہ میں ایک جملہ نقل ہوا ہے جو پہلے بھی گزر چکا ہے:

استاثر فأساء الاثرۃ۔

عثمان نے اقربا پروری اور خاندان پرستی کی راہ
اپنائی اور بری طرح اپنائی

(۳) عثمان ایک کمزور آدمی تھا اس کی کچھ بھی نہیں چلتی تھی اس کے اعزا واقربا خصوصًا، مروان بن حکم "کہ جس کو رسولؐ نے شہر بدر کر دیا تھا عثمان نے اس کو مدینہ میں واپس بلا لیا اور آہستہ آہستہ وہ عثمان کا وزیر بن گیا خاندان والے اس پر بری طرح مسلط ہو گئے تھے اور عثمان کے نام پر اپنی من مانی کیا کرتے تھے علیؑ نے ان کی اس حرکت کو تنقید کا نشانہ بنایا اور عثمان کے منھ پر کہا کہ:-

"فلا تکونن لمروان سیقۃ یسوقک حیث شاء
بعد جلال السن وتقضّی العمر[1]

تم سن رسیدہ ہو چکے ہو اور تمہاری ساری عمر
گزر چکی ہے تم مروان کے ہاتھوں میں اپنی مہار
نہ دو کہ جہاں جی چاہے تمہیں کھینچ کر لے جائے

(۴) عثمان مولائے کائنات سے بدظن بھی تھے وہ مدینہ میں آپؑ کے وجود کو اپنے لئے مضر اور خلل انداز سمجھتے تھے آپؑ کو انقلابیوں کا پشت پناہ تصور

---

1. نہج البلاغہ خطبہ ۱۶۴

Presented by www.ziaraat.com

کیا جاتا تھا کبھی کبھی انقلابی دھڑا علیؑ کی حمایت میں نعرہ بلند کرتا اور وہ قانونی طور سے عثمان کی معزولی اور علیؑ کی حاکمیت کا مطالبہ کرتا تھا اس لئے عثمان کی خواہش تھی کہ علیؑ مدینہ میں نہ رہیں تاکہ انقلابی دھڑے کی ان سے کم سے کم ملاقات ہو لیکن دوسری طرف عثمان آشکار طور پر یہ بھی دیکھتے تھے کہ علیؑ ان کے اور انقلابیوں کے درمیان ثالثی کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور علیؑ کا وجود ان کے لئے باعث سکون واطمینان ہے۔ اس لئے علیؑ سے درخواست کی کہ آپؑ وقتی طور پر مدینہ سے "ینبع" کہ جہاں آپ کا مزرعہ (فارم تھا) کہ جو مدینہ سے دس فرسخ کے فاصلے پر تھا، چلے جائیں۔

لیکن ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ آپ کی کمی کا شدت سے احساس ہوا لہٰذا پیغام بھیجا کہ مدینہ واپس آجایئے۔

جب علیؑ مدینہ واپس آئے تو خود بخود ان کی حمایت اور شدید ہو گئی تو دوبارہ علیؑ سے مطالبہ کیا کہ آپ پھر مدینہ کو ترک کر کے اپنے مزرعہ (فارم) چلے جائیں۔ ابن عباس عثمان کا پیغام لائے کہ جس میں آپ سے مدینہ کو ترک کر کے کچھ دنوں کے لئے اپنے مزرعہ (فارم) چلے جانے کا تقاضا کیا گیا تھا عثمان کے اس توہین آمیز رویے پر مولا کو دلی تکلیف ہوئی اور فرمایا:۔

یا ابن عباس ما یرید عثمان الا ان یجعلنی جملاً ناضحاً بالغرب اقبل وادبر، بعث الیّ ان اخرج ثم بعث الیّ ان اقدم ثم ھو الان یبعث الیّ ان اخرج، واللہ لقد دفعت عنہ حتی خشیت ان اکون آثماً۔ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۴۰)

Presented by www.ziaraat.com

اے ابن عباس! عثمان صرف یہ چاہتا ہے کہ مجھے
پانی کھینچنے والا اونٹ بنالے کہ جس کا کام یہ ہے کہ
ایک محدود و معین جگہ میں (کنویں سے پانی کھینچنے
کے لئے) وہ جائے اور پلٹے عثمان نے پیغام بھیجا
ہے کہ مدینہ سے چلا جاؤں اس کے بعد پیغام دیا
کہ واپس آجاؤں اور اب دوبارہ تم کو بھیجا ہے کہ
پھر مدینہ کو ترک کر دوں۔ خدا کی قسم میں نے عثمان
کا اتنا زیادہ دفاع کیا ہے کہ مجھے اس بات کا خوف
ہے کہ گناہ گار نہ ہوں۔

(۵) سب سے زیادہ سخت اور شدید تنقید خطبہ شقشقیہ میں ہے۔

"الی ان قام ثالث القوم نافجا حضنیه بین نثیله
ومعتلفه وقام معه بنوا بیه یخضمون مال الله
خضمة الابل نبتة الربیع الی ان انتکث
فتله واجهز علیه عمله وکبت به بطنته"

یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھلائے
سرگین (حیوانات کا پاخانہ) اور چراگاہ کے درمیان
کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے رشتہ دار
بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور اللہ کے مال کو اس طرح
نگلنا شروع کر دیا جس طرح اونٹ فصل ربیع میں
گھاس کو چرتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آگیا

Presented by www.ziaraat.com

جب اس کی بٹی ہوئی رسی کے بل کھل گئے اور اس کی
بداعمالیوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور شکم پری نے
اس کو منہ کے بل گرا دیا۔

ابن ابی الحدید ان کلمات کی شرح میں تحریر کرتے ہیں :۔

مولاؑ کی یہ عبارت تلخ ترین عبارت ہے اور میری
نگاہ میں خطبہ کے مشہور شعر کہ جس کے بارے میں
کہا جاتا ہے سب سے زیادہ مذمت آمیز شعر ہے"
سے بھی زیادہ شدید ہے خطبہ کا مشہور شعر

یہ ہے۔

"دع المکارم لا ترحل لبغیتھا
واقعد فانک انت الطاعم الکاسی

Presented by www.ziaraat.com

تلخ سکوت

خلافت سے متعلق تیسرا مسئلہ جس کا ذکر نہج البلاغہ میں ہوا ہے حضرت علیؑ کا سکوت حسن خلق اور اس کا فلسفہ ہے ۔

سکوت اور خاموشی یعنی آپ کا تلوار نہ اٹھانا اور حکومت کے خلاف بغاوت نہ کرنا ورنہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ مولائے کائنات کو جب بھی مناسب موقع ملا آپ نے اپنے حق کے مطالبہ اور اپنے اوپر کئے جانے والے ظلم کو کھل کر بیان کیا ہے ۔

علیؑ اس خاموشی کو تلخ جان لیوا اور اذیت ناک قرار دیتے ہیں ۔

واغضیت علی القذی وشربت علی الشجی و

صبرت علی اخذ الکظم وعلی امر من العلقم"

میری آنکھوں میں خار تھا مگر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور میرے گلے میں ہڈی پھنسی ہوئی تھی لیکن میں نے زبردستی نگل لیا میرا دم گھٹا جا رہا تھا اور حنظل سے کڑوی شئی میرے دہن میں ڈال دی گئی تھی لیکن میں نے صبر کیا ۔

حضرت علیؑ کی خاموشی سوچی سمجھی اور منطقی تھی آپؑ نے مجبوری اور

Presented by www.ziaraat.com

بے چارگی کی بنا پر سکوت کو اختیار نہیں کیا تھا یعنی مصلحت کی وجہ سے آپ نے دو کاموں میں سے کہ جن میں کا ایک آسان اور دوسرا مشکل تھا اسی مشکل کام کو منتخب کیا قیام کرنا آپ کے لئے بہت آسان تھا زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ یار و مددگار نہ ہونے کے سبب آپؑ اور آپؑ کے بیٹے شہید ہو جاتے شہادت تو علیؑ کی دیرینہ آرزو تھی اتفاق سے اسی زمانہ میں آپ نے ابوسفیان سے اپنی گفتگو کے درمیان یہ جملہ ارشاد فرمایا:

واللہ لا بن ابی طالب انس بالموت من الطفل بثدی

امه۔[1]

خدا کی قسم فرزند ابوطالب موت سے اسی طرح مانوس ہے جس طرح بچہ ماں کے پستان سے مانوس ہوتا ہے۔

علیؑ نے اس جملہ سے ابوسفیان اور دوسرے لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ علیؑ نے موت کے ڈر سے خاموشی نہیں اختیار کی بلکہ اس ماحول میں قیام اور شہادت اسلام کے لئے مفید نہیں تھا بلکہ مضر تھا۔

علیؑ خود وضاحت فرماتے ہیں کہ میری خاموشی مصلحت آمیز تھی میں نے دو راہوں میں سے جس میں زیادہ مصلحت تھی اس کو منتخب کیا۔

وطفقت ارتای بین ان اصول بید جذاء

او اصبر علی طخیة عمیاء یھرم فیھا الکبیر و

یشیب فیھا الصغیر و یکدح فیھا مومن حتی

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۵

Presented by www.ziaraat.com

یلق ربه فرأیت ان الصبر علی هاتا احجی فصبرت

وفی العین قذیً وفی الحلق شجیً [1]

میں سوچنے لگا کہ ان دونوں راہوں میں سے کس کو اختیار کروں؟ کیا اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کر دوں یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں کہ جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جد و جہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہونچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیرے پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا میں نے صبر کیا جب کہ میری آنکھوں میں خار اور گلے میں ہڈی پھنسی تھی۔

اسلامی اتحاد

فطری طور پر ہر انسان یہ جاننا چاہتا ہے کہ کونسی شئی تھی کہ جس کے بارے میں علی فکر مند تھے، وہ کون سی شئی تھی کہ علی جس کو تباہی سے بچانا چاہتے تھے

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۳

Presented by www.ziaraat.com

وہ کون سی شئی تھی کہ جس کو علیؑ نے اتنی اہمیت دی کہ اس کے لئے اس جاں کاہ رنج و ستم کو برداشت کیا ؟ اندازاً یہ کہنا چاہیئے کہ وہ عظیم شئی مسلمانوں کا اتحاد اور ان کی شیرازہ بندی تھی ـــــ مسلمانوں کی طاقت اور قدرت جو نئی نئی ساری دنیا پر عیاں ہوئی تھی وہ اسی اتحاد اور وحدت کلمہ کا نتیجہ تھی اور مسلمانوں نے بعد میں بھی اسی وحدت کلمہ کی بدولت حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کیں اسی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے آنحضرت نے خاموشی اختیار کی ۔

کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک چھتیس سالہ جوان اپنی دوراندیشی اور اخلاص کی اس منزل پر پہونچ گیا ہو اور اپنے نفس پر اس حد تک مسلط ہو کہ اسلام کا وفادار اور اس پر مر مٹنے کے لئے دل و جان سے تیار ہو اور اس نے اسلام کے لئے ایسی راہ اپنائی ہو کہ جس کی انتہا اس کے حق سے محرومیت اور اس کی شخصیت کا بکھر جانا ہے ؟

جی ہاں بالکل یہ بات عقل میں آنے والی ہے علیؑ کی معجز نما شخصیت ایسے ہی مراحل میں ابھر کر سامنے آتی ہے ۔ صرف یہ وہم و گمان ہی نہیں بلکہ علیؑ نے خود اس سلسلہ میں صراحت کے ساتھ فرمایا کہ میرے سکوت کی علت صرف "مسلمانوں کا اتحاد" ہے خصوصاً اپنے عہد خلافت میں جب طلحہ و زبیر نے بیعت توڑ دی اور داخلی فتنہ پردازی میں پڑ گئے تو آپ نے بعد پیغمبرؐ اپنے موقف اور ان لوگوں کے موقف میں متعدد بار موازنہ کیا اور فرمایا ۔ میں نے مسلمانوں کے اتحاد کے لئے اپنے مسلّم حق سے چشم پوشی کی ہے تاکہ اتحاد باقی رہے لیکن ان لوگوں نے پہلے خوشی سے بیعت کی اور بعد میں اپنی بیعت توڑ دی اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جانے کی ان لوگوں نے پرواہ نہ کی ۔

Presented by www.ziaraat.com

ابن ابی الحدید خطبہ نمبر ۱۱۹ کی شرح میں عبداللہ بن جنادہ سے نقل کرتے ہیں، کہ اس نے کہا۔

علیؑ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں میں حجاز میں تھا، اور عراق جانے کا قصد تھا مکہ میں عمرہ کرنے کے بعد مدینہ آگیا جب مسجد پیغمبرؐ میں داخل ہوا تو دیکھا لوگ نماز کے لئے جمع ہیں علیؑ اس عالم میں کہ ان کی کمر میں تلوار حمائل تھی باہر تشریف لائے اور آپ نے لوگوں سے خطاب کیا آپ نے حمد و ثنائے الہی اور رسول خدا پر درود کے بعد فرمایا، وفات پیغمبرؐ کے بعد ہم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ امت ہمارے حق کی اس طرح لالچی بن جائے گی جس کی توقع نہیں تھی وہ سب کچھ ہوا ہمارے حق کو غصب کر لیا ہمیں عام انسانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور سخت صدمہ پہونچا۔

وایم اللہ لولا مخافۃ الفرقۃ بین المسلمین و ان یعود الکفر و یبور الدین لکنا علی غیر ما کنا لھم علیہ۔

خدا کی قسم اگر مسلمانوں کے درمیان اختلاف کفر کی بازگشت اور دین کی تباہی و بربادی کا خطرہ نہ ہوتا تو ہم

Presented by www.ziaraat.com

ان لوگوں کے ساتھ دوسرے طریقہ سے پیش آتا۔

اس کے بعد طلحہ و زبیر کے بارے میں فرمایا۔

ان دونوں نے میرے ہاتھوں پر بیعت کی لیکن بعد میں توڑ دی اور عائشہ کو بہکا کر اپنے ساتھ بصرہ لے گئے تاکہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈال سکیں۔

اور کلبی سے بھی نقل کرتے ہیں:

حضرت علیؑ نے بصرہ جانے سے پہلے ایک خطبہ دیا اور فرمایا رسول خدا کے بعد قریش ہمارے حق کو چھین کر اس پر قبضہ کر بیٹھے۔

فرایت ان الصبر علی ذالک افضل من تفریق کلمة المسلمین و سفک دمائهم والناس حدیثوا عهد بالاسلام والدین یمخض مخض الوطب یفسده ادنیٰ وهن و یعکسه اقل خلق۔

میں نے مسلمانوں کے تفرقہ اور ان کی خونریزی سے صبر کو بہتر سمجھا کہ لوگ نئے مسلمان ہیں۔ دین اُس مشک کی طرح ہے کہ جس کو حرکت دی جاتی ہے اور تھوڑی سی تساہلی اس کو برباد کر دیتی ہے اور معمولی سا انسان اس کو تہہ و بالا کر دیتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

اس کے بعد فرمایا کہ طلحہ وزبیر کو کیا ہو گیا ہے ؟ بہتر تو
یہ تھا ایک سال یا کم سے کم چند مہینے صبر کرتے اور میری
حکومت کو دیکھتے اس کے بعد کوئی منصوبہ بناتے
لیکن وہ برداشت نہ کر سکے اور میرے خلاف
بغاوت شروع کردی اور اس چیز کے بارے میں کہ
جس میں خدا نے ان کو کوئی حق نہیں دیا تھا مجھ سے
الجھ گئے ۔

ابن ابی الحدید خطبۂ شقشقیہ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں :۔
شوریٰ کے واقعہ میں چونکہ عباس جانتے تھے کہ
کیا نتیجہ نکلے گا اس لیے علیؑ سے پیش کش کی آپ جلسہ
میں شرکت نہ فرمائیں لیکن آپؑ باوجودیکہ عباس
کے نظریہ کی تائید فرما رہے تھے، ان کی پیش کش
قبول نہیں کی، آپ کا عذر یہ تھا انی اکرہ الخلاف
مجھے اختلاف پسند نہیں ہے، عباس نے کہا
اذاتری ماتکرہ یعنی آپ کو جو پسند نہیں ہے وہ
آپ کے سامنے آئے گا ۔

جلد دوم میں ۶۵ ویں خطبہ کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں :
ابولہب کی اولاد میں سے کسی نے مولائے کائنات
کی برحق فضیلت اور آں حضرت کے
مخالفین کی مذمت میں اشعار پڑھے ــــــ

Presented by www.ziaraat.com

علیؑ نے اس کو ایسے اشعار پڑھنے سے، کہ جس میں
حکومت کے خلاف اکسانے کی بو پائی جا رہی تھی
منع کیا اور فرمایا ۔ سلامة الدین احب الینا من
غیرہ ۔ مجھے اسلام کی بقا و دوام دوسری تمام چیزوں
سے زیادہ عزیز و محبوب ہے ۔

سب سے زیادہ واضح الفاظ میں خود نہج البلاغہ اس کو بیان کرتی ہے ۔ تین جگہوں پر نہج البلاغہ میں یہ تصریح موجود ہے ۔

۱ ۔ جب ابو سفیان آپ کے پاس آیا اور ہمدردی بن کر اس نے فتنہ برپا کرنا چاہا تو آپؑ نے فرمایا :

شقوا امواج الفتن بسفن النجاة و عرجوا عن طریق
المنافرة وضعوا عن تیجان المفاخرة ۱
بحر فتنہ و فساد کی امواج کو نجات کی کشتیوں کے
ذریعہ چیر ڈالو تفرقہ اور انتشار کی راہوں سے اپنا
منہ موڑ لو ۔ فخر و مباہات کے تاج اتار ڈالو ۔

۲ ۔ چھ آدمیوں والی شوریٰ میں عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف سے عثمان کے انتخاب پر فرمایا :

لقد علمتم انی احق الناس بها من غیری وواللہ
لاسلمنّ ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیها

---

۱ نہج البلاغہ خطبہ ۵

Presented by www.ziaraat.com

جورًا الا علیّ خاصۃ [1]

تم سب جانتے ہو کہ میں خلافت کا دوسروں سے زیادہ
حقدار ہوں خدا کی قسم جب تک مسلمانوں کے امور
کا نظم و نسق برقرار رہے گا اور صرف میری ہی ذات
ظلم و جور کا نشانہ بنتی رہے گی میں خاموش رہوں گا

۳۔ جب آپ نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ نے مصر کی عوام کے نام ایک خط تحریر فرمایا:۔ (یہ خط اس مشہور و معروف دستورالعمل کے علاوہ ہے جو مالک اشتر کو لکھا تھا) اس خط میں صدر اسلام کے واقعات کو تحریر فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

فامسکت یدی حتی رأیت راجعة الناس رجعت
عن الاسلام یدعون الی محق دین محمد (ص)
فخشیت ان لم انصر الاسلام و اھلہ آن اری فیہ
ثلما او ھدما تکون المصیبة بہ علی اعظم من
فوت ولایتکم التی انما ھی متاع ایام قلائل [2]

میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا
کہ کچھ لوگ اسلام سے برگشتہ ہو گئے (مرتد ہو گئے)
اور لوگوں کو دین محمدی کے مٹانے کی دعوت دے
رہے ہیں تو میں ڈرا کہ اگر کوئی رخنہ اور خرابی دیکھتے

1۔ نہج البلاغہ خطبہ ۔۷۲ ۔ 2۔ نہج البلاغہ نامہ ۔ ۶۲

Presented by www.ziaraat.com

ہوئے بھی اس نازک وقت میں اسلام اور مسلمانوں
کی مدد نہ کروں گا تو یہ میرے لئے اس سے بڑھ کر
مصیبت ہوگی جتنی اس چند روزہ حکومت کے ہاتھ
سے چلے جانے کے بعد ہوگی

دو ممتاز موقف

حضرت علیؑ نے اپنے کلام میں دو موقعوں پر ایسے دو عظیم موقعوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور ان دو موقعوں پر اس ممتاز موقف کو اپنی ذات میں منحصر قرار دیا ہے۔ یعنی آپ نے ان عظیم موقعوں پر جو مخصوص قدم اٹھایا دنیا کا کوئی شخص بھی ایسے ماحول میں ایسا اقدام نہیں کر سکتا۔ علیؑ نے ان دو موقعوں میں ایک جگہ سکوت اپنایا اور دوسری جگہ قیام کیا۔ باوقار خاموشی اور باعظمت قیام۔ ہم علیؑ کے سکوت کی علت بیان کر چکے ہیں۔

کبھی ناساعد حالات میں خاموشی اور سکوت بہت سے خونی قیام سے زیادہ قوت اور نفس پر تسلط کی محتاج ہوتی ہے، ایک ایسے انسان کو فرض کیجئے جو شجاعت و شہامت اور غیرت کا مجسمہ ہو۔ جس نے کبھی بھی دشمن کو پیٹھ نہ دکھائی ہو جس کے نام سے بڑے بڑے سورماؤں کے بدن کانپتے ہوں اس کے سامنے ایسے حالات آتے ہیں کہ چند سیاسی لوگ موقع سے غلط فائدہ اٹھا کر اس کی زندگی دشوار کر دیتے ہیں اور اس کی عزیز ترین زوجہ کی توہین کرتے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

اور جب وہ گھر میں غصہ کی حالت میں داخل ہوتا ہے اور زوجہ ایسے جملوں کے ذریعہ کہ جن کو سن کر پہاڑ لرز اٹھیں اپنے غیرت دار شوہر سے شکوہ کرتی ہیں اور فرماتی ہیں ۔

اے فرزند ابوطالب کیوں گوشۂ خانہ میں پنہاں ہوگئے ہو
آپ وہی تو ہیں کہ جن کے نام سے بڑے بڑے
بہادروں کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں اور اس وقت
ایک کمزور و ناتواں انسان کے مقابل ماند پڑ گئے
ہیں ۔ کاش میں مرگئی ہوتی اور مجھے یہ دن نہ
دیکھنے پڑتے ۔

ایک طرف تو علیؑ حالات سے رنجیدہ تھے اور دوسری طرف ان کی عزیز اور محبوب زوجہ انہیں اس طرح جوش دلا رہی تھیں یہ کون سی طاقت تھی کہ جو علیؑ کو ٹس سے مس نہیں ہونے دیتی علیؑ جناب زہراؑ کی بات سننے کے بعد اطمینان و سکون سے فرماتے ہیں ، نہیں ، میں بدلا نہیں ہوں ، میں وہی ہوں جو تھا ، مگر مصلحت دوسری چیز ہے یہاں تک کہ جناب زہراؑ کو قانع کر لیتے ہیں اور زبان زہراؑ سے ان کلمات کو سنتے ہیں حسبی اللہ نعم الوکیل ۔

ابن ابی الحدید ۲۱۵ ویں خطبہ کے ذیل میں اس مشہور واقعہ کو نقل کرتے ہیں :-

ایک روز جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا حضرت علیؑ
سے قیام کرنے کے لئے کہہ رہی تھیں کہ اسی وقت
مؤذن کی آواز بلند ہوئی

Presented by www.ziaraat.com

اشہد ان محمداً رسول اللہ علیؑ نے جناب زہرا(س)
سے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ یہ صدا ختم ہو جائے آپ
نے فرمایا: نہیں میرا مقصد نہیں ہے۔

لیکن باعظمت قیام کہ جو ذات علیؑ میں منحصر ہے جیسا کہ فخریہ انداز میں فرمایا کہ خوارج کے مقابلہ میں قیام کرنے کی کسی میں جرأت وہمت نہیں تھی۔

فانا فقأت عین الفتنہ ولم یکن لیجتری علیھا
احد غیری بعد ان ماج غیبھا واشتد کلبھا

تنہا میری ہی ذات تھی کہ جس نے اس فتنہ کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ میرے علاوہ کسی میں یہ جرأت نہیں تھی کہ اس کام میں ہاتھ ڈالتا میں نے اس وقت قدم اٹھایا کہ جب اس کی تاریکیاں گہری ہو گئیں تھیں اور اس کے کتے پاگل ہو گئے تھے۔ (خطبہ ۱۹۲)

خوارج کے ظاہری تقوے نے حقیقی مومنوں کے ایمان کو مشکوک بنا دیا تھا پورے سماج پر شک وتردید، نفاق و دو دلی کی مسموم فضا چھائی ہوئی تھی وہ بارہ ہزار تھے بے شمار سجدوں سے ان کی پیشانیوں اور گھٹنوں پر گھٹے پڑ گئے تھے انھوں نے زاہدوں کا روپ دھار لیا تھا رہن سہن خورد ونوش نشست وبرخاست زاہدوں کی سی تھی ہر وقت ذکر خدا کا ورد رہتا تھا لیکن نہ روح اسلام جانتے تھے اور نہ اسلامی ثقافت سے واقف تھے اپنی تمام خامیوں کو رکوع و سجود سے پورا کرتے تھے تنگ نظر، ریاکار اور جاہل تھے اور اسلام کے مقابل میں بہت بڑا باندھ تھے۔

Presented by www.ziaraat.com

علیؑ فخر ومباہات کے انداز میں فرماتے ہیں، میں ہی تھا کہ جوان خشک مقدس مآب لوگوں کے منصوبوں کو تاڑ گیا۔ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان، زاہدانہ بھیس اور دائم الذکر زبان میری چشم بصیرت میں دھول نہ جھونک سکی میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر انہوں نے اپنے پنجے گاڑ دیئے تو یہ اسلام کو جمود و عدم تحرک اور ریاکاری کے ایسے دلدل میں پھنسا دیں گے کہ اسلام کبھی اس سے باہر نہ نکل سکے گا۔

جی ہاں! یہ افتخار تو فقط فرزند ابوطالب کو حاصل ہے۔ کون سی طاقت ہے کہ جو ایسے حق بجانب چہروں کے مقابلہ میں نہ ہل سکے کون سا بازو ہے کہ جوان کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے لیے اٹھے اور نہ لرزے؟

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

حصہ ششم

بے مثال مواعظ

- دیگر مواعظ سے موازنہ۔
- موعظہ اور حکمت۔
- خطابت اور موعظہ۔ نہج البلاغہ کے بہترین حصے
- مواعظ نہج البلاغہ کے عناصر۔
- علیؑ کی منطق سے آشنائی۔
- تقویٰ۔
- تقویٰ تحفظ ہے زنجیر نہیں۔
- تقویٰ تحفظ ہے۔
- معاہدہ۔
- زہد و پارسائی۔
- اسلامی زہد اور مسیحی رہبانیت۔
- دو سوال
- اسلامی زہد کے تین ارکان
- زاہد و راہب
- زہد و ایثار
- ہمدردی
- زہد و آزاد منشی
- زہد و معنویت
- زہد و عشق و پرستش
- دنیا اور آخرت کا تضاد
- زہد یعنی کم خرچ بالا نشیں

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

بے مثال مواعظ

نہج البلاغہ میں مواعظ کا بہت بڑا حصہ ہے تقریباً نصف نہج البلاغہ مواعظ پر مشتمل ہے
اس کی زیادہ شہرت کا باعث اس کی حکمت عملی، مواعظ و نصائح ہیں
قرآن اور رسولؐ کے مواعظ اگرچہ مختصر ہی باقی بچے ہیں لیکن وہ نہج البلاغہ کی
اساس شمار ہوتے ہیں (اس کے باوجود) نہج البلاغہ کے مواعظ عربی فارسی
میں بے مثال ہیں۔

ان مواعظ نے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ (معاشرہ میں) مؤثر کردار
ادا کیا ہے اور آج بھی اس کی وہی شان ہے اب بھی ان زندہ کلمات میں یہ تاثیر
موجود ہے جو دلوں کو گرما دے، جذبات کو ابھار دے اور آنسوؤں کو
جاری کر دے اگر کسی میں ذرا سی بھی انسانیت کی بو ہو گی تو اس پر ان کلمات
کا ضرور اثر ہو گا۔

دیگر مواعظ سے موازنہ

عربی و فارسی میں مواعظ بہت زیادہ ہیں ایسے مواعظ بھی ہیں جو لطافت
میں منزل اوج کو پہونچ گئے ہیں لیکن یہ تمام مواعظ نظم کے قالب میں ڈھلے

Presented by www.ziaraat.com

ہوئے ہیں۔

عربی میں (ابو الفتح بستی) کا قصیدہ اسی طرح ابو الحسن تہامی کا مرثیہ کہ جسے اس نے اپنے جوان بیٹے کی موت پر کہا تھا نیز بوصیری بصری کا مشہور قصیدہ (بردہ) ہے۔ یہ تمام آثار جاوداں ہیں اور اسلامی ادبیات عرب میں ستارے کے مانند چمک رہے ہیں جو ہرگز کہنہ و فرسودہ نہیں ہوں گے فارسی میں، کتاب گلستاں و بوستاں میں سعدی کے نصائح اشعار و قصائد نہایت جاذب و موثر اور اپنے فن میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بوستان سعدی نصیحت آمیز مواعظ سے بھری پڑی ہے اور شاید نواں باب جو توبہ اور راہ مستقیم کے بارے میں ہے سب سے زیادہ عالی ہے۔

اسی طرح مثنوی میں مولوی کے بعض مواعظ اور دیگر فارسی زبان کے شعراء کے مواعظ ہیں جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے

اسلامی ادبیات میں منتخب اور عالی حکم اور مواعظ ہیں اس کا انحصار صرف عربی و فارسی پر نہیں ہے بلکہ ترکی، اردو اور بعض دوسری زبانوں میں بھی نمایاں طور پر جلوہ گر ہیں۔

اگر کوئی قرآن، رسول اکرمؐ، امیرالمومنینؑ اور باقی ائمہ دین اور صدر اسلام کے بزرگ افراد کے کلمات سے آشنا ہے تو اسے معلوم ہوگا کہ ایک اسلامی روح ہے جو تمام فارسی مواعظ میں آشکار ہے روح وہی اسلامی روح ہے لیکن جو فارسی کی شیریں زبان کے پیکر میں ڈھلی ہوئی ہے۔

لیکن اگر کوئی عربی فارسی زبان میں مہارت رکھتا ہو نیز ان دوسری زبانوں سے واقف ہو جنہوں نے اسلامی ادبیات کی عکاسی کی ہے۔ اور اسلامی

Presented by www.ziaraat.com

مواعظ میں وجود پانے والے شہ پاروں کی جمع آوری کی ہے تو یہ بات خود بخود واضح ہو جائے گی کہ اسلامی تہذیب اس لحاظ سے نہایت ہی مستغنی اور ترقی یافتہ ہے۔

لیکن تعجب تو یہ ہے کہ تمام فارسی زبان کے ماہرین نے مواعظ کے لحاظ سے فقط شعر میں تو شہرت پائی ہے لیکن وہ نثر میں کوئی امتیازی مقام حاصل نہیں کر سکے ہیں

نثر میں اگر کوئی اثر موجود ہے بھی تو مختصر اور کلمات قصار کی شکل میں ہے جیسے گلستاں کے بعض حصے موعظہ کے بارے میں اپنی نوعیت کے شہ پارے ہیں۔ یا وہ جملے جو خواجہ عبداللہ انصاری سے نقل ہوئے ہیں۔

البتہ میری معلومات کم ہیں لیکن جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ فارسی متون میں نثر کی صورت میں کوئی ایسا موعظہ موجود نہیں ہے کہ جس سے کلمات قصار کی حدوں سے تجاوز کیا ہو خاص طور سے قلب کی گہرائی اور زبان سے نکلا ہو اور اس کے بعد اسے جمع کر کے کتابوں کے متن میں ثبت کر دیا گیا ہو (موجود نہیں ہے)

مولانا روم یا سعدی سے جو نشستیں نقل ہوئی ہیں کہ جن میں وہ اپنے ماننے والوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے وہ بھی ہمارے پاس ہیں لیکن ان میں وہ بات نہیں پائی جاتی جو ان حضرات کے اشعار میں ہے۔ پس کس طرح نہج البلاغہ کے مواعظ سے اس کا موازنہ یا مقائسہ کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح وہ متن بھی ہیں جو رسالہ یا خط کی شکل میں اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں۔ جیسے ابو حامد محمد غزالی کی نصیحۃ الملوک اور احمد غزالی کی تازیانہ سلوک

Presented by www.ziaraat.com

کہ جو ان کے شاگرد عین القضاۃ ہمدانی کے نام ایک مفصل خط کی صورت میں ہے

موعظہ اور حکمت

جیسا کہ قرآن مجید میں دعوت کے تین راستوں (حکمت، موعظہ، مجادلہ) میں سے موعظہ بہترین راستہ ہے۔

حکمت تعلیم ہے اور موعظہ یاد دہانی، حکمت آگہی ہے اور موعظہ بیداری حکمت جہالت سے اور موعظہ غفلت سے جہاد کرنے کا نام ہے، حکمت کا تعلق عقل و فکر سے ہے موعظہ کا دل اور عاطفہ سے سروکار ہے حکمت سکھاتی ہے اور موعظہ یاد دہانی کراتا ہے حکمت انسان کی ذہانت میں اضافہ کرتا ہے اور موعظہ ذہن انسانی کو موجودات سے فائدہ حاصل کرنے پر ابھارتا ہے، حکمت چراغ ہے اور موعظہ کسی چیز کے دیکھنے کے لئے آنکھیں کھولتا ہے حکمت یعنی فکر کرنا اور موعظہ اپنے کو پانا ہے، حکمت عقل کی زبان اور موعظہ روح کا پیغام ہے واعظ کا موعظہ میں ایک بنیادی کردار ہوتا ہے حکمت کے برخلاف کہ اس میں روحیں آپس میں بیگانوں کی طرح باتیں کرتی ہیں اور موعظہ میں بجلی جیسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ ایک طرف کہنے والا ہوتا ہے اور دوسری طرف سننے والا اسی لئے اس قسم کی گفتگو میں ایسا ہوتا ہے کہ اگر بات دل سے نکلتی ہے تو یقیناً دل کو لگتی ہے اور اگر بات دل سے نہ نکلے تو پھر کان سے آگے نہیں بڑھتی

Presented by www.ziaraat.com

موعظوں میں یہ بات ضرب المثل ہو گئی ہے ۔

الکلام اذا خرج من القلب دخل فی القلب
واذا خرج من اللسان لم یتجاوز الاذن
بات اگر دل سے نکلتی ہے تو دل میں بیٹھ جاتی ہے
اور اگر صرف لقلقۂ زبان ہو تو پھر کانوں سے بھی نہیں
گزر سکتی (یعنی کان بھی قبول نہیں کرتے)

خطابت اور موعظہ

خطابت اور موعظہ میں بھی فرق ہے خطابت کا تعلق اگرچہ جذبات سے بھی ہے لیکن جذبات کو بھڑکانے اور برانگیختہ کرنے سے مخصوص ہے اور موعظہ جذبات کو کنٹرول اور قابو میں لانے کے لئے ہے خطابت سرد اور منجمد جذبات کو حرارت بخشنے کے کام میں آتی ہے، اور موعظہ کی وہاں ضرورت ہوتی ہے ۔

جہاں جذبات اور شہوتیں بے لگام و آزاد ہو کر کام کرنے لگتی ہیں خطابت غیرت، حمیت، حمایت، دلیری، فوقیت طلبی، عزت طلبی، مردانگی، شرافت، کرامت اور نیکوکاری کے جذبات کو وجود دیتی ہے اور جوش وولولہ کا ایک طوفان چھوڑ جاتی ہے موعظہ جذبات اور طوفان کو ٹھنڈا کر کے دور اندیشی کا راستہ فراہم کرتا ہے لیکن خطابت عقل سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لیتی ہے اور جذبات کے طوفان کے سپرد کر دیتی ہے خطابت سے انسان بے قابو ہو جاتا ہے اور موعظہ انسان کو کنٹرول میں رکھتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

موعظہ اور خطابت دونوں ضروری چیزیں ہیں، نہج البلاغہ میں دونوں سے استفادہ ہوا ہے لیکن ان کے لئے موقع شناسی اہم مسئلہ ہے یعنی ہر ایک کو اس کے موقع ومحل پر استعمال کیا جائے، حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے ولولہ انگیز خطبے اس وقت دیئے جب جذبات کو برانگیختہ کرنے کی شدید ضرورت تھی اور ظالم حکومت کی بنیادوں کو کھود ڈالنے کی شدید ضرورت تھی جیسا کہ صفین میں معاویہ کے اولین رویہ کے بعد آپ نے پرجوش خطبہ ارشاد فرمایا۔

معاویہ اور اس کے سپاہیوں نے چالاکی سے سب سے پہلے گھاٹ پر قبضہ کر لیا حضرت علیؑ اور آپ کے لشکر پر پانی بند کر دیا۔ حضرت علیؑ نے مذاکرات سے مسئلہ حل کرنے اور جنگ سے بچنے کی بہترین کوشش کی لیکن معاویہ کے دماغ میں کچھ اور ہی بسا ہوا تھا اس نے گھاٹ پر قبضہ کو اپنے لئے کامیابی کا راز سمجھ کر ہر قسم کے مذاکرات سے گریز کیا جب حالات آپ کے اصحاب کے لئے ناگفتہ بہ ہو گئے تو اس موقع پر بہتر یہ تھا کہ حضرت علیؑ اپنے اصحاب کے درمیان ایک پرجوش تقریر کر کے ایک ہی جملہ میں دشمن کو پیچھے ڈھکیل دیتے سو آپ نے اس طرح خطبہ کا آغاز کیا۔

قد استطعموكم القتال، فاقروا على مذلّة و
تاخير محلّة، او روّوا السيوف من الدماء تروّوا
من الماء فالموت في حياتكم مقهورين والحياة
في موتكم قاهرين، الاوانّ معاوية قاد لمّة من
الغواة وعمّس عليهم الخبر حتى جعلوا نحورهم
اغراض المنيّة "(خطبہ ۵۱)

معاویہ تم سے جنگ کا کھانا طلب کر رہا ہے

Presented by www.ziaraat.com

یا تو اب ذلت کے ساتھ پست جگہ میں پڑے رہو یا
تلواروں کو خون سے سیراب کر دو تو پھر پانی سے
سیراب ہو جاؤ گے ان سے دب جانا جیتے جی تمہاری
موت ہے اور غالب آ کر مرنے میں زندگی ہے آگاہ
ہو جاؤ کہ معاویہ گمراہوں کا ایک چھوٹا سا جتھا میدان
جنگ میں گھسیٹ لایا ہے اور انہیں حقائق سے
ناواقف رکھا ہے یہاں تک کہ انھوں نے اپنے گلوں
کو تمہارے تیروں (موت) کا نشانہ بنا دیا ہے۔

آپ کی تقریر نے خون میں حرارت اور لوگوں کی غیرت کو بیدار کر دیا اور شام سے پہلے ہی لشکر معاویہ کو پسپا کر کے گھاٹ پر اصحاب علیؑ نے قبضہ کر لیا۔

لیکن مواعظ علیؑ دوسرے ہی ماحول میں انجام پائے ہیں، خلفا کے دور میں خصوصاً عثمان کے زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کو پے در پے فتح نصیب ہو رہی تھی اور مال غنیمت بے حساب ہاتھ آ رہا تھا لیکن اس مال سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے کوئی خاص منصوبہ نہیں تھا اور خصوصاً عثمان کے زمانے میں (اریسٹوکراسی) بلکہ خاندانی حکومت کے آجانے کے سبب مسلمانوں کے درمیان میں اخلاقی فساد، دنیا پرستی اور عیش و نشاط پھیل چکا تھا خاندانی تعصب دوبارہ زندہ ہو گیا تھا عرب و عجم کا تعصب بہت بڑھ گیا تھا اس دنیا پرستی اور مال غنیمت سمیٹنے کے شور و غل اور تعصب کے اندھیرے میں صرف حضرت علیؑ کے ملکوتی موعظہ کی فریاد بلند تھی۔

انشاءاللہ آنے والی فصلوں میں ان عناصر کے بارے میں گفتگو ہو گی جو حضرت علیؑ کے مواعظ میں موجود ہیں جیسے تقویٰ، دنیا، طول امل و خواہشات نفسانی زہد

Presented by www.ziaraat.com

گزشتگان کے حالات سے عبرت، موت کے ہولناک واقعات اور قیامت کا

بھیانک منظر وغیرہ۔

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ کے بہترین حصے

سیدرضیؒ نے حضرت علیؑ کے ۲۳۹ خطبوں کو جمع کیا ہے (ہرچند یہی تمام خطبے نہیں ہیں) ان میں ۸۶ خطبے موعظہ یا کم از کم موعظہ پر مشتمل ہیں البتہ ان میں سے بعض خطبے طولانی اور تفصیلی ہیں جیسے خطبہ نمبر ۷۳، اگرچہ اس جملہ سے شروع ہوتا ہے اتقوا ببیان اللہ "، اور نہج البلاغہ کا سب سے طویل خطبہ جو خطبۂ قاصعہ کے نام سے مشہور ہے، اور خطبہ نمبر ۱۹۱ جس کو خطبۂ متقین کہتے ہیں ۔

اسی طرح وہ تمام خطوط جن کی تعداد ۷۹ ہے ۔ ان میں سے بھی ۲۵ خطوط (اگرچہ سب کے سب خطوط نہیں ہیں) یا تو موعظے سے پر ہیں یا پھر وعظ و نصیحت پر مشتمل ان میں کچھ جملے ہیں، ان میں سے بعض خطوط تفصیلی اور طولانی ہیں جیسے خط نمبر ۳۱ جو ایک نصیحت آمیز خط ہے اور جسے آپ نے اپنے فرزند امام حسنؑ مجتبیٰ کے نام تحریر فرمایا ہے، مالک اشتر والے خط کے بعد آپ کا یہ طویل ترین خط ہے اور حضرت کا خط نمبر ۴۵ وہ مشہور خط ہے جو عثمان ابن حنیف بصرہ کے گورنر کو لکھا تھا

مواعظ نہج البلاغہ کے عناصر

نہج البلاغہ کے مواعظ متنوع ہیں جیسے تقویٰ، توکل، صبر، زہد کا اختیار کرنا

Presented by www.ziaraat.com

دنیا پرستی، عیش و نشاط، خواہشات نفس، طول امل، عصبیت، ظلم اور طبقاتی نظام سے کنارہ کشی، احسان، محبت مظلوم اور غریبوں کی حمایت کی ترغیب بالتقات، طاقت، شجاعت، اتحاد و اتفاق اور ترک اختلاف کی ترغیب دی گئی ہے اسی طرح تاریخ سے عبرت حاصل کرنا، تفکر و تذکر اور محاسبہ و مراقبہ کی طرف دعوت، تیزی کو عمر کے گزرنے کو یاد کرنا اور سکرات (نزع کا وقت) موت کے بعد کی سختیاں، عالم برزخ کے حالات، اور قیامت کے ہولناک دن کی یاد دہانی کی گئی ہے یہ وہ عناصر ہیں کہ جن کی طرف مواعظ نہج البلاغہ میں توجہ دی گئی ہے ۔

علیؑ کی منطق سے آشنائی

نہج البلاغہ کو اس نقطۂ نظر سے پہچاننے کے لئے یا دوسرے الفاظ میں علیؑ کو منبر وعظ و نصیحت میں پہچاننے اور آنحضرت کے مکتب موعظہ سے آشنائی حاصل کرنے اور (حکمت) اس عظیم سرچشمہ سے بہرہ مند ہونے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ آپ نے جن عناصر اور موضوعات کو اپنے کلام میں پیش کیا ہے علم صرف انھیں شمار کریں، یہ کافی نہیں ہے کہ مثلاً ہم یہ کہیں کہ حضرتؑ نے تقوٰی، توکل اور زہد کے بارے میں کیا کہا ہے بلکہ ہم یہ دیکھیں کہ ان معانی سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اور انسانوں کی تہذیب اور انھیں طہارت و پاکیزگی، معنوی آزادی اور قید و بند سے نجات کی طرف توجہ دلانے میں حضرت کا تربیتی فلسفہ کیا ہے؟

یہ کلمات عوام کی زبان پر خاص کر وہ لوگ جو اپنے کو واعظ کے روپ میں

Presented by www.ziaraat.com

پیش کرتے ہیں) رائج ہیں لیکن ان کلمات سے سب کی مراد یکساں نہیں ہوتی ہے کبھی بعض افراد ان کلمات سے الگ اور متضاد مفہوم مراد لیتے ہیں جس کی وجہ سے لامحالہ متضاد نتائج نکلتے ہیں ۔

اس لئے ضروری ہے کہ ان عناصر کے بارے میں مکتب علیؑ کے نقطۂ نگاہ سے قدرے تفصیلی گفتگو کریں۔ ہم اپنی گفتگو کا آغاز تقوے سے کرتے ہیں ۔

تقویٰ

تقویٰ نہج البلاغہ کے کثیر الاستعمال کلمات میں سے ایک ہے بہت کم کتابوں میں نہج البلاغہ کی طرح تقوے کے موضوع پر بحث ہوئی ہے، نہج البلاغہ میں جتنی اہمیت تقویٰ کو دی گئی ہے دوسرے معنیٰ اور مفہوم کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی ہے

تقویٰ کیا ہے ؟

عام طور سے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ تقویٰ یعنی "پرہیز گاری" دوسرے لفظوں میں تقویٰ ایک منفی عملی روش ہے یعنی جتنا اجتناب، پرہیز گاری اور کنارہ کشی میں اضافہ ہوگا اسی تناسب سے تقویٰ کامل ہوگا ۔

اس تفسیر کے مطابق تقوے کے تین مفہوم فرض کئے جا سکتے ہیں ۔

اولاً یہ کہ تقویٰ عمل سے پیدا ہوتا ہے دوسرے یہ کہ ایک منفی روش ہے تیسرے یہ کہ منفی پہلو جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی تقویٰ کامل ہوگا ۔

اسی لئے اپنے کو متقی ظاہر کرنے والے افراد (اس بات کے خوف سے) کہ

Presented by www.ziaraat.com

کہیں ان کے تقوے پر چھوٹا سا بھی دھبہ نہ آجائے ہر سیاہ و سفید، خشک و تر گرم و سرد چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں اور تمام کاموں میں ہر قسم کی مداخلت سے گریز کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پرہیز و اجتناب حیات بشر کی سالمیت کے اصولوں میں سے ایک ہے زندگی کی سالمیت میں نفی و اثبات، سلب و ایجاب، ترک و فعل، اعراض و توجہ باہم ہیں۔

سلب و نفی ہی کے ذریعہ اثبات و ایجاب تک پہونچا جا سکتا ہے ترک اور اعراض ہی کے وسیلہ سے فعل اور میلان کو وجود دیا جا سکتا ہے۔

کلمۂ توحید" یعنی لا الٰہ الا اللّٰہ" میں نفی و اثبات کا مجموعہ ہے ماسوا اللہ سے نفی کئے بغیر توحید کا دم بھرنا ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ عصیان و تسلیم، کفر و ایمان ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں یعنی ہر تسلیم شامل عصیان و گناہ، ہر ایمان کفر پر مشتمل، اور ہر ایجاب و اثبات کا لازمہ سلب اور نفی ہے «فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللّٰہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی» پس جو شخص بھی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے وہ اس کی مضبوط رسی سے متمسک ہو گیا ہے جس کے ٹوٹنے کا امکان نہیں ہے۔

اولاً پرہیز گاری نفی و سلب، عصیان و کفر کے درمیان تضاد ہے کسی چیز کی ضد سے پرہیز کرنا دوسری کی ضد پر عمل کرنے کے مترادف ہے کسی چیز سے چیز کا الگ ہونا دوسری چیز سے ملحق ہونے کا مقدمہ ہے۔

اسی لحاظ سے سالم اور مفید پرہیز گاریوں میں سمت کا تعین اور ہدف کا تشخص ہوتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

پس ہر وہ بے سوچا سمجھا عمل جس کی کوئی سمت ، مقصد یا کسی حد میں محدود نہ ہو قابل اہمیت و اعتنا نہیں ہے ۔

ثانیاً ۔ نہج البلاغہ میں تقوے کا مفہوم پرہیز کے مفہوم کے مترادف نہیں ہے یہاں تک کہ اس کی منطق کے مفہوم کے مترادف بھی نہیں ہے ۔

نہج البلاغہ میں تقویٰ اس روحانی اور معنوی قوت کا نام ہے کہ جو بہت زیادہ مشق کرنے سے پیدا ہوتی ہے منطقی اور معقول پرہیز ایک طرف تو تقوے کی روحانی و معنوی حالت ظاہر ہونے کا ایک سبب اور مقدمہ ہے تو دوسری طرف اس روحانی و معنوی حالت کا نتیجہ ہے اور اس کے لوازمات میں شمار ہوتا ہے ۔

یہ حالت ، روح کو قوت و شادابی عطا کرتی ہے اور ہر چیز سے محفوظ رکھتی ہے اگر کسی انسان میں یہ معنوی قوت و حالت نہ ہو تو گناہوں سے بچنے کے لیے اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہے ، سوائے اس کے کہ خود کو اسباب گناہ سے دور رکھے اس لئے کہ ہر معاشرہ میں گناہ کے اسباب ہمیشہ رہتے ہیں لہذا مجبور ہے کہ اپنے کو ایسے ماحول سے دور رکھے اور گوشہ نشینی اختیار کرے ۔

اس منطق کے مطابق یا تو انسان متقی و پرہیزگار ہو جائے اور سماج کو چھوڑ دے یا پھر معاشرہ اور سماج میں آجائے اور تقوی کو بالائے طاق رکھدے اس منطق کی رو سے انسان اپنے کو جتنا بھی ماحول اور دوسری چیزوں سے دور رکھے اور پرہیز کرے اتنا ہی لوگوں کی نظروں میں زیادہ متقی اور پرہیزگار دکھائی دے گا ۔

لیکن اگر کسی شخص کی روح میں تقوے کی روحانی قوت پیدا ہو جائے تو اسے ماحول کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے ، ماحول کو چھوڑے بغیر بھی اپنے کو پاک و منزہ رکھ سکتا ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

پہلا گروہ ان لوگوں کے مانند ہے جو ایک سرایت کرنے والی بیماری (اچھوت کی بیماری) سے بچنے کے لئے دامن کوہ میں جاکر پناہ لیتے ہیں ۔

دوسرا گروہ ۔ ان لوگوں کے مانند ہے کہ جو لوگ ٹیکہ لگوا کر اپنے کو ہر بیماری سے محفوظ کر تے ہیں وہ فقط شہر سے باہر چلے جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں اور لوگوں کی ملاقات سے پرہیز نہیں کرتے بلکہ بیماروں کی امداد کر کے انھیں نجات دلاتے ہیں ۔

نہج البلاغہ تقوے کو ایک معنوی اور روحانی قوت کا نام دیتی ہے کہ جو زیادہ مشق اور ممارست کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کے اپنی جگہ آثار و نتائج ہیں کہ جو گناہوں سے محفوظ اور دور رہنے کو آسان بناتے ہیں

ذمتی بما اقول رهينة وانا به زعيم ان من صرحت

له العبر عما بين يديه من المثلات حجزته التقوى

عن تقحم الشبهات ۔

میں اپنے قول کا ذمہ دار اور اس کی صحت کا ضامن ہوں جس شخص کو اس کے دائرہ عبرت نے گزشتہ امتوں کے افعال کے انجام کھول کر دکھا دیئے ہوں اس خدا کا خوف (تقویٰ) شبہوں میں گھرنے سے روک لیتا ہے ۔

یہاں تک کہ فرماتے ہیں :۔

الا وان الخطايا خيل شمس حمل عليها اهلها

وخلعت لجمها فتقحمت بهم في النار الا وان

Presented by www.ziaraat.com

التقوا مطايا ذلل حمل عليها اهلها واعطوا ازمتها

فاوردتهم الجنۃ [1]

یاد رہے کہ خطائیں وہ سرکش گھوڑے ہیں جن پر
خطاکار سوار کیے گئے ہیں اور ان کی باگیں بھی اتار
دی گئی ہوں پس وہ اپنے سواروں کو لے کر دوزخ
میں پھاند پڑے۔ اور تقوی رام کی ہوئی سواریوں
کے مانند ہے جن پر پرہیزگاروں کو سوار کیا گیا ہو
اور انہیں ان کی مہاریں دی گئی ہوں وہ اپنی
سواریوں کو آرام سے لے جا کر جنت میں اتار دیں

اس خطبہ میں تقویٰ ایک روحانی و معنوی حالت (کہ جس کے اثر سے انسان اپنے نفس کو قابو اور کنٹرول میں رکھتا ہے) کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے اسی خطبہ میں ارشاد ہوتا ہے تقویٰ سے دوری اور ہوائے نفس کی اطاعت کا لازمہ انسان کا شہوت اور ہوائے نفسانی کے مقابلہ میں ذلیل و خوار ہونا ہے۔

ایسی صورت میں انسان اس ناتواں اور عاجز سوار کی طرح ہے کہ جس کا کوئی ارادہ و اختیار نہیں ہوتا ہے اور اس کی سواری اسے جہاں چاہے لے جائے اور تقویٰ کا لازمہ ارادی قوت اور معنوی شخصیت کا پانا اور اپنے کو قابو میں رکھنا ہے، اور اس ماہر سوار کے مانند ہے جو کسی سدھائے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو اور اپنی طاقت سے گھوڑے کو اپنے قابو میں کر کے جدھر چاہتا ہے

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶

Presented by www.ziaraat.com

اسے لے جاتا ہے اور گھوڑا بغیر کسی زحمت کے اس کی اطاعت کرتا ہے ۔

ان تقوی اللہ حمت اولیاء اللہ محارمہ والزمت
قلوبھم مخافتہ حتی اسھرت لیالیھم واظمأت
ھواجرھم [1]

تقوی الہی نے ہی اللہ کے دوستوں کو منہیات
سے بچایا ہے اور ان کے دلوں میں خوف پیدا کیا ہے
یہاں تک کہ ان کی راتیں (عبادت میں) اور تپتی
ہوئی دوپہریں (روزہ کی وجہ سے) پیاس میں گزر
جاتی ہیں ۔

حضرت نے اس جگہ اور واضح کر دیا ہے کہ محرمات الہی سے پرہیز اور اسی طرح دلوں میں خوف خدا کا پیدا ہونا تقوے کا لازمہ ہے پس اس منطق میں تقوی نہ عین پرہیز ہے اور نہ ہی عین خوف خدا، بلکہ ایک مقدس روحانی قوت کا نام ہے جس کے ہمراہ یہ چیزیں ہوتی ہیں ۔

فان التقوی : فی الیوم الحرز والجنۃ وفی غد الطریق
الی الجنۃ [2]

اس لئے کہ تقوی آج کی (دنیا میں) پناہ اور سپر
ہے اور کل جنت کی راہ ہے

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۱۲ [2] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸۹

Presented by www.ziaraat.com

۱۵۵ ویں خطبہ میں حضرت نے تقوی کو ایک مستحکم پناہ گاہ سے تشبیہ دی ہے کہ دشمن جس میں کبھی بھی داخل نہیں ہو سکتا، ان تمام چیزوں میں امام کی ساری توجہ تقوے کے نفسیاتی و معنوی پہلو اور ان آثار کی طرف ہے کہ جو روح انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسان میں اچھے اور نیک کاموں کی طرف رغبت اور گناہ پلیدی سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں اور بھی نمونے پیش کئے جا سکتے ہیں ان کی خاص ضرورت بھی نہیں ہے شاید اتنا ہی کافی ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

تقویٰ تحفظ ہے زنجیر نہیں

گفتگو مواعظ نہج البلاغہ کے عناصر کے سلسلہ میں تھی ہم نے اپنی بحث کی ابتدا تقوے سے کی، ہم نے دیکھا کہ نہج البلاغہ کے نقطہ نگاہ سے تقویٰ ایک روحانی مقدس طاقت ہے تقویٰ اچھائیوں کے لیے کشش اور برائیوں سے دوری کا سرچشمہ ہے حیوان سے بالاتر معنوی اقدار کی طرف کشش، اور مادی آلودگی ولچسپی سے گریز ہے نہج البلاغہ کی نظر میں تقویٰ اس حالت کا نام ہے جو انسان کی روح کو قوت بخشتی ہے اور اسی کے ذریعہ انسان اپنے نفس کو قابو میں (کنٹرول) رکھتا ہے اور اپنا مالک بن جاتا ہے۔

تقویٰ تحفظ ہے

نہج البلاغہ میں اس معنی کی تاکید کی گئی ہے کہ تقویٰ تحفظ اور پناہ گاہ ہے نہ کہ زنجیر اور قید خانہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو (معنویت) اور محدودیت میں فرق نہیں کرتے اور آزادی و قید و بند سے رہائی کے نام پر حصار تقویٰ کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

پناہ گاہ اور قید خانہ کے درمیان مانعیت قدر مشترک ہے لیکن پناہ گاہ خطروں کو روکتی ہے، اور قید خانہ خداداد صلاحیتوں سے استفادہ کرنے میں مانع ہوتا ہے اس لئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"اعلموا، عباد اللہ، ان التقوی دار حصن عزیز
والفجور دار حصن ذلیل لایمنع اھلہ ولایحرز
من لجا الیہ۔ الا و بالتقوی تقطع حمۃ الخطایا۔
بندگان خدا جان لو کہ تقویٰ ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ
ہے اور فسق و فجور ایک کمزور چار دیواری ہے کہ جو نہ
اپنے رہنے والوں کو تباہیوں سے روک سکتی ہے
اور نہ ان کی حفاظت کر سکتی ہے دیکھو تقویٰ ہی
وہ چیز ہے کہ جس سے گناہوں کا ڈنک کاٹا جاتا ہے

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اس عظیم الشان بیان میں ان گناہوں کو کہ جو انسان کو نقصان پہونچاتے ہیں، ڈسنے والے جانوروں جیسے سانپ، بچھو سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ تقویٰ کی طاقت ان ڈسنے والے جانوروں کے ڈنک کو توڑ دیتی ہے۔

حضرت علیؑ نے اپنے بعض کلمات میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ تقویٰ تنہا قید و بند نہیں ہے اور نہ ہی آزادی کے لئے مانع ہے بلکہ تمام آزادیوں کا سرچشمہ ہے۔

خطبہ نمبر ۲۳۰ میں فرماتے ہیں۔

فان تقوی اللہ مفتاح سداد و ذخیرۃ معاد و عتق

Presented by www.ziaraat.com

من حلّ ملكة ونجاة من كلّ هلكة۔

بے شک اللہ کا خوف ہدایت کی کنجی اور آخرت کا ذخیرہ ہے (خواہشوں کی) ہر غلامی سے آزادی اور ہر تباہی سے رہائی کا باعث ہے۔

مطلب واضح ہے، تقویٰ انسان کو معنوی آزادی عطا کرتا ہے یعنی ہوا وہوس کی بندش سے نجات دلاتا ہے طمع، حسد، شہوت، غصہ کو انسان سے دور کرتا ہے اس طرح وہ اجتماعی غلامی کو ختم کر دیتا ہے۔ جو شخص پیسے، مقام اور راحت طلبی کا غلام نہیں ہوتا وہ کبھی بھی سماجی قید و بند اور غلامی کو قبول نہیں کرتا۔

نہج البلاغہ میں آثار تقوی کے بارے میں کافی بحث ہوئی ہے لیکن میں ان ساری چیزوں سے بحث کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں اس لئے کہ ہمارا اصلی مقصد یہ ہے کہ مکتب نہج البلاغہ میں حقیقی تقوی کا مفہوم روشن اور واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ نہج البلاغہ میں اس کلمہ پر کیوں اتنا زور دیا ہے؟

آثار تقویٰ میں" کہ جن کی طرف اشارہ ہو چکا ہے" سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ایک روشن فکری اور بصیرت دوسرے مشکلات کو حل کرنے کی طاقت اور مصیبتوں سے نکلنا، چونکہ ہم دوسری جگہ اس بارے میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں [1] اس کے علاوہ ہماری اس بحث کے مقصد "یعنی حقیقی تقوے کے مفہوم کو واضح کرنا" سے خارج ہے لہذا اس قسم کی بحثوں کو نظر انداز کرتے ہیں لیکن خاتمہ کلام میں نہج البلاغہ کے ان لطیف اشاروں کو کہ جو انسان اور تقوے کا ایک دوسرے کے درمیان عہد نامہ کا تذکرہ نہ کرتا افسوس کا باعث ہوگا۔

---

[1] کتاب گفتار ماہ جلد اول، دوسری تقریر

Presented by www.ziaraat.com

معاہدہ

نہج البلاغہ میں اس بات پر بارہا زور دیا گیا ہے کہ تقویٰ[1] گناہوں اور لغزشوں کے مقابلہ میں ایک قلعہ ہے اس نکتہ کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان تقوے کی حفاظت میں ایک لمحہ بھی غفلت نہ کرے تقویٰ انسان کا نگہبان اور انسان تقوے کا محافظ ہے یہ (دور ہے) دور محال نہیں ہے بلکہ یہ دور جائز اور ممکن ہے۔

یہ نگہبانی اور محافظت انسان اور کپڑے کی نگہبانی کی طرح ہے کہ انسان کپڑے کو چوری اور پھٹنے سے بچاتا ہے اور کپڑا انسان کو سردی اور گرمی سے بچاتا ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن کریم نے تقوے کو لباس بتایا ہے۔ ولباس التقویٰ ذلك خیر[2] تقوے کا لباس سب سے بہتر ہے، حضرت علیؑ انسان اور تقوے کا ایک دوسرے کے مقابلہ میں نگہبان اور محافظ ہونے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں

ایقظوا بھا نومکم واقطعوا بھا یومکم واشعروھا

قلوبکم وارحضوا بھا ذنوبکم... الا فصونوھا

---

[1] یعنی پہلی شئی دوسری شئی پر موقوف ہو اور دوسری شئی پہلی شئی پر (مترجم) [2] سورۂ اعراف آیت ۲۶

Presented by www.ziaraat.com

وتصوّنوا بها [۳]

تقوے کو خواب غفلت سے چونکنے اور بیدار ہونے
کا ذریعہ بناؤ اور اسی میں اپنے دن کاٹ دو، اور اسے
اپنے دلوں کا شعار بنالو، اور گناہوں کو اس کے ذریعہ
دھوڈالو۔۔۔ اور دیکھو! اس کی حفاظت کرو اور
اس کے ذریعہ سے اپنے لئے حفاظت کا سروسامان
فراہم کرو۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

عباد اللہ اوصیکم بتقوی اللہ فانہا حق اللہ علیکم
والموجبۃ علی اللہ حقکم۔ وان تستعینوا علیہا
باللہ وتستعینوا بہا علی اللہ [۴]

اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے
کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ اللہ کا تم پر حق ہے اور
تمہارے حق کو اللہ پر ثابت کرنے والا ہے اور
یہ کہ تقوی کے لئے اللہ سے مدد چاہو اور تقرب
خدا کے لئے اس سے اعانت اور مدد مانگو۔

---

[۳] نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۹۔ [۴] نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۹

Presented by www.ziaraat.com

زہد و پارسائی

نہج البلاغہ کے مواعظ کا دوسرا عنصر "زہد" ہے اور مواعظ کے عناصر میں شاید تقوے کے عنصر کے بعد سب سے زیادہ عنصر زہد کی تکرار ہوئی ہے زہد، ترک دنیا کا مترادف ہے۔ نہج البلاغہ میں دنیا کی مذمت اور ترک دنیا پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، میری نظر میں نہج البلاغہ کے موضوعات میں سب سے زیادہ اہم موضوع کہ جس کی تفسیر کلمات امیرالمومنینؑ کی روشنی میں ہونا چاہیے وہ یہی موضوع ہے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ نہج البلاغہ کی تعبیروں میں زہد اور ترک دنیا ایک دوسرے کے مترادف ہیں اس کے بارے میں نہج البلاغہ میں دوسرے تمام موضوعات سے زیادہ بحث ہوئی ہے ہم اپنی بحث کا آغاز کلمہ زہد سے کرتے ہیں:

"زہد" و "رغبت" (اگر بغیر متعلق کے ذکر ہوں تو) ایک دوسرے کے مد مقابل (حریف) ہیں۔ زہد یعنی روگردانی اور عدم میلان رغبت یعنی کشش و میلان، عدم میلان کی دو قسمیں ہیں (۱) طبیعی (۲) روحی

(۱) طبیعی عدم میلان یہ ہے کہ انسان کی طبیعت کسی خاص چیز کی طرف مائل نہ ہو جیسے بیمار انسان کی طبیعت کھانا پھل فروٹ اور تمام کھانے پینے والی چیزوں کی طرف مائل نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ اس قسم کے اعراض اور عدم میلان کا اصطلاحی زہد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

(۲) روحی، عقلی یا قلبی عدم میلان یہ ہے کہ جو چیزیں طبیعت کی رغبت کا مرکز ہوتی ہیں وہ انسان کی اس فکر اور آرزو کا کہ جو راہ سعادت و کمال مطلوب میں درکار ہوتی ہیں ان کا (خاص) کوئی مقصد نہ ہو۔ آرزو اور کمال مطلوب کی انتہا وہ امور ہوں گے کہ جن کا تعلق دنیاوی خواہشات نفسانی سے بلند و بالا ہوگا خواہ ان امور کا تعلق نفس کی اخروی خواہشات سے ہو یا اصلاً خواہشات نفسانی سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو بلکہ اخلاقی فضائل سے مربوط ہو جیسے عزت، شرافت کرامت آزادی، یا معارف معنوی والہی سے تعلق و ربط ہو جیسے ذکر خدا، خدا کی محبت ذات اقدس الہی سے قربت۔

پس زاہد وہ شخص ہے جس کی توجہ مادی دنیا سے کمال مطلوب اور بلندترین آرزو سے گزر کر ان چیزوں کی طرف معطوف ہوگئی ہو جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

زاہد کا عدم میلان، افکار، امید اور آرزو میں ہے نہ کہ طبیعت میں

نہج البلاغہ میں دو جگہ زہد کی تعریف ہوئی ہے۔

دونوں تعریفوں سے وہی معنی سمجھ میں آتا ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں خطبہ ۷۹ میں ارشاد ہے:۔

ایھا الناس! الزھادۃ: قصر الامل والشکر عند النعم والورع عند المحارم۔

اے لوگو! زہد کم امیدیں، نعمتوں پر شکر اور حرام سے پرہیز کا نام ہے۔

اور حکمت نمبر ۴۳۹ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

Presented by www.ziaraat.com

"الزهد کله بین کلمتین من القرآن قال اللہ سبحانہ
لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم "
ومن لم یأس علی الماضی ولم یفرح بالآتی فقد اخذ
الزھد بطرفیہ"

پورے کا پورا زہد قرآن کے دو کلموں میں منحصر ہے۔
خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ جو کچھ تمہارے
(مادی دنیا) سے نکل جائے اس کا غم نہ کھاؤ اور جو
کچھ خدا نے تمہیں دے دیا اس کی خوشی نہ مناؤ اور
جس نے گزشتہ کا غم نہ کھایا اور نہ آئندہ کی خوشی منائی
وہ سمجھ لے کہ اس نے زہد کو دونوں سروں سے پکڑ لیا

ظاہر ہے کہ جب کوئی چیز کمال مطلوب نہ ہو یا بنیادی طور سے اصلی مطلوب نہ ہو بلکہ ایک وسیلہ ہو تو طائر آرزو اس کے گرد نہیں منڈلاتا اور اس کا ملنا یا نہ ملنا یکساں ہوتا ہے۔

لیکن غور کرنا چاہئے:

آیا زاہد اور دنیا سے اعراض کہ جس کی نہج البلاغہ میں "تعلیمات قرآن کی پیروی میں" بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اس میں صرف روحی و اخلاقی پہلو پایا جاتا ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں زہد فقط ایک روحانی کیفیت کا نام ہے یا اس کے ساتھ عملی پہلو بھی پایا جاتا ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں زہد فقط ایک روحانی کیفیت کا نام ہے یا اس کے ساتھ عملی پہلو بھی پایا جاتا ہے؟ یعنی آیا زہد فقط روحانی اعراض ہے یا عملی اعراض بھی اس کے ساتھ ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

فرض دوم کی بنا پر آیا عملی اعراض محرمات سے اعراض میں محدود ہے اور نہج البلاغہ کے ۹۰ ویں خطبہ میں اس کی طرف اشارہ بھی ہوا ہے یا اس سے بھی زیادہ کوئی چیز ہے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام کی زندگی اور حضرتؐ سے پہلے پیغمبر اسلامؐ کی عملی زندگی سے پتہ چلتا ہے ؟

اس فرض کی بنا پر کہ زہد محرمات میں محدود نہیں ہے بلکہ مباحات کو بھی شامل ہوتا ہے اس کا کیا فلسفہ ہے ؟ زاہدانہ اور محدود زندگی اور عیش ونشاط کو ٹھکرانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے ؟

آیا مطلق طور سے عمل ہونا چاہیئے یا فقط چند معین حالات کے تحت انجام دینے کی اجازت ہے ؟

بنیادی طور پر آیا زہد مباحات سے اعراض کی صورت میں دوسرے اسلامی تعلیمات سے سازگار ہے یا نہیں ؟

ان تمام چیزوں کے علاوہ آیا زہد کی اساس اور دنیا سے اعراض کی بنیاد مادیات سے مافوق کمال مطلوب پر ہے تو اسلامی نقطۂ نگاہ سے وہ کمال مطلوب کیا ہے ؟ اور بالخصوص نہج البلاغہ میں کس انداز میں بیان کیا گیا ہے ؟

یہ تمام سوالات کہ جو زہد دنیا سے اعراض اور مختصر امیدوں کے بارے میں ہیں "نہج البلاغہ میں بھی بہت زیادہ ان کا ذکر موجود ہے" ان سوالوں کو روشن ہونا چاہیئے ہم آئندہ فصلوں میں ان سوالوں کو بیان کر کے ہر ایک کا جواب دیں گے ۔

Presented by www.ziaraat.com

اسلامی زہد اور مسیحی رہبانیت

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ نہج البلاغہ کی زہد کی تعریف و تفسیر سے جو چیز سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ زہد ایک روحانی حالت کا نام ہے زاہد مادی زندگی سے اس لئے بے اعتنا ہے کہ وہ معنوی اور اخروی چیزوں سے وابستگی رکھتا ہے اور یہ اس بے اعتنائی و بے توجہی کا تعلق صرف ذہن و فکر و اندیشہ و احساس اور قلبی لگاؤ سے نہیں ہے اور اس کا سلسلہ ضمیر ہی پر نہیں ختم ہوتا بلکہ زاہد اپنی عملی زندگی میں سادگی اور قناعت کو اپناتا ہے زاہدانہ زندگی نہیں ہے کہ انسان فکر و وجدان کے لحاظ سے مادی امور سے وابستگی نہ رکھتا ہو بلکہ زہد یہ ہے کہ عملی طور پر وہ عیش و نشاط سے پرہیز کرتا ہو۔ دنیا کے بہترین زاہد وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے مادیات سے کم سے کم فائدہ اٹھایا ہے حضرت علیؑ صرف اس جہت سے زاہد نہیں ہیں کہ انھوں نے دنیا سے دل نہیں لگایا بلکہ عملاً بھی دنیاوی خواہشات و لذتوں سے اپنے کو ہمیشہ دور رکھا دوسری اصطلاح میں "تارک دنیا" تھے

دو سوال

یہاں لامحالہ قارئین کے ذہنوں میں دو سوال پیدا ہوئے ہیں کہ ہیں ان کا

Presented by www.ziaraat.com

جواب دینا چاہیئے !

پہلا سوال یہ ہے کہ : سبھی لوگ جانتے ہیں کہ اسلام نے رہبانیت اور زاہدانہ زندگی کی فقط مخالفت کی ہے اور اس کو راہبوں کی بدعت میں شمار کیا ہے [1]

پیغمبر اسلام نے صاف صاف فرمایا ہے لا رهبانیه فی الاسلام [2]

جب پیغمبر اسلام کو یہ اطلاع دی گئی کہ اصحاب کے ایک گروہ نے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کو چھوڑ دیا ہے اور گوشہ نشین ہو کر عبادت میں مشغول ہو گیا ہے تو آنحضرت نے شدید سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارا پیغمبر ہوں لیکن میں نے دنیا کو ترک نہیں کیا ہے پیغمبر اکرمؐ یہ بتا رہے تھے کہ دین اسلام معاشرہ ساز ہے نہ رہبانیت اس کے علاوہ اسلام کی جامع اور ہمہ جہت تعلیمات میں اجتماعی، اقتصادی سیاسی اور اخلاقی مسائل زندگی کو محترم بنانا اور اس کو اپنانا ہے نہ کہ دنیاوی زندگی کو چھوڑ دینا ہے ۔

ان چیزوں سے قطع نظر رہبانیت اور زندگی سے اعراض اسلامی تصور کائنات اور مخلوق و ہستی کے بارے میں اسلام کے بہترین حکمت کے خلاف ہے اسلام ہرگز دوسرے مذاہب اور فلسفوں کی طرح ہستی اور خلقت کو بری نگاہ سے نہیں دیکھتا نیز مخلوق کو خوبصورت و بدصورت روشنی و تاریکی حق و باطل، درست و نادرست بجا و بے جا میں تقسیم نہیں کرتا ہے ۔

دوسرا سوال اس سے قطع نظر کہ زہد پرستی ہی رہبانیت ہے اور اسلامی اصول و مبانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تو اس کا فلسفہ کیا ہو سکتا ہے ؟

انسان کو زہد کا کیوں حکم دیا گیا ہے ؟ انسان کیوں اس دنیا میں آئے اور خدا کی لاکھوں نعمتوں کو دیکھے اور بغیر دیکھے گزر جائے ؟

---

[1] سورۂ حدید آیت نمبر ۲۷ ، [2] بحار الانوار جلد ۱۵ جز اخلاق باب ۱۴ باب النھی عن الرھبانیه والسیاحه

Presented by www.ziaraat.com

اس بنا پر کیا زہد پرستی کی تعلیمات جو اسلام میں دکھائی دیتی ہیں ایسی بدعتیں ہیں جو بعد میں دوسرے مذاہب جیسے بدھشٹ اور مسیحیت سے اسلام میں سرایت کرآئی ہیں تو نہج البلاغہ کے بارے میں کیا فیصلہ کریں؟ پیغمبر اکرمؐ اور حضرت علیؑ کی عملی زندگی جس میں شک کی بالکل گنجائش نہیں ہے کس طرح توجیہہ و تفسیر کریں؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی زہد کچھ اور ہے اور رہبانیت کچھ اور رہبانیت سماج سے کنارہ کشی اور صرف عبادت میں مشغول ہونا ہے اس فکر و اندیشہ کی بنیاد پر کہ دنیا و آخرت کے کام ایک دوسرے سے جدا ہیں دو مختلف اور ایک دوسرے سے مغائر کام ہیں دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا چاہیے یا تو عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جانا چاہیئے تاکہ کل آخرت میں کام آئے یا پھر معیشت و زندگی کو اپنانے کہ جو اسی دنیا میں کام آئے یہاں سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ رہبانیت زندگی اور معاشرہ کی ضد ہے جس کا لازمہ لوگوں سے کنارہ کشی کرنا اور ہر قسم کی ذمہ داری اور عہدے سے اپنے کو بری سمجھنا ہے۔

لیکن اسلامی زہد جہاں سادہ اور معمولی زندگی کے انتخاب کو مستلزم ہے اور عیش و نشاط اور لذت اندوزی سے پرہیز کی بنیاد پر استوار ہے وہیں تمدن زندگی اور اجتماعی روابط کے سلسلہ کی ایک کڑی بھی عین معاشرہ سازی ہے اور اپنی ذمہ داریوں سے بری ہونے کا ذریعہ ہے کہ جس کا تعلق اجتماعی ذمہ داریوں سے ہے

اسلام میں زہد کا فلسفہ وہ چیز نہیں ہے جس سے رہبانیت وجود میں آتی ہے اسلام میں دنیا و آخرت کے حساب کا مسئلہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے اور نہ ہی اسلام کے نقطۂ نظر سے اس دنیا کے کام آخرت کے کام سے جدا و بیگانہ ہیں

Presented by www.ziaraat.com

دنیا و آخرت کا ایک دوسرے سے ایسا ہی رشتہ ہے جیسا کہ کبھی ایک چیز کے ظاہر و باطن میں تعلق ہوتا ہے یا جیسے ایک کپڑے کی دو طرف کہ جو ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتے ہیں دنیا و آخرت بالکل روح و بدن کے رشتہ کی طرح ہے جو دونوں کی یگانگی و بیگانگی میں ایک چیز حدِ وسط ہے زیادہ تر جنبۂ اختلاف میں ایک کیف ہوتا ہے اسی طرح ذاتی اختلاف میں بھی اگر آخرت کی مصلحت کے خلاف ہے اور ہر وہ چیز جو اس دنیا کی بہترین زندگی کی مصلحت کے موافق ہے تو وہ آخرت میں مصالح عالیہ کے بھی موافق ہو گی لہذا ایک معین کام کہ جو اس دنیا کے مصالح عالیہ کے موافق ہو اگر وہ بلند اور مافوق طبیعت نظریات اور مادیت کے ماوراء اہداف کے اسباب سے خالی ہو تو وہ کام صرف اور صرف دنیاوی کہلائے گا اور قرآن کی زبان میں خدا کی بارگاہ تک نہ پہونچ پائے گا اگر انسانی نقطۂ نظر سے کام محدود دنیاوی زندگی کے مقاصد اور اہداف سے بلند و بالا ہو تو یہی آخرت کا کام کہلائے گا۔

اسلامی زہد جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں زندگی میں قرار پاتا ہے اور زندگی کو انوکھا رخ دیتا ہے اور زندگی کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتا ہے

اسلامی زہد جیسا کہ اسلامی نصوص سے آشکار ہے، اسلامی تصور کائنات کے تین ارکان پر استوار ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اسلامی زہد کے تین ارکان

(۱) دنیا سے مادی فوائد اور طبیعی و جسمانی لذتوں کا حصول تنہا انسان کی خوشی و سعادت کو فراہم کرنے کا ذریعہ نہیں ہے انسان کے لئے خاص سرشت کی وجہ معنوی اقدار کا ایک سلسلہ ہے کہ جن کے فقدان سے مادی لذتیں خوشی و سعادت کو فراہم کرانے پر قادر نہیں ہیں۔

(۲) فردی سعادت کی سرنوشت اجتماعی سعادت سے جدا نہیں ہے، انسان انسان ہونے کے ناتے معاشرہ سے عاطفی وابستگی اور انسانی ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہے، لہذا دوسروں کو آسائش و آرام سے الگ رہ کر آسائش و آرام نہیں پا سکتا ہے۔

(۳) روح کا بدن سے ایک قسم کا اتحاد رکھنے کے ساتھ ساتھ بدن کے مقابلہ میں مستقل حیثیت رکھتی ہے جسم کی مرکزیت کے مقابلہ میں خود ایک مرکز ہے لذت و آرام کے لئے مستقل ایک سرچشمہ ہے روح اپنی جگہ جسم سے زیادہ غذا، تہذیب اور قوت کی محتاج ہے، روح بدن اور بدن کی سلامتی اور قوت و طاقت سے بے نیاز نہیں ہے اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ مادی عیش و عشرت میں ڈوب کر اور تمام جسمانی لذتوں کے حصول میں محو ہو کر روح کے پرفیض سرچشمہ سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ روحی اور مادی لذتوں میں اگر ان تمتعات میں ڈوب جائے، محو ہو جائے اور فنا ہو جائے تو) تضاد ہے

Presented by www.ziaraat.com

روح اور بدن کا مسئلہ رنج ولذت کی طرح نہیں ہے ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کا روح سے تعلق ہو وہ رنج ہے اور جن چیزوں کا تعلق بدن سے ہے وہ سبب لذت ہے روحی لذتیں بدنی لذتوں سے زیادہ صاف، عمیق اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں مادی   اور جسمانی لذتوں کی طرف یک طرفہ رجحان انسان کی واقعی آسائش وخوشی کو کم کردیتا ہے جب ہم (دنیاوی) زندگی سے فائدہ اٹھانا چاہیں اور زندگی کو رونق وصفا، جاہ وحشمت دینا چاہیں اور اس کو دل پسند وحسین بنانا چاہیں تو ہم روحی پہلوؤں سے قطع نظر نہیں کرسکتے ان تین اصولوں کے مطالعہ سے اسلامی زہد کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور انہی تینوں اصول وارکان سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام رہبانیت کی کس انداز سے نفی کرتا ہے لیکن زہد کا رجحان عین معاشرتی رجحان متمدن زندگی اور اجتماعی روابط کو قبول کرتا ہے ہم آنے والی فصول میں انہی تین اصول کی بنیاد پر زہد کے بارے میں اسلامی نصوص کی وضاحت کریں گے۔

Presented by www.ziaraat.com

زاہد و راہب

ہم کہہ چکے ہیں کہ اسلام نے زہد کی دعوت دی اور رہبانیت کی مذمت کی ہے
زاہد و راہب دونوں عیش و نشاط سے دوری اختیار کرتے ہیں لیکن راہب معاشرہ اور اجتماعی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے کیوں کہ ان چیزوں کو وہ دنیا کے پست و مادی امور کا جزء شمار کرتا ہے اور دیر و خانقاہ اور غار میں پناہ لیتا ہے، جب کہ زاہد معاشرہ کے اصول اور اس کے آسیڈیوں کی ذمہ داریوں کو اپناتا ہے زاہد و راہب دونوں کا مطمح نظر آخرت ہے لیکن زاہد آخرت کے ساتھ معاشرہ کو بھی مدنظر رکھتا ہے جب کہ راہب کا سوائے آخرت کے معاشرہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لذت سے پرہیز کرنے میں بھی دونوں مساوی نہیں ہیں راہب صفائی و پاکیزگی اور بال بچوں کے جنجال میں نہیں پھنسنا چاہتا بلکہ انھیں پست تصور کرتا ہے جبکہ زاہد صفائی و پاکیزگی کی رعایت کرتا ہے اور ازدواجی زندگی کو صرف وظیفہ جانتا ہے، زاہد و راہب دونوں تارک دنیا ہیں لیکن جس دنیا کو زاہد ترک کرتا ہے وہ مال و دولت، عیش و نشاط میں مشغول ہو جانا ہے اور انھیں کو کمال مطلوب اور آوازوں کی انتہا جانتا ہے لیکن جس دنیا کو راہب ترک کرتا ہے وہ اجتماعی سماجی ذمہ داریاں ہیں۔

یہ ہے تمدن زندگی اور اجتماعی روابط میں زاہد کا زہد کہ جو راہب کی رہبانیت کے سراسر خلاف ہے اور یہ زہد نہ صرف یہ کہ اجتماعی ذمہ داریوں سے منافات

Presented by www.ziaraat.com

نہیں رکھتا ہے بلکہ اپنی مسئولیت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بہترین وسیلہ ہے۔

زاہد و راہب کی روش میں تفاوت کا سرچشمہ دو مختلف تصور کائنات ہیں کہ راہب کی نظر میں دنیا و آخرت دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں دونوں میں ایک کا دوسرے سے کوئی ربط نہیں ہے دنیا کی کامیابیوں کا حساب الگ ہے اور آخرت کی کامیابیوں کا حساب جدا بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لامحالہ وہ چیزیں جو دنیا کی کامیابیوں میں مؤثر ہیں وہ ان سے جدا ہیں جو آخرت کی کامیابیوں میں مؤثر ہیں دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ دنیا کی کامیابی کے اسباب آخرت کی کامیابی کے اسباب سے مغائرت رکھتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی چیز دنیا کی کامیابی کا بھی وسیلہ ہو اور آخرت کی سعادت کا ذریعہ بھی۔

لیکن زاہد کی نظر میں دنیا و آخرت ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس کے نقطۂ نظر سے جو چیزیں اس دنیا کی زندگی کے لیے وسیلہ اور اس کی رونق و صفا امن و سکون کا موجب ہوتی ہیں وہ یہ ہے کہ اخروی معیار اس زندگی میں داخل ہو جائیں اور اس دنیا کی کامیابی کی بنیاد اس پر ہے کہ اس دنیا کی ذمہ داریاں بخوبی انجام پذیر ہوں اور ایمان و صفائی تقویٰ کے ساتھ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ زاہد کا زہد اور راہب کی رہبانیت کے فلسفہ میں کامل طور پر مغائرت ہے بنیادی طور پر رہبانیت ایک تحریف ہے اور ایک ایسا انحراف ہے جس کو لوگوں نے بربنائے جہالت یا ناجائز مقاصد کے حصول کے لیے انبیاؑ کی زاہدانہ تعلیمات میں داخل کر دیا۔

Presented by www.ziaraat.com

اب ہم اسلامی تعلیمات کے متون کو مد نظر رکھتے ہوئے فلسفۂ زہد کہ جس کے معنی کی تشریح کر چکے ہیں اس کی مزید وضاحت کر رہے ہیں۔

زہد و ایثار

زہد کا ایک فلسفہ ایثار ہے اثرہ و ایثار دونوں ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں اثرہ یعنی اپنے اور اپنے منافع کو دوسروں پر مقدم رکھنا دوسرے لفظوں میں دوسروں کو محروم کر کے ساری چیزوں کو اپنے لیے مخصوص کر لینا ایثار یعنی دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھنا اور دوسروں کی آسائش کے لیے خود کو زحمتوں میں مبتلا کرنا ہے۔

زاہد اس لئے سادہ اور قناعت سے لبریز زندگی گزارتا اور خود کو تنگی میں مبتلا کرتا ہے تاکہ دوسروں کو آرام پہنچا سکے اس کے پاس جو چیز ہوتی ہے ضرورت مند افراد کو دے دیتا ہے اس لیے کہ وہ حساس قلب اور درد آشنا دل کی وجہ سے دنیا کی ان نعمتوں کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جس کی لوگوں کو ضرورت نہیں ہوتی ہے اسے ضرورت مند کو کھلانے، پہنانے اور ان کو آرام پہنچانے میں اس سے کہیں زیادہ لطف ملتا ہے جتنا خود کھانے پہننے اور آرام کرنے میں وہ محرومیت و فاقہ کشی، رنج و درد کو اس لیے برداشت کرتا ہے تاکہ دوسرے خوشحالی کی زندگی گزار سکیں،

ایثار انسانیت کے جمال و جلال کا پر شکوہ مظہر ہے اس کی بلندی تک

Presented by www.ziaraat.com

صرف عظیم انسان ہی پہنچ پاتے ہیں،

قرآن کریم نے حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کے ایثار کی عکاسی و توصیف سورۂ ہل اتیٰ میں کی ہے، حضرت علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے فرزندوں کو جو میسّر تھا (وہ چند روٹیوں کے علاوہ کچھ نہ تھا) خود ضرورت مند ہونے کے باوجود رضائے الٰہی کی خاطر مسکین ویتیم اور اسیر کو دے دیا اسی وجہ سے ملا اعلیٰ میں اس واقعہ کو دہرایا گیا اور اس سلسلہ میں قرآن کی آیت نازل ہوئی۔

پیغمبر اسلامؐ اپنی دختر جناب فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف لائے جناب زہرا(س) کے دست مبارک میں چاندی کا کنگن اور گھر کے دروازہ پر پردہ دیکھا تو چہرہ پر ناراضگی کے آثار نمودار ہوئے، جناب زہرا(س) نے فوراً کنگن اور پردہ کو ایک شخص کے بدست حضورؐ کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ ضرورت مند کو دے دیں پیغمبر اسلامؐ کا چہرہ اس بات سے کھل گیا کہ آپ کی بیٹی نے نکتہ کو محسوس کر لیا اور اپنے پر دوسروں کو مقدم کیا اس کے بعد آپ نے خوشی میں فرمایا "اس کا باپ اس پر فدا ہو"

الجار ثم الدار" علیؑ وفاطمہؑ کے گھرانے کا طرۂ امتیاز تھا، حضرت علیؑ خطبہ متقین میں فرماتے ہیں۔

نفسہ منہ فی عناء والناس منہ فی راحۃ "

متقی وہ ہے جو خود تو سختی میں ہو لیکن لوگ اس کی وجہ سے آرام میں ہوں۔

قرآن کریم انصار مدینہ کی کہ جنہوں نے فقر کی حالت میں بھی مہاجرین کا استقبال کیا اور ان کو اپنے پر مقدم کیا اس طرح توصیف کرتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

یُؤثِرُونَ علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ

دوسروں کو اپنے پر مقدم رکھتے ہیں خواہ وہ فقیر و ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں

یہ تو بدیہی ہے کہ زہد ایثار کی بنیاد پر مختلف اجتماعی حالات میں متفاوت ہوتا ہے ایک خوشحال معاشرہ کے لئے ایثار کی کم ضرورت ہے اور ایک محروم معاشرہ کے لئے (جیسا کہ اس وقت کا مدینہ) زیادہ ایثار کی ضرورت ہے یہی راز ہے کہ پیغمبر اسلامؐ، حضرت علیؑ اور دیگر آئمہ علیہم السّلام کی سیرت میں اس مسئلہ (ایثار) میں فرق نظر آتا ہے۔

بہرحال زہد، فلسفۂ ایثار کی بنیاد پر کسی طرح بھی رہبانیت سے قربت اور معاشرہ سے دوری نہیں رکھتا ہے بلکہ اجتماعی تعلقات اور عواطف کا نتیجہ ہے اور انسان دوستی کا بہترین مرقع ہے اور سماجی بندھن کے استحکام کا باعث ہے

ہمدردی

محروم و ناتواں افراد سے ہمدردی اور ان کی غم گساری فلسفہ زھد کا ایک ریشہ ہے۔

محروم و محتاج جب ثروت مند افراد کے پاس کھڑا ہوتا ہے تو اس کے رنج میں اضافہ ہو جاتا ہے ایک طرف اسے فقر اور ضروریات زندگی کے

Presented by www.ziaraat.com

فقدان کا رنج ہوتا تو دوسری طرف اپنے حریفوں سے پیچھے رہنے کا احساس، فطری طور پر انسان اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا کہ اس پر برتری رکھنے والے کھائیں پییں اور خوشیاں منائیں اور وہ تماشائی بنا دیکھتا رہے۔

جہاں معاشرہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے ایک ثروت مند اور دوسرا محروم وہاں خاصان خدا ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں ان کی سب سے پہلی کوشش بہ تعبیر امیرالمومنین، یہ ہوتی ہے کہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی کو دور کریں یہی علماء امت سے خدا کا پیمان ہے[1] اور اس کے بعد ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کرکے ان کے حالات بدلنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں لیکن وہ دیکھتے ہیں کہ (یہ ایسا مقتول ہے جسے کفن بھی نہیں دیا جاسکتا ہے) محروموں کو آرام پہنچانے اور ان کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے عملی راستہ مسدود ہے تو مظلوموں سے ہمدردی ان کی غم گساری اور ان کے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں۔

دوسروں سے ہمدردی اور ان کے غم میں شریک ہونا خصوصاً قوم کے پیشوا کہ جن پر لوگوں کی نظریں لگی رہتی ہیں، زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہیں حضرت علیؑ اپنے دور خلافت میں گزشتہ زمانے سے زیادہ زاہدانہ زندگی گزارتے تھے اور فرماتے تھے۔

ان اللّٰہ فرض علے ائمة العدل ان یقدروا
انفسھم بضعفة الناس کیلا یتبیغ بالفقیر فقرہ[2]
خدا نے ائمہ حق پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے کو مفلس

---

[1] اخذ اللّٰہ علے العلماء ان لا یقاروا علے کظة ظالم و سغب مظلوم [2] نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۹

Presented by www.ziaraat.com

و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تاکہ مفلوک الحال اپنے
فقر کی وجہ سے پیچ و تاب نہ کھائیں۔

أقنع من نفسي بان يقال هذا امير المومنين ولا
اشاركهم في مكارة الدهر اواكون اسوة لهم في
جشوبة العيش [1]

کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے امیر المومنین کہا جاتا ہو
مگر میں زمانے کی سختیوں میں مومنوں کے شریک
و ہمدم اور زندگی کی بدمزگیوں میں ان کے لئے نمونہ
نہ ہوں

اور اسی خط میں فرماتے ہیں:

هيهات ان يغلبني هواى ويقودني جشعي الى
تخير الاطعمه ولعل بالحجاز اواليمامة من لاطمع
له في القرص ولا عهد له بالشبع۔ او ابيت مبطانًا
وحولي بطون غرثى واكباد حرّى ؟!

یہ کس طرح ممکن ہے کہ خواہش نفس مجھے مغلوب
بنالیں اور حرص مجھے اچھے اچھے کھانوں کے چن
لینے کی دعوت دے جب کہ حجاز یا یمامہ میں شاید
ایسے لوگ ہوں کہ جنہیں ایک روٹی کے ملنے کی بھی

---

[1] نہج البلاغہ نامہ ۴۵

Presented by www.ziaraat.com

آس نہ ہو اور انہیں پیٹ بھر کر کھانا کبھی نصیب نہ
ہوا ہو کیا میں شکم سیر رہوں درآں حالیکہ میرے گردوپیش
بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر موجود ہوں۔

اگر حضرت علیؑ کسی شخص کو اس طرح تنگی کی زندگی گزارتے دیکھتے تو اس سے باز پرس کرتے تھے جب کبھی لوگ آپ سے پوچھتے کہ آپ کیوں اس قدر تنگی میں زندگی گزارتے ہیں؟ جواب دیتے میں تم جیسا نہیں ہوں پیشواؤں کی ذمہ داری کچھ اور ہی ہوتی ہے یہ تو آپ کی عاصم بن زیاد حارثی کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے [1]
بحار الانوار کی نویں جلد میں کافی سے امیر المومنینؑ کی ایک روایت نقل ہوئی ہے کہ اس میں فرماتے ہیں۔

خداوند عالم نے مجھے لوگوں کا پیشوا قرار دیا ہے،
اور اسی وجہ سے مجھ پر لازم قرار دیا کہ اپنی زندگی کو
خوراک و پوشاک کے لحاظ سے معاشرہ کے کمزور ترین
طبقہ کے معیار پر رکھوں تاکہ ایک طرف غریب کے
دکھوں کے لئے باعث تسکین اور دوسری طرف ثروت
مندوں کی طغیانی کے لئے سد باب ہو سکے [2]

استاد الفقہاء وحید بہبہانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک روز انھوں نے اپنی بہو کو ایسے لباس میں دیکھا جو معمولاً اس زمانہ کے اعیان واشراف کی عورتیں پہنتی تھیں تو انھوں نے اپنے بیٹے (محمد اسماعیل مرحوم) کی سرزنش کی! بیٹے نے باپ

---

[1] خطبہ ۲۰۷ [2] بحار۔ جلد ۹ طبع تبریز صفحہ ۵۸۷

Presented by www.ziaraat.com

کے جواب میں اس آیت کی تلاوت کی۔

"قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعباده

والطیبات من الرزق [1]"

پیغمبر آپ پوچھئے کہ کس نے اس زینت کو اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا اور پاکیزہ رزق کو حرام کر دیا ہے

وحید بہبہانی نے کہا میں یہ نہیں کہتا کہ اچھی خوراک و پوشاک اور نعمت الہٰی سے استفادہ کرنا حرام ہے اسلام میں ایسی کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن بات دوسری ہے اور وہ یہ کہ ہم لوگ چونکہ لوگوں کے مذہبی پیشوا ہیں لہذا ہمارے خاص فرائض ہیں فقراء جب اغنیاء کو ہر چیز سے مالا مال دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں پہ ٹھیس لگتی ہے ان کے غموں کی تسکین صرف اس میں ہے کہ ان کے پیشوا کا خانوادہ انہیں کی طرح زندگی گزار رہا ہے اگر ہم اپنی زندگی مالداروں کی طرح گزاریں گے تو ان کے غموں کی تسکین کا باعث بھی ختم ہو جائے گا اگر ہم موجودہ حالت کو نہیں بدل سکتے ہیں تو کم از کم ان کی ہمدردی سے گریز نہ کریں۔

جیسا کہ ہم آشکار طور پہ دیکھتے ہیں کہ جوزہد ہمدردی اور غموں میں شریک ہونے کی صورت میں وجود میں آئے اس کا رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ سماج سے فرار نہیں ہے بلکہ اس کے رنج و آلام کے تسکین کا ذریعہ ہے۔

---

1. سورۂ اعراف ۸ آیت ۳۲

Presented by www.ziaraat.com

زہد اور آزاد منشی

زہد کا دوسرا فلسفہ، آزادی اور آزاد منشی ہے۔ زہد اور آزاد منشی کے درمیان قدیم اور اٹوٹ رشتہ استوار رہے۔

نیازمندی اور ضرورت "حرص وطمع" کا معیار ہے اور بے نیازی "آزاد منشی" کا معیار ہے دنیا کے آزاد منش کہ جو سبکبار اور ہلکی سی حرکت میں پرواز کر جانا ان کی دلی تمنا ہوتی ہے وہ اپنی ضرورتوں میں کمی کر کے زہد وقناعت کو اپناتے ہیں اور ضروریات ہی کی کمی کے تناسب سے اپنے آپ کو اشیاء اور اشخاص کی قید وبند سے آزاد کرا لیتے ہیں۔

انسان کی زندگی (دوسرے جاندار کی مانند) چند طبعی چیزوں کی محتاج ہے کہ جس کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے مثلاً سانس لینے کے لئے ہوا، رہنے کے لئے زمین، کھانے کے لئے روٹی، پینے کے لئے پانی اور پہننے کے لئے کپڑا اور اسی طرح روشنی، حرارت کہ جس کی قید سے انسان اپنے کو آزاد نہیں کر سکتا اور فلاسفہ کے بقول "مکتفی بذاتہ" [1]

لیکن کچھ دوسری ضرورتیں ہیں جو فطری اور ضروری نہیں ہیں، طول حیات میں انسان خود یا تاریخی وسماجی اسباب کی وجہ سے ان ضروریات میں پھنس جاتا ہے

---

[1] یعنی ہر چیز سے بے نیاز۔

Presented by www.ziaraat.com

اور اس کی آزادی محدود ہو جاتی ہے۔

قید و بند جب تک ایک اندرونی ضروریات کی شکل اختیار نہ کرے جیسے سیاسی قید و بند اس وقت تک یہ خطرناک نہیں ہے بلکہ قید و بند کا قلبی ضرورت کی صورت اختیار کرنا خطرناک ہے کہ جس سے آدمی اندرونی طور سے مجبور ہو جاتا ہے۔

ان ضرورتوں کا، کہ جو انسان کو کمزور اور ناتواں بنا دیتی ہیں، علاج یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو رونق و صفا بخشنے کے لیے عیش و نشاط کو اپناتا ہے اور قوی و قدرتمند بننے کے لیئے اور اپنی زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے ساری اشیاء کو اپنی ملکیت میں لینا چاہتا ہے۔ دوسری طرف رفتہ رفتہ وہ چیزیں جن کو عیش و نشاط کا وسیلہ یا اپنی قوت و قدرت کا ذریعہ بنایا ہے ان کا عادی اور ان کا شیدا ہو جاتا ہے اور غیر مرئی رسیاں اس کو ان اشیاء سے جکڑ دیتی ہیں اور اسے ذلیل و خوار کرتی ہیں یعنی وہی چیزیں جو اس کی زندگی کے لئے مایۂ رونق بن گئی تھیں وہی اس کی شخصیت کو بے رونق کر دیتی ہیں اور وہی چیزیں جو مادہ سے کسب قدرت کا وسیلہ تھیں وہی اندرونی لحاظ سے ضعیف و لاچار اور انسان کو ان چیزوں کا غلام بنا دیتی ہیں۔

انسان کا زہد کی طرف میلان اس کی آزادروی کے عنصر کی وجہ سے ہے انسان فطرتاً اشیائ پر تملک اور ان سے فائدہ اٹھانے کا میلان رکھتا ہے لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ جس چیز نے اس کو ظاہری طور پر مقتدر و توانا بنایا ہے اسی نے اندرونی طور پر کمزور و ناتواں اور اپنا غلام بنالیا ہے تو وہ اس غلامی کے مقابلہ میں سرکشی کرتا ہے اور سرکشی کا نام زہد ہے

ہمارے عرفاء اور شعراء نے حریت و آزادی اور آزادمنشی کے سلسلے میں بہت کچھ کہا ہے

حافظ نے خود اس کو اس طاقت کا غلام جانا ہے جو اس نیلگوں آسمان کے نیچے

Presented by www.ziaraat.com

رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آزاد ہے، حافظ نے تمام درختوں میں صرف سرو پر رشک کیا ہے جو "بارِ غم سے آزاد ہے"۔ آزادی سے ان بزرگوں کی مراد خواہشات کی قید سے آزادی ہے یعنی اس سے وابستگی اور اس پر شیفتہ اور فریفتہ نہ ہونا۔

البتہ آزادی اور آزاد منشی کے لئے صرف دلبستگی کا نہ ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ دیگر اشیاء کی بھی ضرورت ہے وہ عناصر جو آدمی کو، عاجز، ذلیل و خوار اور کمزور و ناتواں کر دیتے ہیں وہ صرف قلب اور قلبی وابستگی سے پیدا نہیں ہوتے، جسمی اور روحانی لذتیں جو ابتداء میں زندگی کو رونق و زیبائی عطا کرنے کے لئے یا زیادہ سے زیادہ قوت و قدرت کے حصول کے لئے وجود میں آتی ہیں بعد میں وہی عادت فطرت ثانیہ، بن جاتی ہے ہرچند کہ اس سے قلبی لگاؤ نہ ہو بلکہ وہ نفرت کا باعث ہو لیکن پھر بھی انسان کو اسیر کرنے کے لئے سب سے قوی ذریعہ شمار ہوتا ہے اور آدمی کو قلبی وابستگی سے زیادہ زبوں حال بنا دیتا ہے۔

ایک ایسے عارف کو فرض کریں جو دنیا کی بندشوں سے آزاد ہے اور چائے، سگریٹ، افیون اس کی عادت ثانیہ ہو گئی ہے اور جن چیزوں کی عادت پڑ گئی ہے اس کی خلاف ورزی موت کا باعث بن جاتی ہے ایسا شخص کس طرح آزاد زندگی گزار سکتا ہے۔

آزادی کے لئے لازمی شرط کسی شئی سے دل نہ لگانا لیکن یہ شرط ہی کافی نہیں ہے بلکہ نعمتوں کا کم سے کم استعمال اور زیادہ سے زیادہ استعمال کی عادت سے پرہیز کرنا یہ آزادی کے لئے دوسری شرط ہے۔

ابوسعید خدری جو رسول اللہ کے بزرگ صحابی ہیں وہ جب آنحضرت کے اوصاف بیان کرتے ہیں تو ابتداء اس جملہ سے کرتے ہیں "کان صلی اللہ علیہ وآلہ

Presented by www.ziaraat.com

خفیف المؤونۃ "یعنی رسول خدا کم خرچ تھے اور تھوڑے ہی خرچ میں اپنی زندگی گزارتے تھے ۔

آیا کسی کا کم خرچ ہونا فضیلت ہے؟

اگر ہم صرف اقتصادی پہلو کو مدنظر رکھیں کہ ایک شخص کم مال خرچ کرتا ہے تو یہ باعث فضیلت نہیں ہے اور اگر ہے تو کوئی اہم فضیلت نہیں ہے ۔

لیکن اگر اس کے معنوی پہلو یعنی زندگی کی بندشوں سے آزادی کے پہلو کا مطالعہ کریں تو جواب ملے گا کہ یہ باعث فضیلت ہے بلکہ عظیم فضیلت ہے اس لئے کہ اس فضیلت کے حصول سے انسان آسودہ زندگی گزار سکتا ہے، جنبش و فراخ دلی حاصل کر سکتا ہے، بے قید و بند پرواز کر سکتا ہے اور زندگی کے دائمی معرکہ کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا ہے ۔

یہ کسی فردی عادات میں منحصر نہیں ہے، اٹھنے بیٹھنے، آمد و رفت اور پوشش لباس وغیرہ عرف کے رسوم و عادات کی قید و بند بار زندگی کو سنگین اور حرکت کی رفتار کو سست کرتا ہے ۔

زندگی کے میدان میں قدم رکھنا پانی میں تیرنے کے مترادف ہے، جتنا ہلکا پھلکا ہوگا اسی تناسب سے وابستگی کم ہوگی اور تیرنے کا امکان زیادہ ہوگا اور وہ جتنا بھاری بھرکم ہوتا جائے گا ڈوبنے کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے،

سعدی نے گلستاں کے ساتویں باب میں ایک داستان لکھی ہے اگرچہ اس داستان سے اس کا ہدف دوسرا ہے لیکن وہ میری بحث سے مناسبت رکھتا ہے ۔

میں نے ایک امیرزادہ کو باپ کی قبر پر بیٹھے ہوئے

دیکھا جو ایک مفلس کے بچہ سے کہہ رہا تھا کہ میرے باپ کا

Presented by www.ziaraat.com

صندوق قبر بہت سنگین ہے اس پر رنگین کتبہ، سنگ مرمر
کا فرش اور فیروزے کی اینٹیں لگی ہیں لیکن تیرے باپ
کی قبر پر کیا ہے دو اینٹ اور دو مٹھی خاک، مفلس کے
بچہ نے اس کی بات سنی اور کہا، جب تک تیرا باپ
ان قیمتی پتھروں سے اپنے کو حرکت دے گا میرا باپ
جنت میں پہونچ چکا ہوگا ،،

یہ ساری مثالیں بوجھ کی کمی اور سبک پروازی و سبکبابی کی ہیں جو تحرک و جنبش کی بنیادی شرط ہے، جنبش و تحرک اور سخت مقابلے ان ہی افراد کے ذریعہ وجود میں آئے جو عملی طور پر کم گرفتاریوں میں مبتلا تھے، یعنی ایک قسم کے وہ زاہد تھے، گاندھی نے اپنی زاہدانہ روش سے انگلینڈ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا یعقوب لیث صفار کہتے ہیں میں نے روٹی اور پیاز کو ترک نہیں کیا جس کی بدولت خلیفہ کو وحشت زدہ کر دیا تھا اس زمانہ میں ویٹ کنگ کی مقاومت حیرت انگیز ہے اس کی یہ مقاومت اس چیز کا نتیجہ ہے جس کو اسلام نے کفایت شعاری کا نام دیا ہے ایک ویٹ کنگ ایک مشت چاول سے گزارا کر سکتا ہے اور اپنے حریف سے مقابلہ کر سکتا ہے ۔

کون ایسا مذہبی یا سیاسی رہبر ہے جس نے عیش و عشرت سے دنیا میں انقلاب برپا کیا، یا کون سا ایسا سلسلہ ہے جس نے قدرت کو ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کیا ہو اور محفوظ رہا ہو ۔

حضرت علیؑ ہر لحاظ سے آزاد تھے کہ زہد کے مفہوم کا مصداق آپ ہی تھے آپ نے نہج البلاغہ میں ترک دنیا کے شکار یعنی ترک لذات کو زیادہ آزادی سے معنون کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-

Presented by www.ziaraat.com

الطمع رق مؤبد [1]

طمع دائمی غلامی ہے۔

عیسیٰ بن مریم کے زہد کو اس طرح بیان

لا طمع یذل له

ان میں کوئی ایسی طمع نہیں تھی کہ انہیں رسوا کرتی [2]

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

الدنیا دار ممر لا دار مقر و الناس فیها رجلان رجل

باع فیها نفسه فاوبقها و رجل ابتاع نفسه فاعتقها

دنیا گزرگاہ ہے مستقل ٹھکانہ نہیں، یہاں سے گزرنے

والے دو قسم کے لوگ ہیں: ایک وہ جنہوں نے اپنے

نفس کو بیچ کر ہلاک کر دیا دوسرے وہ جنہوں نے

اپنے نفس کو خرید کر آزاد کر دیا۔ [3]

آنحضرت کا سب سے واضح بیان اس خط میں ہے جو آپ نے عثمان بن حنیف کے نام لکھا تھا اس خط کے آخر میں دنیا اور اس کی لذت کو ایک باشعور مخاطب قرار دیتے ہیں اور اپنے زہد اور خود کو لذتوں سے دور رکھنے کے فلسفہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں

الیک عنی یا دنیا فحبلک علی غاربک۔۔

قد انسللت من مخالبک وافلت من حبائلک

---

[1] کلمات قصار حکمت ۱۸۰ [2] خطبہ ۱۵۸ [3] کلمات قصار، حکمت ۱۳۳

Presented by www.ziaraat.com

اے دنیا مجھ سے دور ہوجا تیری باگ ڈور تیرے
کاندھے پر ہے میں تیرے پنجوں سے نکل چکا ہوں
اور تیرے پھندوں سے باہر ہو چکا ہوں "

اعزبی عنی فو اللہ لا اذل لک فتستذلینی ولا اسلس
لک فتقودینی ۔

" دور ہو جا میں تیرے جال میں پھنسنے والا نہیں ہوں
کہ تو مجھے ذلتوں میں جھونک دے اور نہ میں تیرے
سامنے اپنی باگ ڈھیلی چھوڑنے والا ہوں کہ تو جدھر
چاہے مجھے ہنکالے جائے "

جی ہاں، علیؑ کا زہد ذلتوں کے مقابلہ میں خواری کے خلاف شورش وخواہشات کی حاکمیت کے مقابلے میں ضعف وعاجزی کے خلاف طغیانی اور دنیا ونعمت دنیا کی غلامی کے خلاف اقدام کرنا ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

زہد و معنویت

زہد و عشق و پرستش

زہد اور ترک لذت کا دوسرا سرچشمہ روحانی اور معنوی عطیات سے بہرہ مند ہونا ہے سردست ہم دنیا اور انسان کے معنوی پہلو کو ثابت کرنا نہیں چاہتے ہیں یہ خود ایک مستقل موضوع ہے ظاہر ہے کہ مادی تصور کائنات کی بنا پر لذت پرستی مادہ پرستی دولت اندوزی معنوی کمال کے لئے ترک کرنا بے معنی ہے۔ اس وقت ہم کو اس مکتب اور اس کے طرز تفکر سے سروکار نہیں ہے بلکہ ہمارے مخاطب وہ افراد ہیں جن کے مشام تک معنویت کی بو پہونچی ہے اگر کسی نے معنویت کی بو سونگھی ہوگی تو وہ جانتا ہوگا کہ جب تک انسان خواہشات کی قید سے آزاد نہ ہوا اور جب تک اس ذی روح بچہ سے مادہ کا پستان نہ چھڑایا جائے جب تک مادی مسائل ہدف کی صف سے ہٹ کر وسیلہ کی صورت اختیار نہ کرلیں اس وقت تک دل کی سرزمین پاک احساسات، تابناک افکار اور ملکوتی عواطف کے رشد و نمود کے لئے آمادہ نہیں ہوسکتی، اسی لئے کہا جاتا ہے زہد معرفت فیض کی اساسی شرط ہے اور زہد سے اس کا اٹوٹ رشتہ ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

حق پرستی اپنے حقیقی معنی میں جوش محبت اور حق کی خدمت کا جذبہ رکھنا اس کی یاد سے مانوس ہونا اس کی عبادت سے محفوظ ہونا اور ہمیشہ توجہ کے ساتھ اس کا ذکر کرنا یہ خود پرستی ولذت گری اور مادی زرق وبرق کی قید کے ساتھ کسی طرح سازگار نہیں ہے۔ صرف خدا پرستی زہد کو مستلزم نہیں ہے بلکہ ہر عشق و پرستش خواہ حب وطن ہو یا مسلک و ہدف سے دلی لگاؤ یہ سب زہد اور مادی امور سے بے اعتنائی کو مستلزم ہے عشق و عبادت علم وحکمت کے برخلاف ہے چونکہ اس کا ربط قلب واحساس سے ہے اس لیے اس کے رقیب نہیں ہوتے، یہ ہو سکتا ہے کہ ایک عالم یا فلسفی درہم و دینار کا غلام ہو اور دوسرے موقع پر اپنی فکر کو فلسفی، منطقی، طبعی اور ریاضی مسائل میں بروئے کار لائے یہ ممکن نہیں ہے کہ ایسے انسان کا دل عشق وہ بھی بنی نوع انسان یا ہدف و مسلک سے عشق کا مرکز ہو تو پھر عشق الہٰی کا مرکز کیسے بن سکتا ہو اور عشق الہٰی سے وہ کیسے منور ہو سکتا ہے اور اس سے خدائی الہامات وتجلیات کا مرکز کیوں کر بن سکتا ہے پس نہاں خانہ کو مادی علامات سے خالی رکھنا اور سیم وزر کے بت کو کعبۂ دل سے باہر کرنا معنوی کمالات کے حصول کی شرط ہے اور انسان کی حقیقی شخصیت کے لئے رشد و نمو کا ذریعہ ہے۔

جیسا کہ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ سیم وزر کی غلامی سے آزادی اور اس سے بے اعتنائی اس حد تک نہ ہو کہ جو رہبانیت اور اپنی ذمہ داریوں کو پس پشت ڈالنے نیز اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں اشتباہ کا موجب بنے بلکہ مسؤلیت و ذمہ داری صرف اس طرح کے زہد کے پرتو میں ہے جو اپنی حقیقت کو حاصل کرتا ہے اور کھوکھلے دعوے نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت علیؑ کی ذات میں یہ دونوں چیزیں یعنی زہد واحساس مسؤلیت جمع تھیں حضرت علیؑ دنیا کے سب سے بڑے زاہد تھے اور اس کے باوجود وہ سماجی ذمہ داریوں کے لئے حساس ترین دل اپنے

Presented by www.ziaraat.com

سینہ میں رکھتے تھے ایک طرف تو وہ کہتے تھے ۔

مالعلی ولنعیم یفنی ولذۃ لا تبقی ۱

علیؑ کا فانی نعمتوں اور مٹ جانے والی لذتوں سے

کیا واسطہ ؟

اور دوسری طرف ایک معمولی سی ناانصافی اور کبھی ایک حق سے محروم انسان کی وجہ سے رات بھر نیند نہیں آتی آپ اپنی حکومت میں کسی بھوکے انسان کے ہوتے ہوئے شکم سیر ہو کر سو جائیں ۔

ولعل بالحجاز او الیمامۃ من لا طمع له فی القرص و لا

عهد له بالشبع

شاید حجاز و یمامہ میں کوئی روٹی کو محتاج ہو اور اس

سے نجات کی کوئی سبیل نہ ہو ۔

اس زہد و حساسیت کے درمیان ایک مستقیم رابطہ تھا علیؑ جہاں زاہد و بے اعتنا اور بے طمع تھے دوسری طرف ان کا دل عشق الٰہی سے مالامال اور دنیا کو ذرہ سے لے کر آفتاب تک اپنی مسئولیت کے لحاظ سے دیکھتے تھے ۔ اور سماجی حقوق و حدود کے سلسلہ میں بہت حساس تھے اگر کوئی شخص عیش پرور اور منفعت پرست ہو تو ایسے شخص کے لئے یہ محال ہے کہ وہ اپنے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرے ۔

اسلامی روایات میں اس فلسفۂ زہد کی تصریح ہوئی ہے اور نہج البلاغہ

---

۱ ۔ البلاغہ خطبہ ۲۲۲

Presented by www.ziaraat.com

میں خاص طور سے اس کو بیان کیا گیا ہے امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے ۔

وکل قلب فیہ شك او شرك فھو ساقط وانما
اراد والزھد لتفرغ قلوبھم للاخرۃ [1]

ہر وہ دل جس میں شک یا شرک موجود ہو اس کا اعتبار
ختم ہو جاتا ہے لہذا زہد کو اختیار کرو کہ یہ دلوں کو
آخرت کے لیۓ ہر آرزو سے خالی رکھتا ہے ۔

جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے کہ اس قسم کی ہوس پرستی اور لذت پرستی اور "شرک" کو خدا پرستی کی ضد قرار دیا گیا ہے ۔

بو علی سینا نے اشارات کی نویں فصل کو "مقامات العارفین" سے مختص کیا ہے اور زہد کو زہد عارف اور زہد غیر عارف میں تقسیم کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

جو زاہد فلسفۂ زہد سے آگاہی نہیں رکھتے وہ اپنے
خیال میں ایسا کام انجام دیتے ہیں جس میں متاع
آخرت کو متاع دنیا کا معاوضہ قرار دیتے ہیں اور
وہ دنیوی فائدے سے ہاتھ دھوتے ہیں تا کہ اخروی
فائدہ سے بہرہ مند ہو سکیں دوسرے الفاظ میں
اس دنیا سے کچھ نہیں لیتے تا کہ دوسری دنیا میں
کچھ حاصل کر سکیں لیکن با خبر اور فلسفۂ زہد سے آشنا
زاہد اس لیۓ زہد کو بروئے کار لاتا ہے کہ وہ

Presented by www.ziaraat.com

اپنے ضمیر کو ذات حق کے علاوہ کسی کے سپرد نہ کرے
ایسے افراد اپنی شخصیت کو عزیز رکھتے ہیں اور
خدا کے علاوہ ہر ایک چیز کو ضمیر کے لائق نہیں سمجھتے
کہ اپنے کو اس کے حوالے کر دیں اور اس کے اسیر
ہو جائیں بوعلی کی عبارت یہ ہے :

الزهد عند غير العارف معاملة ما كان يشترى
بمتاع الدنيا الاخرة والزهد عند العارف
تنزه ما عما يشغل سره عن الحق وتكبر على كل شئ
غير الحق ۔۔

۔۔۔۔ بوعلی اسی کتاب کی دوسری فصل میں "تمرین عارفین"
کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں :۔

اس تمرین کے تین مقاصد ہیں (۱) دفع مانع یعنی
غیر خدا کو راستے سے ہٹانا ۔ (۲) نفس مطمئنہ کے
مقابل نفس امارہ کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانا
(۳) اپنے باطن میں جلا پیدا کرنا ۔

ان تینوں مقاصد کے اسباب کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حقیقی اور
واقعی زہد پہلے مقصد کی مدد کرتا ہے یعنی غیر حق کو راستے سے ہٹاتا ہے ۔

Presented by www.ziaraat.com

دنیا اور آخرت کا تضاد

دنیا و آخرت میں تضاد کا مسئلہ ان دونوں کی آپس میں دشمنی اور یہ کہ دونوں دو مخالف قطب ہیں جیسے مشرق و مغرب کہ ایک سے نزدیکی دوسرے سے دوری کے مترادف ہے ان سب کا تعلق انسان کے دل و ضمیر اور اس کے عیش و دلبستگی اور پرستش سے ہے، خداوند عالم نے انسان کو دو دل عطا نہیں کئے ما جعل اللّٰہ لرجل من قلبین فی جوفہ ایک دل ایک ہی معشوق بنا سکتا ہے۔

چنانچہ جب آپ کے جسم پر ایک بوسیدہ اور پیوند دار لباس دیکھا گیا تو لوگوں نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

یخشع لہ القلب وتذل بہ النفس ویقتدی

بہ المومنون۔

اس سے دل متواضع اور نفس رام ہوتا ہے اور

مومن اس کی تاسی کرتے ہیں۔

یعنی جس کے پاس نیا لباس نہیں ہوتا وہ بوسیدہ لباس پہننے سے افسردہ اور احساس حقارت نہیں کرتا ہے کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ ان کا پیشوا ان سے بہتر لباس نہیں پہنے ہوئے ہے۔

مزید آپ فرماتے ہیں دنیا و آخرت آپس میں ایک دوسرے کے دشمن اور دو جدا جدا راستے ہیں چنانچہ جو دنیا کو چاہے گا اور اس سے دل لگائے گا لامحالہ

Presented by www.ziaraat.com

وہ آخرت سے بیزار اور دشمنی رکھے گا۔ وہ دونوں مشرق و مغرب کی طرح ہیں اور ان دونوں سمتوں کے درمیان چلنے والا جب بھی ایک سے قریب ہوگا تو خودبخود دوسرے سے دور ہو جائے گا ان دونوں کا رشتہ ایسا ہی ہے جیسا دو سوتوں کا ہوتا ہے ۱؎

حضرت علیؑ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں ۔

وايم الله ـ يمينا استثني فيها بمشيئة الله لاروضن
نفسي رياضة تهش معها الى القرص اذا قدرت
عليه مطعوما و تقنع بالملح مأدوما ولادعن مقلتي
كعين ماء نضب معينها مستفرغة دموعها اتمتلئ
السائمة من رعيها فتبرك ويأكل عليؑ من زاده
فيهجع ؟! قرت اذا عينه، اذا اقتدى بعد السنين
المتطاولة بالبهيمة الهاملة والسائمة المرعية ۲؎

میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں اپنے نفس
کو ایسا بناؤں گا کہ وہ کھانے میں ایک روٹی اور
تھوڑے سے نمک پر قناعت کرے اور اسی کو
کافی سمجھے اور اپنی آنکھوں کا سوتا اس طرح خشک
کردوں گا جس طرح وہ چشمۂ آب جس کا پانی

۱؎ نہج البلاغہ حکمت ۱۰۳ ـ ۲؎ نہج البلاغہ نامہ ۴۵

Presented by www.ziaraat.com

تہ نشین ہو چکا ہو گیا یہ صحیح ہے کہ جس طرح بکریاں
پیٹ بھر لینے کے بعد سینہ کے بل بیٹھ جاتی ہیں اور
سیر ہو کر اپنے باڑے میں گھس جاتی ہیں اسی طرح
علیؑ بھی اپنے پاس کا کھانا کھالے اور سو جائے
اس کی آنکھیں بے نور ہو جائیں اگر وہ زندگی کے
طویل سال گزارنے کے بعد کھلے ہوئے چوپاؤں
اور چرنے والے جانوروں کی پیروی کرنے لگے

اس کے بعد فرماتے ہیں :

طوبیٰ لنفس ادت الی ربها فرضها وعرکت بجنبها
بؤسها وهجرت فی اللیل غمضها حتی اذا غلب الکری
علیها افترشت ارضها وتوسدت کفها فی معشر
اسهر عیونهم خوف معادهم وتجافت عن
مضاجعهم جنوبهم وهمهمت بذکر ربهم
شفاههم وتقشعت بطول استغفارهم ذنوبهم
اولئک حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون

خوش قسمت ہے وہ شخص کہ جس نے اللہ کے فرائض
کو پورا کیا سختی اور مصیبت میں صبر کرتا رہا راتوں
میں اپنی آنکھوں کو بیدار رکھا اور جب نیند کا غلبہ
ہوا تو ہاتھ کو تکیہ بنا کر ان لوگوں کے ساتھ فرش
خاک پر لیٹ رہا کہ جن کی آنکھیں قیامت کے

Presented by www.ziaraat.com

خوف سے بیدار، پہلو بچھونوں سے الگ اور ہونٹ
یاد خدا میں زمزمہ سنج رہتے ہیں اور کثرت استغفار
سے جن کے گناہ چھٹ گئے ہیں یہی اللہ کا گروہ ہے
اور بیشک اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں حصّے زہد اور معنویت کے رابطہ کو بخوبی روشن کرتے ہیں ان دونوں حصّوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دو راہوں میں سے ایک راہ کو اختیار کرنا چاہیئے یا کھانا، سورہنا، شہوت و غضب نہ راز ہے نہ نیاز نہ سوز و گداز ہے نہ انس و بصیرت (یعنی) ایک قدم بھی حیوانیت سے آگے نہ بڑھا یا وادی انسانیت میں ایک قدم رکھے اور الٰہی عطیات سے استفادہ کرے کہ جو پاک دلوں اور تابناک روحوں سے مخصوص ہے۔

زہد یعنی کم خرچ بالانشیں

چند روز قبل اصفہان کے سفر کا اتفاق ہوا تھا وہاں ایک روز فضلاء کے درمیان زہد کی بحث چھڑ گئی اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہوئی ہر ایک چاہتا تھا کہ زہد کے لئے اسلامی مفہوم کی روشنی میں ایک جامع اور بامعنی تعبیر پیش کرے انہیں کے درمیان دبیر فاضل آقا اکبر پرورش بھی تھے جن کے متعلق بعد میں معلوم ہوا کہ اس موضوع پر موصوف کا ایک رسالہ بھی ہے انھوں نے مجھے اپنی یادداشت بھی سنائی ان کی یہ تعبیر

Presented by www.ziaraat.com

بہت اچھی تھی انھوں نے فرمایا :

اسلامی زہد عبارت ہے کم دینے اور زیادہ لینے سے

یہ تعبیر مجھے بہت پسند آئی میں نے اس کو اپنے تصورات واستنباط پر منطبق پایا جن کو پہلے ہی میں چند مقالوں کی صورت میں پیش کر چکا تھا میں نے ان کی اجازت سے اس تعبیر میں تھوڑا سا تصرف کیا ۔ زہد کے معنیٰ کم دینا اور زیادہ لینے " یعنی زیادہ لینے اور (عطیات کا) کم استعمال کرنے کے درمیان ایک رابطہ ہے ۔

انسان کی انسانیت کا زیادہ عوض اور انسان کی انسانی شخصیت کی تجلیات خواہ اس کا تعلق اخلاق وعواطف سے ہو خواہ اجتماعی تعاون وہمکاری سے یا کسی انسان کی شرافت کے لحاظ سے یا عالم بالا کی پرواز کے اعتبار سے ان تمام جزاؤں اور مادیات کے استعمال کے درمیان معکوس رابطہ ہے ۔

انسان کی خصوصیت ہے کہ وہ لذت اندوزی میں مادیات کے زیادہ سے زیادہ استعمال ، عیش پرستی اور اسراف سے مدد لیتا ہے اور جس چیز کو انسانی کمال کا نام دیا جاتا ہے اس چیز کو یہ استعمال کمزور ، ضعیف ، قبیح ہے نتیجہ اور لاحاصل بنا دیتا ہے اس کے برعکس ان چیزوں سے پرہیز (البتہ معین مقدار میں) اس کے گوہر (انسانیت) کو صفا اور جلا بخشتا ہے اور فکر وارادہ (یعنی انسان کی دو بڑی طاقتوں) کو قوی تر بناتا ہے ۔

یہ حیوان ہے کہ جو (مادیات کے) زیادہ استعمال سے حیوانی کمال کو ترقی دیتا ہے جب کہ حیوان کے لیے بھی اس چیز (مادیات کے زیادہ استعمال) کو "ہنر" کا نام نہیں دیا جاتا ہے ایک حیوان کو فربہ کرنے اور اس کے گوشت کو لذیذ بنانے اس کے دودھ اور اون سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے

Presented by www.ziaraat.com

کے لیئے زیادہ دیکھ بھال کی جاتی ہے لیکن مقابلہ کے گھوڑے کے لیئے یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ ایک اصطبل کا گھوڑا، ریس (RACE) نہیں جیت سکتا دوڑ کے لیۓ تو وہ گھوڑا درکار ہے کہ جس کو مہینوں، کم غذا کا عادی بنایا گیا ہو۔ اور اس کا بدن چھریرا ہو گیا ہو۔ گوشت اور چربی کم ہو گئی ہو تاکہ تیز اور پھرتیلا ہو جائے اور اپنے کمال ہنر میں تیز روی حاصل کرے۔

زہد آدمی کے لیے "مشق" ہے لیکن روح کی تمرین، روح کی ورزش زہد ہے کہ جو نا التوں لگاؤ کو ختم کرتی ہے اور میدان کمال میں سبکبالی کے ساتھ پرواز کرتی ہے حضرت علیؑ نے زہد و تقویٰ کو ورزش سے تعبیر کیا ہے، لفظ ریاضت کا اصل مفہوم، مقابلہ سے پہلے گھوڑے کی ورزش و تمرین ہے، ورزش کو بھی ریاضت کہا جاتا ہے، آپ فرماتے ہیں، وانما ھی نفسی اروضھا بالتقوی

میں اپنے نفس کو فقط تقوی کی ورزش کراتا ہوں

لیکن نباتات بھی حیوان کی طرح ہیں کم سے کم جس چیز کو (خواہ تشبیہ میں مسامحہ کیوں نہ ہو) "نباتات کے لئے" ہنر کہا جاسکتا ہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مادہ سے کم سے کم استفادہ کرے۔

حضرت علیؑ اس نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور نباتات کی مثال دیتے ہیں آپ اسی طرح ایک خط میں اپنی زاہدانہ و قانعانہ زندگی کو ایک گورنر کے لئے تحریر فرماتے ہیں اور اس کو اس زاہدانہ زندگی اپنانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

گویا معترض کے اعتراض کو میں سنتا ہوں کہ اگر علیؑ نے نعمتوں کو اتنا کم استعمال کیا ہوتا تو ہو نا یہ

Presented by www.ziaraat.com

چاہیئے تھا کہ ضعف و ناتوانی کی وجہ سے بڑے بڑے سورماؤں کا مقابلہ نہ کر سکتے یہ کیسے ممکن ہے کہ بڑے بڑے بہادران کا مقابلہ نہیں کر پاتے تھے، لیکن یہ لوگ اشتباہ کرتے ہیں کیونکہ جو اپنی حیات میں سختیوں سے دست و گریباں ہوتے ہیں وہ مضبوط اور قوی تر ہو جاتے ہیں، اور فولاد بن جاتے ہیں جنگل کے اس درخت کی لکڑی کی طرح کہ جس پر باغبان توجہ نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی دیکھ بھال کی پرواہ کرتا ہے مگر وہ محرومیوں کے ساتھ ہمیشہ نبرد آزما مستحکم اور مضبوط رہتی اور اس میں شعلگی زیادہ اور دیرپا ہوتی ہے

یہ قانون جو جانداروں پر حاکم ہے، انسان بما ھو انسان یعنی خاص انسانی خصلتوں کے لحاظ سے جس کو انسانی شخصیت کہتے ہیں یہ قانون زیادہ حاکم ہے کلمہ زہد جو عالی اور انسانی مفہوم ہے اور اب وہی بدقسمتی سے حقیر ہو گیا خصوصاً ہمارے دور میں اس کو ظلم کہتے ہیں اس کلمہ میں جان بوجھ کر یا غیر ارادی طور پر بہت زیادہ تحریف ہوئی ہے کبھی یہی تظاہر دریا کے مساوی اور کبھی رہبانیت و عزلت اور گوشہ نشینی کے مترادف سمجھا جاتا ہے

ہر شخص اپنی شخصی اصطلاح کا مختار ہے ان الفاظ کو جن معنی میں چاہے ڈھال لے لیکن اس کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی اصطلاح کو ایک غلط مفہوم میں ڈھال کر اس کی مذمت کرے۔

Presented by www.ziaraat.com

اسلام نے اپنی اخلاق اور تربیتی روش میں زہد کو ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے نہج البلاغہ اور اسلامی روایات اس لفظ سے پر ہیں اسلامی زہد پر بحث کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے اسلامی مفہوم کو سمجھیں اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں اسلامی زہد کا مفہوم وہی ہے جو بیان کیا گیا ہے اور فلسفہ بھی وہی ہے کہ اسلامی مدارک سے جس کی وضاحت کی گئی ہے اب کون سے اعتراض کی گنجائش ہے جس کو جہاں کوئی ایراد اشکال ہو اس کو وہ بیان کرے تاکہ اس اشکال کے بارے میں سوچا جا سکے ۔

گزشتہ بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام نے زہد کے سلسلے میں دو چیزوں کی سخت مذمت کی ہے ایک رہبانیت اور دوسرے دولت و مادہ پرستی دوسرے لفظوں میں " دنیا داری کی مذمت کی ہے ۔

وہ کون سا مکتب و منطق ہے جو رہبانیت کی اجازت دیتا ہے اور کون مکتب ہے جو دولت اور جاہ و مقام پرستی دوسرے الفاظ میں دنیا میں کھو جانے کی تلقین کرتا ہے کیا ممکن ہے انسان مادیات کا اسیر غلام ہو اور حضرت علیؑ کی تعبیر کے مطابق دنیا کا غلام یا کسی ایسے شخص کا غلام کہ جس کے اختیار میں دنیا ہو اور اس وقت وہ اپنی شخصیت کا دم بھر سکتا ہے ؟!

میں یہاں ایک کمیونسٹ قلم کار کے نظریات نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو اس نے دولت پرستی اور انسانی شخصیت کے بارے میں تحریر کئے ہیں یہ اپنی جامع اور سفید کتاب میں جو سرمایہ داری اقتصاد اور کمیونزم اقتصاد کے سلسلہ میں لکھی ہے دولت کی سماج پر حکومت کے اخلاقی پہلو کے بارے میں لکھا ہے :

آج کل معاشرہ میں سونے کا حد سے زیادہ تسلط

ہے کہ جو حساس دلوں کے لئے انزجار کا باعث

Presented by www.ziaraat.com

ہے، حقیقت کے طالب افراد ہمیشہ اس پست دھات
سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور اسی کو سماج کی
خرابی کا محرک جانتے ہیں لیکن درحقیقت ان چمکتے
سکوں کی کوئی خطا نہیں ہے کہ جس کو سونا کہتے ہیں
عام اشیاء کا بشر پر تسلط اور حکمرانی ان سکون کی حکمرانی
کا ترجمان ہے انسان کے ذہن پر (مادہ) اشیاء کا تسلط یہ
اقتصاد کی بہترین خصوصیات میں سے ہے جب کہ یہ کسی نظم و ضبط
کے تحت نہیں ہے اور نہ ہی کسی مبادلہ پر مبتنی ہے
جس طرح زمانہ قدیم میں غیر مہذب معاشرہ
جس بت کو خود بناتا تھا اسے اپنا معبود و مسجود
قرار دیتا تھا اور اس کی پرستش کرتا تھا اسی طرح اس
دور کے افراد بھی اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیز
کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی زندگی ان اشیاء
کے ماتحت ہوئی ہے جن کو خود انھوں نے بنایا اور
یہ کہ اشیاء پرستی اور زر پرستی اشیاء پرستی کے
ارتقاء کی بدترین شکل ہے کہ اس کو جڑ سے اکھاڑ
کر پھینک دینا چاہیئے اس کے لئے ضروری ہے
کہ سماج کے وہ اسباب جس کی وجہ سے یہ فکر
وجود میں آئی ہے اس کو ختم کر دیں اور سماجی کمیٹی
کو اس طرح تشکیل دینا چاہیئے کہ ان چھوٹے

Presented by www.ziaraat.com

سکون کا اقتدار و حکومت انسانی ذہن سے محو ہو جائے
ایسی کمیٹیوں کے ہوتے ہوئے معاشرہ پر اشیا کی
حکومت نہیں ہو پائے گی بلکہ اس کے برعکس خود انسان
اس پر حکومت کرے گا اور اس کا اپنی شخصیت کو
عزیز اور اس کا احترام کرنا اس بات کا موجب ہو گا
کہ دولت خود اس کی پرستش کرے [1]

ہم مصنف کے اس نظریہ کے موافق ہیں کہ بشر پر اشیا کی حکومت خصوصاً دولت کی حکومت بشری شرافت کے خلاف اور اس کے لئے بت پرستی کے مثل ہے لیکن اس کی محدود تدبیر سے متفق نہیں ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ اجتماعی و اقتصادی نقطۂ نگاہ سے اصل اشتراکی مالکیت اس کی جگہ لے سکے گی یا نہیں ؟ یہ میری بحث کا موضوع نہیں ہے لیکن اس بات کی طرف اشارہ کر دینا اخلاقی نقطۂ نظر سے ایسا ہی ہے جیسے اصل امانت کو معاشر کے سپرد کرنا اور اس کے موضوع کو معدوم کر دینا ہے۔

انسان اپنی شخصیت کو اس وقت دوبارہ حاصل کر لیتا ہے جب وہ اپنے گریبان کو دولت و مروت کے ہاتھ سے چھڑا لیتا ہے اور خود کو دولت کا غلام نہیں بناتا ہے بلکہ اس کو اپنے قابو میں رکھتا ہے حقیقی شخصیت وہاں آشکار ہوتی ہے جہاں اشیا و دولت کے تسلط کا امکان ہو اس کے باوجود انسان اس پر حکومت کرے نہ یہ کہ وہ چیزیں اس پر حکومت کریں ایسی "شخصیت سازی" کو اسلام نے

---

[1] اصول اقتصاد لوشین فصل مشکل ارزش پول "

Presented by www.ziaraat.com

"زہد" کا نام دیا ہے ،

انسان اسلام کے مکتب تربیت میں اپنی شخصیت کو دوبارہ حاصل کر سکتا ہے اس کے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس کا حق تملک ختم کیا جائے ۔ اسلام کے تربیت یافتہ اسلامی تعلیمات کے پرتو میں زہد کے اسلحہ سے لیس ہوتے ہیں اور دولت و اشیاء کی حکومت سے اپنے کو دور ان پر اپنی حکومت قائم کرتے ہیں ۔

Presented by www.ziaraat.com

حصۂ ہفتم

دنیا اور دنیا پرستی

نہج البلاغہ اور ترکِ دنیا۔

مال و دولت خطرات کا سرچشمہ۔

دولت کا نشہ۔

مولا کے کلام کا عام رخ۔

ہر مکتب کی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے۔

مذموم دنیا۔

انسان اور دنیا کا رابطہ۔

اسلام کی منطق۔

قرآن اور نہج البلاغہ کی نظر میں دنیا کی قیمت۔

وابستگی اور آزادیاں۔

اگزیستانسیالیستی کا نظریہ۔

کیا ارتقا خود سے بے خود ہونے کا نام ہے

خود فراموشی۔

خود کو پانا خدا کو پانا۔

اپنی بازیابی میں عبادت کا اثر۔

چند نکات۔

دنیا و آخرت کا تضاد

تابعیت و متبوعیت کا رجحان۔

ایسے رہو کہ جیسے ہمیشہ زندہ رہنا ہے

اور ایسے رہو کہ جیسے کل مرجانا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

Presented by www.ziaraat.com

دنیا اور دنیا پرستی

نہج البلاغہ اور ترکِ دنیا

نہج البلاغہ کے مباحث میں سے ایک بحث دنیا پرستی سے روکنا ہے جو کچھ ہم گزشتہ حصے میں، زہد کے مقصد و مراد کے بارے میں کہہ چکے ہیں، وہ دنیا پرستی کے مفہوم کو بھی واضح کرتا ہے کیوں کہ جس کے ساتھ زہد کی ترغیب کی گئی ہے اسی شدت وسختی کے ساتھ دنیا پرستی کہ جو زہد کا مدمقابل ہے کی نفی کی گئی ہے ان دونوں (زہد و دنیا پرستی) میں سے ایک کی توضیح و تعریف سے دوسرا بھی واضح ہو جاتا ہے لیکن اس بات کے پیش نظر کہ حضرت امیرالمومنین علیؑ نے اپنے مواعظ میں دنیا پرستی سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے اور پھر خود یہ موضوع بھی بہت اہمیت کا حامل ہے اس لئے ہم اسے مستقل طور پر پیش کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ وضاحت کریں گے تاکہ ہر قسم کا ابہام دور ہو جائے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کلمات امیرالمومنین میں اس موضوع پر اتنی توجہ کیوں دی گئی ہے؟ خود حضرت علیؑ نے بھی کسی دوسرے موضوع کو اتنی اہمیت نہیں دی، اور نہ ہی رسول اکرم و دیگر آئمہ نے دنیا کے فریب اور اس کی فنا و ناپائیداری،

Presented by www.ziaraat.com

اس کی بے وفائی و بے رخی، اور اس میں مال و ثروت و نعمت کا وفور، دنیاوی امور میں دلچسپی کو اتنی اہمیت نہیں دی ہے ۔

مال و دولت خطرات کا سرچشمہ

یہ کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عظیم خطرات کے اس سلسلہ سے ہے جو علیؑ کے زمانہ میں یعنی خلفائے (ثلاثہ) کی خلافت خصوصاً عثمان کی خلافت کے دوران رونما ہوئے اور آپ کی خلافت پر منتہی ہوئے، دنیائے اسلام کا نقطۂ نگاہ مال و دولت جمع کرنا ہوگیا تھا حضرت علیؑ اس رویہ سے پیدا ہونے والے خطرات کو محسوس کر رہے تھے اور ان سے ٹکر لے رہے تھے آپ کی خلافت کا زمانہ مستقل عملی جنگ میں گزرا کہ جس نے آخر کار آپ کو شہادت تک پہونچا دیا اور منطقی بیان کی جنگ کہ جو آپ کے خطبوں، خطوط اور کلمات سے آشکار ہے ۔

مسلمانوں کو عظیم فتوحات حاصل ہوئی تھیں ان فتوحات نے مسلمانوں کو بہت سا مال و دولت عطا کیا، جس ثروت کو عمومی کاموں میں خرچ اور عدالت کے ساتھ تقسیم ہونا چاہئے تھا، وہ زیادہ تر فرد اور شخصیتوں کے ہاتھوں کی کٹھپتلی بنا رہا ہے بالخصوص عثمان کے زمانہ میں یہ حادثات بہت زیادہ رونما ہوئے چند سال قبل جو لوگ تہی دست و نادار تھے وہ بڑے مالداروں میں گنے جانے لگے یہاں دنیا نے اپنا رنگ دکھایا اور امت اسلام کے اخلاق کو انحطاط کی راہ پر لگا دیا، ایسے ماحول میں حضرت علیؑ کی فریادیں امت سے مخاطب تھیں یہ فریادیں معاشر

Presented by www.ziaraat.com

کے لیے اس عظیم خطرہ کی وجہ سے تھیں جس کو عثمان کے حالات میں مسعودی
نے تحریر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :-

عثمان بہت زیادہ سخی اور کریم تھے (البتہ بیت المال
کے مال سے) حکومت کے افراد اور بہت سے
عوام نے انھیں کی راہ اپنائی خلفا میں سب سے
پہلے انھوں نے اپنا (پکا) محل بنوایا ساج وعرعر
کی لکڑی کے دروازے لگوائے اور اموال وباغات
چشموں کے فیض (کی آمدنی) کو مدینہ میں جمع کرلیا
ان کے انتقال کے بعد ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ
لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم نقد موجود تھے ان
کی ملکیت وادالقریٰ اور وادی حنین وغیرہ ایک
لاکھ دینار سے زیادہ تھی بہت سے اونٹ اور
گھوڑے بھی چھوڑے تھے۔

پھر لکھتے ہیں :-

عثمان کی خلافت کے زمانے میں ان کے دوستوں
کی ایک جماعت نے انہیں کی طرح ثروت سے
اپنے درتیچے بھر لئے تھے، زبیر ابن العوام نے بصرہ
میں ایک گھر بنوایا تھا کہ جو ابھی (یعنی مسعودی کے
زمانہ) ۳۳۲ھ تک باقی ہے اور یہ واقعہ مشہور ہے
کہ اس نے کوفہ، مصر اسکندریہ میں بہت سے مکانات

Presented by www.ziaraat.com

بنوائے تھے مرنے کے بعد زبیر کی ثروت پچاس ہزار
درہم نقد اور ایک ہزار گھوڑے
اور دوسری ہزاروں چیزیں تھیں، طلحہ بن عبداللہ نے
کوفہ میں ایک پختہ مکان بنوایا تھا کہ جس میں ساج کے
دروازے لگوائے تھے جو ابھی (مسعودی کے زمانہ)
تک باقی ہے اور دوار الطلبین کے نام سے مشہور ہے
ایسے ہی مسعودی نے زید بن ثابت و یعلی بن امیہ کی ثروت کا حال لکھا ہے
بدیہی ہے کہ ایسی دولت کے چشمے زمین سے نہیں پھوٹ رہے تھے اور
نہ ہی آسمان سے ان کی بارش ہو رہی تھی جب تک اس ماحول میں بھک مری
پیدا نہ ہوگی اتنی دولت و ثروت جمع نہیں ہو سکتی تھی حضرت علیؑ اپنے خطبہ[۱۲۴] میں
لوگوں کو دنیا پرستی سے بچنے کے لئے فرماتے ہیں۔

وقد اصبحتم فی زمن لا یزداد الخیر فیه الّا
ادبارا ولا الشر فیه الا اقبالا ولا الشیطان فی هلاک
الناس الا طمعا، فهذا اوان قویت عدته وعمت
مکیدته وامکنت فریسته اضرب بطرفک
حیث شئت من الناس فهل تبصر الا فقیرا یکابد
فقرا او غنیا بدّل نعمة الله کفرا او بخیلا اتخذ
البخل بحق الله وفرا او متمردا کان باذنه
عن سمع المواعظ وقرا - این اخیارکم وصلحاؤکم
واین احرارکم وسمحاؤکم؟ واین المتورعون

Presented by www.ziaraat.com

فی مکاسبھم والمتنزھون فی مذاھبھم

تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں خیر پیچھے ہٹ رہی ہے اور برائی بڑھ رہی ہے اور لوگوں کو تباہ کرنے میں شیطان کی حرص میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے چنانچہ اس زمانہ میں اس کے (ہتھکنڈے) اور سر و سامان مضبوط ہو چکے ہیں اس کی سازشیں پھیل رہی ہیں اور اس کے شکار بھی تیار ہیں، دیکھو جدھر چاہو نظریں دوڑاؤ لوگوں کی زندگی کو ملاحظہ کرو ایک طرف فقر و فاقہ میں مبتلا اور دوسری طرف مالداروں میں کفران نعمت ہو رہی ہے یا کوئی بخیل اللہ کے حق کو روک کر ثروت کو بڑھا رہا ہے (کہیں) کوئی سرکش وعظ و نصیحت سے کان بند کئے پڑا ہے تمہارے نیک اور شائستہ افراد کہاں ہیں؟ تمہارے حوصلہ مند اور رجیالے لوگ کہاں ہیں؟ کہاں کاروبار میں دغا و فریب سے بچنے والے اور راہ و روش میں پاکیزگی رکھنے والے؟ کہاں ہیں تمہارے پرہیزگار؟

Presented by www.ziaraat.com

دولت کا نشہ

امیرالمومنینؑ اپنے کلمات میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ جس سے "سکر نعمت" دولت وخوشحالی سے پیدا ہونے والی مستی عبارت ہے کہ جو اپنے ساتھ انتقام کی وبالاتی ہے۔

خطبہ ۱۴۹ میں فرماتے ہیں۔

ثم انکم معشر العرب اغراض بلایا قد اقتربت
فاتقوا سکرات النعمة واحذروا بوائق النقمة۔

تم عرب والو: ایسی بلاؤں کی آماجگاہ ہو کہ جو عنقریب
آنے والی ہیں۔ نعمت کے نشہ اور اس کی بدمستی سے
ڈرو اور انتقام کی بلا سے بچو۔

پھر حضرت علیؑ نے ان مسلسل ودائمی ناہنجاریوں کی مفصل شرح بیان کی ہے

خطبہ ۱۸۵ میں مسلمانوں کے خطرناک مستقبل کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یہ وہ زمانہ ہوگا جس وقت تم بدمست وسرشار
ہو گے شراب سے نہیں بلکہ دولت وخوشحالی کے
نشہ سے۔

جی ہاں دنیائے اسلام میں بے حساب دولت کی آمد مال کی غیر عادلانہ تقسیم اور عصبیت نے اسلامی معاشرہ کو عیش کوشی اور دنیا پرستی ایسے بھیانک

Presented by www.ziaraat.com

مرض میں مبتلا کر دیا تھا۔

علیؑ ان حالات سے کہ جو دنیائے اسلام کے لئے بہت بڑا خطرہ تھے مقابلہ کرتے رہے اور جو لوگ اس مرض کی پیدائش کا سبب تھے ان پر سخت تنقید فرماتے رہے آپ نے اپنی شخصی اور فردی زندگی میں ان لوگوں کی طرز بود باش کے خلاف عمل کیا۔

جس وقت آپ (ظاہری) خلافت پر متمکن ہوئے تو ابتدائی پروگراموں میں انہی تباہ کار حالات کے خلاف اقدام کیا۔

مولا کے کلام کا عام رخ

یہ مقدمہ اس لئے بیان ہوا ہے تاکہ دنیا پرستی کے سلسلہ میں امیرالمومنین کے کلام کا وہ خاص پہلو جو معاشرہ کے مخصوص ماحول کی طرف تھا روشن ہو جائے اگر ہم اس خاص پہلو سے چشم پوشی بھی کر لیں تب بھی ایک عام پہلو موجود رہے کہ جو اسی زمانہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام زمانوں اور تمام (عہد کے) لوگوں کو شامل اور اسلامی تعلیم و تربیت کے اصول کا جز ہے اور یہ وہ منطق ہے کہ جس کا سرچشمہ قرآن ہے کہ جو رسول و امیرالمومنین اور تمام آئمہ کے کلام میں موجود ہے اس منطق کو صحیح طریقہ سے واضح ہونا چاہئے۔ ہم اپنی بحث میں امیرالمومنینؑ کے کلام کے عام رخ کو پیش کر رہے ہیں یہ وہ طرز بیان جو تمام زمانوں کے افراد سے مخاطب ہو

Presented by www.ziaraat.com

ہر مکتب کی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے

ہر مکتب کی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے (لہذا) اس مکتب کے مفاہیم و مسائل کو اس کی مخصوص زبان ہی سے پہچاننا چاہیئے۔

دوسری طرف اس مکتب کی خاص زبان سمجھنے کے لیے پہلے دنیا اور انسان شناسی کے بارے میں اس کے نظریات کو سمجھنا چاہیئے اصطلاح میں یہ کہا جائے کہ پہلے اس کے تصور کائنات کو سمجھنا چاہیئے۔

مخلوقات اور ہستی کے بارے میں اسلامی تصور کائنات روشن اور واضح ہے وہ انسان کی زندگی کو خاص نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔

اسلامی تصور کائنات کے اصول میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہستی میں دوئیت نہیں ہے یہ کسی طرح بھی حصوں میں تقسیم نہیں ہوتی ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ بعض چیزیں بھلی اور اچھی ہیں کہ انہیں پیدا کرنا چاہیئے تھا لیکن شر (آمیز) اور بری ہیں انہیں پیدا نہیں ہونا چاہیئے تھا جب کہ وہ پیدا ہوتی ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ایسے کلمات کفر اور توحید کے منافی ہیں۔

الذی احسن کل شیٔ خلقہ (سورۂ سجدہ آیت ۷)

اس نے ہر چیز کو حسن کے ساتھ بنایا۔

ماتری فی الخلق الرحمٰن من تفوت (سورۂ ملک آیت ۳)

تم رحمٰن کی خلقت میں کسی طرح کا فرق نہ دیکھو گے

Presented by www.ziaraat.com

اس بنا پر اسلام کی منطق کا رخ دنیا کی مذمت کی طرف ہرگز نہیں ہے بلکہ اسلامی نظریہ کی بنا خالص توحید کے اصولوں پر استوار ہے، جاہلیت کے سلسلہ میں توحید پر بہت اعتماد کیا گیا ہے۔ اسلام خدا کی بادشاہی میں کسی کی شرکت کا قائل نہیں ہے (لہذا) ایسا نظریہ غلط نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ نکر چرخ کج مدار اور فلک کج رفتار کی فکر ہے اسلامی فکر نہیں ہے پس دنیا کی مذمت کے کیا معنیٰ ؟

مذموم دنیا

عام طور پر لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں جو چیز مذموم ہے وہ دنیا سے لگاؤ رکھنا ہے یہ بات صحیح بھی ہے اور صحیح بھی نہیں اگر ان کی مراد لگاؤ سے فقط ربط ہے تو یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، چونکہ انسان کلی طور پر مہر و محبت اور علاقہ مندی ایسے نظام کے تحت پیدا ہوتا ہے اور یہ میلانات اس کی فطرت و سرشت کا جزو ہوتے ہیں اس نے انہیں خود کسب نہیں کیا ہے اور یہ علاقہ مندی، مہر و محبت بے جا بھی نہیں ہے جس طرح انسان کے بدن میں بال برابر رگ بھی زیادہ و بے جا نہیں ہے اسی طرح انسان کی سرشت میں مہر و محبت بھی کوئی اضافی عنصر نہیں ہے اور بشر کی سرشت و فطرت کا اپنے مقصد و غایت کی طرف متوجہ ہونا حکیمانہ فعل ہے:

قرآن کریم نے اس جذبہ محبت کو خدا کی حکمت و تدبیر کی نشانی بتایا ہے

ومن اٰیاتہ ان خلق لکم من انفسکم

Presented by www.ziaraat.com

ازواجاً لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ [1]

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس
نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تا کہ
تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے
درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے ۔

یہی مہر و محبت اور علاقہ مندی دنیا اور انسان کے درمیان کی خلیج کو پاٹتی ہے اس کے بغیر انسان اپنی کمال کی منزلوں کو طے نہیں کر سکتا۔ پس جس طرح اسلامی نقطۂ نظر ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ ہم دنیا کو برا بھلا کہیں اسی طرح اس بات کی اجازت بھی نہیں دیتا ہے کہ ہم فطرت و محبت اور ان ارتباطی راستوں کو برا بھلا کہیں کہ جو دنیا اور انسان کے درمیان استوار ہیں ۔ یہی محبت و علاقہ مندی عام نظام آفرینش کا جزء ہے انبیا ر و اولیا ر نے اس کا بہترین مظاہرہ کیا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا سے علاقہ مندی اور فطری محبت مراد نہیں ہے ۔ بلکہ اس علاقہ مندی سے مراد دنیوی اور مادی امور سے وابستگی اور ان میں گرفتار ہونا ہے کہ جو ایک قسم کا جمود و رکود ہے اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے یہ ہے وہ دنیا پرستی کہ جس سے اسلام برسر پیکار رہا ہے اور یہ ہے وہ چیز کہ جو آفرینش کی راہ میں مخل ہے پس اس صورت میں اس کی جنگ ناموس آفرینش کی راہ کمال میں رکاوٹ سے ہے اس سلسلہ میں قرآن نے جو تعبیریں استعمال کی ہیں وہ معجزہ کی حد تک پہونچی ہوئی ہیں آئندہ فصل میں ہم اس کی وضاحت کریں گے

---

[1] سورہ روم آیت ۲۰

Presented by www.ziaraat.com

انسان اور دنیا کا رابطہ

پہلی فصل میں ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جو چیز قرآن اور لا محالہ نہج البلاغہ کی نظر میں وجودی نقص جہاں مذموم نہیں ہے وہیں انسان کی فطری علاقہ مندی اور میلان بھی مذموم نہیں ہے اس مکتب کی نظر میں نہ دنیا بے کار و عبث پیدا کی گئی ہے اور نہ انسان اس دنیا میں گمراہ اور غلط آگیا ہے کچھ مکاتب تھے اور (آج بھی) ہیں جو نظام آفرینش کو بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور دنیا کے نظام کو کامل نظام نہیں سمجھتے ہیں ایسے بھی مکاتب تھے کہ جو اس دنیا میں انسان کی پیدائش کو ایک اشتباہ شمار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ انسان ادھر بھولے سے نکل آیا ہے انسان کو دنیا سے سو فیصد بیگانہ سمجھتے تھے کہ جس کا اس دنیا سے کوئی رشتہ نہیں ہے، یہ دنیا ایک قید خانہ ہے ایک یوسف ہے کہ جو اپنے دشمن بھائیوں کے ہاتھوں اس دنیا کے کنویں میں محبوس ہے لہذا اس کو زیادہ سے زیادہ قید خانہ سے فرار کی کوشش کرنا چاہیئے اور اس کنویں سے نکلنے کی تگ و دو میں لگا رہنا چاہیئے ظاہر ہے جب انسان کا دنیا اور مادہ سے قیدی اور قید خانہ کا رابطہ ہوگا اور کنویں میں محبوس و کنویں کا تعلق ہوگا تو انسان اس سے چھٹکارے ہی کی کوشش کرے گا

Presented by www.ziaraat.com

اسلام کی منطق

اسلام کی نظر میں دنیا اور انسان کا رابطہ قیدی اور قید، کنویں اور کنویں میں گرے ہوئے انسان کا نہیں ہے بلکہ کاشتکار اور کھیت کا رشتہ ہے[1] دوڑنے والے گھوڑے اور میدان مقابلہ کا ربط ہے [2] بازار اور تجارت سے سوداگر کا تعلق ہے [3] یا عابد و عبادت گاہ کا رشتہ ہے [4] اسلام کی نظر میں دنیا انسان کی تربیت گاہ، مدرسہ اور اس کے ارتقاء کی جگہ ہے نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کی ایک شخص سے گفتگو نقل ہوئی ہے کہ جس نے دنیا کی مذمت کی تھی حضرت علیؑ نے اسے مطعون کیا کہ جس کا یہ گمان تھا کہ مذموم دنیا ہی مادی دنیا ہے تو آپ نے اسے متوجہ کیا [5]۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ انسان کا رابطہ اس دنیا سے کاشتکار اور کھیت کا رابطہ ہے اور تاجروں کا بازار کا تعلق ہے اور عابد کا عبادت جیسا لگاؤ ہے لہٰذا انسان دنیا سے بیگانہ اور اس کے روابط کو قطع نہیں کر سکتا ہے انسان کے ہر فطری و طبعی میلان میں ایک مقصد، غایت، مصلحت، حکمت مخفی ہو

---

1 الدنیا مزرعة الاخرة حدیث نبوی 2 الآوان الیوم المضمار و غداً السباق نہج البلاغہ [28] 3 الدنیا۔۔۔ متجر اولیاء اللہ نہج البلاغہ حکمت [131] 4 الدنیا مسجد احباء اللہ نہج البلاغہ حکمت [131]

5 نہج البلاغہ کلمات قصار

Presented by www.ziaraat.com

انسان اس دنیا میں رنگینی و ریاکاری کے لئے نہیں آیا ہے کہ ملامت کا نشانہ قرار پائے

کلی طور پر میلان۔ جاذبہ و کشش، دنیا کی ساری چیزوں میں موجود ہے کائنات کے ذرے بھی معین طریقے سے ایک دوسرے کی طرف کھینچتے اور ایک دوسرے کو جذب کرتے ہیں یہ جذب ہونا اور جذب کرنا بہت ہی حکیمانہ مقصد کی بنیاد پر ہے (یہ بات) انسان ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ایک ذرہ بھی اس میل و محبت سے خالی نہیں ہے (ہاں) ایک بات ضرور ہے اور وہ یہ کہ انسان تمام چیزوں کے برخلاف اپنی خواہش و میلان کا علم رکھتا ہے۔

پس اسلام کی رو سے نہ دنیا بیکار و عبث پیدا ہوئی ہے نہ ہی انسان دنیا میں غلط آیا ہے اور نہ ہی انسان کا فطری میل و رغبت ناشائستہ ہے پس جو چیز مذموم و ناشائستہ ہے اور قرآن و نہج البلاغہ کی توجہ کا مرکز ہے وہ کیا ہے؟ اس کے لئے ہمیں ایک مقدمہ بیان کرنا پڑے گا۔

انسان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ نمونہ جو اور کمال کا متلاشی پیدا کیا گیا ہے، وہ ایسی چیز کی تلاش میں ہے کہ جس سے اس کا تعلق وارتباط مضبوط و مستحکم ہو دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ انسان فطری طور پر عبادت گزار تقدیس کرنے والا پیدا ہوا ہے اور اس چیز کی جستجو میں ہے کہ جس کو وہ اپنی آرزوؤں کا مرکز قرار دے سکے اور وہ بھی اس کی کل کائنات بن جائے۔

اس موقع پر اگر انسان کی صحیح راہنمائی نہ کی جائے اور وہ (انسان) اپنے نفس سے اپنے کو نہ بچائے تو مادی چیزوں سے اس کا تعلق وارتباط دوسری شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر مقصد تک رسائی محال ہو جاتی ہے اور یہی ارتباط ایک زنجیر کی

Presented by www.ziaraat.com

صورت میں بدل جاتا ہے اور تحرک و آزادی جمود و اسیری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

یہی چیز ناشائستہ ہے اور دنیا کی راہ کمال میں مانع اور عدم و نقص ہے نہ کہ کمال و ہستی یہ چیز انسان کے لئے آفت اور مہلک مرض ہے قرآن و نہج البلاغہ نے انسان کو اسی لئے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے اور اسے خطرناک بتایا ہے بلاشک یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اسلام مادی دنیا اور اس میں زندگی گزارنے کو اگرچہ کتنی ہی عیش و آرام کی زندگی کیوں نہ ہو انسان کے کمال مطلوب کے لئے شائستہ نہیں سمجھتا ہے اولاً اسلام کے نقطۂ نظر سے جاویداں اور ابدی وہ جہان ہے جو اس دنیا کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس کی سعادت و شقاوت اس دنیا کے نیک و بد کا نتیجہ ہوتی ہے ثانیاً انسان کی عظمت اور اس کی بلند اقدار و کرامت کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ اپنے کو مادہ کا غلام نہ بنائے اس بات کی طرف حضرت علیؑ مکرر ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا بہترین جگہ ہے لیکن اس شخص کے لئے جو یہ جانتا ہے کہ دنیا دائمی نہیں ہے بلکہ میری منزل و گذرگاہ ہے۔

ولنعم دار من لم يرض بها دارا ۱

دنیا بہترین گھر ہے لیکن اس کے لئے جو اسے اپنا مستقل ٹھکانہ نہ بنائے۔

انما الدنيا دار مجاز والآخرة دار قرار فخذوا من ممركم لمقركم ۲

---

۱ نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۱ ۲ نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۱

Presented by www.ziaraat.com

دنیا راستہ کے درمیان کی منزل ہے نہ کہ دائمی قیام
گاہ پس اپنے مستقل ٹھکانہ کے لئے گزرگاہ سے توشہ فراہم کر لو

انسانی مکاتب کے لحاظ سے (یہ) شک و تردید کا مقام نہیں ہے کہ جو چیزیں، انسان کو اپنا گرویدہ بناتی ہیں اور اپنے میں گم کرتی ہیں وہی ایک انسان کی شخصیت کے مخالف ہوتی ہے کیوں کہ یہ چیز انسان کو منجمد اور بے حس و حرکت بنا دیتی ہے انسان کے کمال کا سفر لاتنا ہی ہے اور ہر قسم کا جمود و ٹھہراؤ اس کے خلاف ہے اس سے ہماری ابھی کوئی بحث نہیں ہے یعنی اس بات کو کلی طور پر قبول کرتے ہیں ہماری بحث دوسری دو باتوں میں ہے اول یہ کہ آیا قرآن اور قرآن کے اتباع میں نہج البلاغہ کا نظریہ انسان اور دنیا کے رابطہ کے بارے میں یہی ہے ؟ آیا حقیقت یہی ہے کہ قرآن نے دنیا سے اسی علاقہ مندی اور وابستگی کو مذموم قرار دیا ہے جو کمال مطلوب کی راہ میں مانع ہے بے حسی ہے ٹھہراؤ ہے عدم کے برابر ہے اور راہ کمال و برتری میں رکاوٹ ہے آیا قرآن مطلق طور پر دنیا سے محبت و علاقہ مندی یعنی وہ مہر و محبت جو راہ کمال میں مانع نہ ہو اس کی مذمت نہیں کرتا ہے ؟

دوم۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ کسی چیز سے وابستگی، اور کمال مطلوب چیز کا لازمہ انسان کے لئے قید و بندش ہے تو اگر اس کا نتیجہ جمود و بے حسی ہی ہے تو پھر اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ علاقہ اور لگاؤ خدا سے ہو یا غیر خدا سے ؟

قرآن ہر قسم کی وابستگی اور بندگی کی نفی کرتا ہے اور ہر قسم کی معنوی و انسانی آزادی کی دعوت دیتا ہے وہ ہرگز خدا سے وابستگی اور اس کی بندگی کی نفی نہیں کرتا ہے اور خدا سے بالکل بیگانہ و آزاد ہو کر کمال کے حصول کی دعوت نہیں دیتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

بلکہ بغیر کسی تردید کے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ قرآن کی دعوت کی بنیاد غیر خدا سے علیحدگی اور آزادی پر استوار ہے اس کے غیر کی اطاعت سے سرکشی اور اس کے سامنے سراپا تسلیم ہونے پر استوار ہے۔

کلمہ "لاالہ الا اللہ" کہ جو اسلام کی عمارت کا بنیادی ستون ہے (وہ بھی) نفی و اثبات، سلب و ایجاب، کفر و ایمان، سرکشی و تسلیم پر استوار ہے۔ غیر حق کے لئے کفر و سلب نفی و سرکشی اور ذات حق کے لئے اثبات و ایجاب، اس پر ایمان اور اس کے سامنے سراپا تسلیم ہونا ہے اسلام کی پہلی شہادت (گواہی) فقط ایک "نہیں" نہیں ہے جیسا کہ صرف ایک "ہاں" بھی نہیں ہے بلکہ یہ جملہ ہاں اور نہیں سے مرکب ہے۔

اگر کمال انسانیت اور اس کی شخصیت کے ارتقاء کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر قید و بند، ہر اطاعت و خود سپردگی اور بندگی سے آزاد ہو جائے اور تمام چیزوں سے سرکشی اور خود مستقل حیثیت اختیار کر لے اور ہر ایک ہاں کی نفی کرے اور مطلق آزادی کو حاصل کرنے کے لئے نہی محض ہو جائے (جیسا کہ اگزیستانیالیسم کہتا ہے کہ) اس میں کیا فرق ہے کہ انسان کو محو کرنے والی چیز خدا ہو یا غیر؟ اگر یہ فرض کیا جائے کہ انسان، قید و بندش اطاعت و تسلیم قبول کرے اور ایک نقطہ پہ ٹھہر جائے پھر بھی اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ نقطہ خدا ہو یا غیر خدا؟

یا یہ کہ اپنا کمال مطلوب، خدا اور غیر کو قرار دینے میں فرق ہے فقط خدا وہ وجود ہے کہ جس کی بندگی عین آزادی ہے اس میں کھو جانا عین اپنی شخصیت کو پانا ہے اگر ایسا ہی ہے تو کس بنیاد پر؟ اور کیسے اس کی توجیہ کی جا سکتی ہے؟ ہم یہاں عقیدہ کے ذریعہ سے واضح اور صاف طریقہ انسانی اور اسلام کے اصلی معارف

Presented by www.ziaraat.com

تک پہونچتے ہیں یہی وہ جگہ ہے جہاں منطق اسلام کی عظمت ورفعت ایک طرف ہے اور دوسری طرف دیگر منطقوں اور نظریات کی حقارت آشکار ہے آنے والی فصلوں میں ہمیں ان (سوالات) کے جوابات مل جائیں گے ۔

Presented by www.ziaraat.com

قرآن اور نہج البلاغہ کی نظر میں دنیا کی قیمت

گزشتہ فصل میں ہم کہہ چکے ہیں کہ اسلام کی رو سے انسان اور دنیا کے رابطہ میں جو چیز ناشائستہ اور ایک آفت و بیماری شمار ہوتی ہے اور اسلام نے اپنی تعلیمات میں اس پر تنقید کی ہے وہ انسان کا دنیا سے تعلق اور وابستگی ہے نہ کہ علاقہ وارتباط اور یہ انسان کا دنیا میں زندگی گزارنا ایک قیدی کی حیثیت سے ہے نہ کہ آزادی کی زندگی گزارنا دنیا کو مستقل ٹھکانہ سمجھنا ہے نہ کہ وسیلہ وراستہ قرار دینا۔

اگر انسان اور دنیا کا تعلق ورابطہ انسان کی دنیا سے وابستگی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے تو انسان کے عالی اقدار کی نابودی کا سبب قرار پائے گا انسان کی قدر وقیمت اس میں ہے کہ وہ اپنے مطلوبہ کمال کی جستجو کرتا رہے ظاہر ہے کہ اگر بطور مثال "انسان کا مقصد ومطلب شکم سیر ہونا ہے اور بس تو اس کی تمام کوششیں اسی کے لیے ہوں گی اور اس کی نظروں میں پیٹ ہی سب کچھ ہوگا حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔

جس شخص کا مقصد پیٹ بھرنا ہی ہے تو اس کی
قدر وقیمت پیٹ سے خارج ہونے والی چیز کے

esented by www.ziaraat.com

برابر ہے۔

تمام کلمات اس سلسلہ میں ہیں کہ انسان کا دنیا سے کیسا تعلق کس نوعیت کا ارتباط ہونا چاہیئے اس کی شکل وصورت کی کیا کیفیت ہونی چاہیئے ؟ ایک صورت میں انسان نابود اور قربان ہو جاتا ہے (قرآن کی تعبیر کے لحاظ سے مقصد سے ہٹ کر دوسری کمتر چیزوں کا متلاشی) اسفل سافلین ہو جاتا ہے دنیا کی پست ترین اور افتادہ ترین مخلوق بن جاتا ہے اس کی انسانی خصوصیات اور قدر وقیمت تباہ ہو جاتی ہیں اور دوسری شکل میں اس کے برعکس، دنیا اور اس کی تمام چیزیں انسان پر قربان ہو جاتی ہیں اور اس کی خدمت گزار قرار پاتی ہیں اور پھر انسان اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کر لیتا ہے۔ حدیث قدسی میں بیان ہوا ہے۔

یابن آدم خلقت الاشیاء لاجلك وخلقتك لاجلي

فرزند آدم میں نے تمام چیزیں تیرے لئے اور تجھے
اپنے لئے پیدا کیا ہے۔

گزشتہ فصل میں نہج البلاغہ کی دو عبارتیں اس بات کی مثال میں کہ نہج البلاغہ میں انسان وجہان کے درمیان کون سا رابطہ مذموم ہے، نقل ہوئی ہیں کہ جس کو ہم نے وابستگی اور تعلق وغیرہ کے نام سے پیش کیا ہے۔

اب کچھ مثالیں قرآن سے اور بعد میں کچھ مثالیں نہج البلاغہ سے نقل کریں گے انسان کے دنیا سے رابطہ کے بارے میں آیات قرآنی کی دو قسمیں ہیں ایک قسم دوسری کے لئے مقدمہ وتمہید ہے، درحقیقت پہلی قسم صغریٰ اور کبریٰ کے حکم میں ایک قیاس ہے اور دوسری قسم اس کے نتیجہ کے حکم میں ہے۔

آیتوں کے پہلے دستے میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری ہے اس

Presented by www.ziaraat.com

نوعیت کی آیتوں میں مادیات کی بدلتی ہوئی حقیقت اور ناپائیداری پیش کی جاتی ہے مثلاً گھاس کی مثال پیش کی ہے کہ زمین سے اگتی ہے ابتدا میں ہری بھری ہوتی ہے، بڑھتی ہے لیکن چند روز کے بعد زردی میں بدل جاتی ہے اور خشک ہو جاتی ہے اور ہوا اسے اکھاڑ پھینکتی ہے اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پراگندہ کر دیتی ہے پھر فرماتا ہے یہ ہے دنیاوی زندگی کی مثال۔

ظاہر ہے انسان چاہے یا نہ چاہے، پسند کرے یا نہ کرے قرآن کی نظر سے مادی زندگی کی حقیقت گھاس سے زیادہ نہیں ہے ایسا سانحہ اس کے انتظار میں ہے اگر یہ فرض کیا جائے کہ انسان کا اس دنیا سے استفادہ کرنا حقیقت بینی پر موقوف ہے نہ کہ (خام) خیالی پر اور انسان حقیقت کا انکشاف کر کے اپنی سعادت حاصل کر سکتا ہے نہ کہ وہمی فرض اور آرزوؤں سے اسے حقیقت کو اپنا نصب العین قرار دینا چاہیئے، تغافل سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

یہ آیتیں اس بات کی نقشہ کشی کر رہی ہیں کہ مادیات کو کمال مطلوب اور معبود نہ بناؤ۔ انہیں آیات کے ساتھ ساتھ بلکہ ان کے ضمن میں فوراً ہی یہ لفظ بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ اے انسان دوسری دنیا پائیدار و دائم ہے! یہ نا سمجھو! کہ سب کچھ یہی (دنیا) رہگزر ہے، اسے مقصد قرار نہیں دیا جا سکتا ہے پس زندگی بے فائدہ اور حیات بے کار ہے!

اس قسم کی آیتوں کا دوسرا دستہ صاف و صریح طور پر انسان کے ارتباط والی شکل کو واضح کرتا ہے، ان آیتوں میں ہم صریحی طور پر دیکھتے ہیں کہ جس چیز کی مذمت ہوئی ہے وہ ناپائیدار اور وقتی تعلق و وابستگی قید و بند والی چیزوں پر قناعت کرنا ہے۔ یہ آیات اس بحث میں قرآن کی منطق کو روشن کرتی ہیں

Presented by www.ziaraat.com

المال والبنون زينة الحیوٰة الدنیا والباقیات

الصالحات خیر عند ربک ثوابا وخیرا املا [1]

مال واولاد (تو) زندگانی دنیا کی زینت ہیں اور باقی

رہ جانے والی نیکیاں پروردگار کے نزدیک ثواب

اور امید دونوں کے اعتبار سے بہتر ہیں ۔

ملاحظہ فرمائیں اس آیت میں مورد بحث وہ چیز ہے جو آرزوؤں کی انتہا

ہے آرزوؤں کا منتہیٰ وہ چیز ہے کہ جس کی خاطر انسان زندہ ہے اور اس کے

بغیر زندگی بے معنی اور بے کار ہے ۔

الذین لا یرجون لقائنا ورضوا بالحیوٰة الدنیا

واطمأنوا بها والذین هم عن آیاتنا غافلون [2]

یقیناً جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں

رکھتے ہیں اور زندگانی دنیا پر راضی اور مطمئن ہو گئے

ہیں اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں ۔

اس آیت میں ناشائستہ نظریہ کی نفی ہوئی (یعنی دوسری زندگی کی توقع نہ

رکھنا) اور مادیات ہی پر راضی و قانع ہو جاتا ہے ۔

فاعرض عن من تولیٰ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوٰة

الدنیا ذلک مبلغهم من العلم [3]

جو شخص بھی ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اور

---

1. کہف آیت ۴۶ 2. یونس آیت ۷ 3. النجم آیت ۳۰

Presented by www.ziaraat.com

دنیا کی زندگی کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو آپ بھی اس سے الگ ہو جائیں یہی ان کے علم کی انتہا ہے ۔

وفرحوا بالحیٰوۃ الدنیا وما الحیٰوۃ الدنیا فی الاٰخرہ الامتاع [1]

یہ لوگ صرف زندگانی دنیا پر خوش ہو گئے ہیں حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں زندگانی دنیا صرف ایک وقتی لذت کا درجہ رکھتی ہے اور بس ۔

یعلمون ظاھراً من الحیٰوۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غافلون [2]

یہ لوگ صرف دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں اور آخرت کی زندگی سے بالکل بے خبر ہیں ۔

بعض دوسری آیات سے بھی یہی مفہوم بخوبی سمجھ میں آتا ہے، ان تمام آیتوں میں انسان و دنیا کے درمیان اس رابطہ کو ناشائستہ قرار دیا گیا اور اس کی نفی کی گئی ہے کہ جس میں انسان دنیا کو آرزوؤں کی انتہا سمجھے اور اس پر راضی وقانع ہو اور آدمی اس میں اپنا آرام تلاش کرتا ہو یہ رابطہ کی وہ شکل ہے کہ جس میں انسان کو دنیا سے فائدہ اٹھانے کے بجائے دنیا کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے اور انسانیت کے زمرہ سے نکالا جاتا ہے ۔

---

1 رعد آیت ۲۶ 2 روم آیت ۷

Presented by www.ziaraat.com

نہج البلاغہ میں بھی قرآن کی پیروی میں مطالب کی یہی دو قسمیں ملتی ہیں پہلے دستہ میں زیادہ تر باریک بینی، موشگافی، تشبیہات اور بلیغ کنایات و استعارات اور ایک مؤثر آہنگ کے ذریعہ دنیا کی بے ثباتی اور اس سے دل نہ لگانے کی تشریح ہوئی ہے دوسرے دستے میں وہی نتیجہ نکالا گیا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔

(آپؑ) تیئسویں خطبہ کی ابتدا میں لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم فرماتے ہیں اہل دنیا اور اہل آخرت دنیا والے اپنی تربیت کے لحاظ سے چار حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں :

پہلا گروہ ان لوگوں کا ہے جو آرام طلب اور گوسفند صفت ہیں ان سے فریب کاری اور زور و زر سے تباہ کاری دیکھنے میں نہیں آتی ہے لیکن ان کے پاس حیلہ اور فریب کاری نہیں ہے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں اس کی تمنا بھی نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کے اندر تباہی مچانے کی طاقت و قوت نہیں ہے۔

دوسرا گروہ آرزو مند امیدوار اور طاقت و قوت والوں کا ہے اور وہی کمر کس کر مال و ثروت کو سمیٹتے ہیں یا قدرت و حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں یا کسی شہر وغیرہ پر حملہ کر دیتے ہیں اور دل کھول کر فساد پھیلاتے ہیں۔

تیسرا گروہ گوسفند کی کھال میں (ملبوس) بھیڑیوں کا ہے، گندم نما جو فروشوں کا ہے (اہل دنیا)

لیکن اہل آخرت کی جھلک وہ تقدس کی بنا پر گردن جھکائے رہتے ہیں نپے تلے قدم اٹھاتے ہیں، لباس سمیٹے رہتے ہیں ان کا یہ اظہار لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے اور امین بن جانے کے لئے ہوتا ہے۔

چوتھا گروہ ان لوگوں کا ہے جو چودھری اور بڑا بننے کی حسرت میں زندگی

Presented by www.ziaraat.com

گزارتے ہیں اور اس حسرت و یاس کی آگ میں جلتے رہتے ہیں لیکن احساس کمتری نے انہیں خانہ نشین کر دیا ہے اور اس کی پردہ پوشی کے لئے انھوں نے زہد کا لباس پہن لیا ہے۔

حضرت علیؑ ان چار گروہوں کو کہ جو (وسائل کی) فراہمی اور محرومیت کے لحاظ اور ان کی رفتار و کردار و احساسات کے لحاظ سے مختلف ہیں انہیں ایک گروہ میں شمار کرتے ہیں۔

اہل دنیا کیوں؟ اس لیئے کہ وہ ایک خصوصیت میں مشترک ہیں وہ ایسے پرندے ہیں کہ جنہیں دنیا کے مادیات نے شکار کر لیا ہے اور ان کی قوت پرواز و رفتار چھین لی ہے وہ غلام اور قیدی انسان ہیں۔

خطبہ کے آخر میں (اہل آخرت کی توصیف فرماتے ہیں اس گروہ کی توصیف کے ضمن میں فرماتے ہیں:

ولبئس المتجر ان ترى الدنيا لنفسك ثمنًا

اور (بہت) بری تجارت ہے کہ تم اپنی شخصیت
کو دنیا کے برابر سمجھ رہے ہو، دنیا کو اپنی انسانیت
کے عوض خرید رہے ہو۔ (خطبہ ۳۲۰)

یہ مضمون اسلام کے پیشواؤں کے کلمات میں بہت زیادہ ملتا ہے اصل مسئلہ انسانیت کے بھینٹ چڑھنے کا ہے انسانیت وہ (جوہر بے بہا) ہے کہ انسان کو چاہیئے اسے کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ جانے دے۔

امیر المومنینؑ اپنی مشہور وصیت کہ جو آپؑ نے امام حسنؑ کو کی تھی اور وہ نہج البلاغہ کے مکتوبات کا جز ہے اس میں فرماتے ہیں۔

esented by www.ziaraat.com

اکرم نفسک عن کل دنیّۃ، فانک لن تعتاض

بما تبذل من نفسک ثمناً عوضاً

اپنے نفس کو پستیوں کی آلودگی سے محفوظ رکھو!

جس چیز کے عوض تم خود (اپنی قوت) کو صرف

کروگے اس کی کوئی قیمت نہیں ملے گی۔

بحارالانوار میں علامہ مجلسی نے حضرت علیؑ کے حالات لکھنے کے بعد امام صادقؑ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

اُثامن بالنفس النفیسۃ ربہا

ولیس لہا فی الخلق کلہم ثمن

دنیا میں جس چیز کو میں اپنے نفس کی قیمت سمجھتا

ہوں وہ (رضائے) پروردگار ہے دوسری کوئی

چیز نفس کی قیمت نہیں ہے۔

تحف العقول میں ہے:

امام زین العابدینؑ سے سوال کیا گیا کہ سب سے

باعزت کون شخص ہے؟ فرمایا جو پوری دنیا کو

اپنی قیمت نہ سمجھے۔

اس مضمون کی بہت سی حدیثیں ہیں طوالت سے بچنے کے لئے ہم انھیں چھوڑ رہے ہیں۔

قرآن و نہج البلاغہ اور دیگر تمام پیشواؤں کے کلمات میں غور و فکر کرنے سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام نے دنیا کی قیمت کو کم نہیں کیا ہے بلکہ

Presented by www.ziaraat.com

انسان کی قیمت کو بڑھایا ہے ۔

اسلام دنیا کو انسان کے لئے قرار دیتا ہے نہ کہ انسان کو دنیا کے لئے اسلام کا مقصد اس کی قدر و قیمت کو زندہ کرنا ہے نہ کہ دنیا کو بے قدر و قیمت بنانا ہے ۔

وابستگی اور آزادیاں

ہماری بحث ۔ نہج البلاغہ میں دنیا پرستی ، طویل ہو گئی اور ایک بات رہ گئی ہے کہ جس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ہم پہلے بھی اس کو سوال کی صورت میں بیان کر چکے ہیں لیکن اس کا جواب نہیں دے سکے اور وہ بات یہ ہے کہ اگر کسی چیز سے روح کا تعلق و وابستگی ایک قسم کی بیماری اور انسانیت کی قیمت کو محو کرتا ہے اور جمود و عدم تحرک کا باعث ہے تو پھر اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ چیز مادی ہو یا روحانی ، دنیا ہو یا عقبیٰ ، خدا ہو یا خرما :

اگر اسلام کا نظریہ انسان کو مادیات و دنیا سے بچانا اور قید سے آزاد کرنا ہے اور اس کی شخصیت بنانا ہے اور اس کی خواہش یہ ہے کہ انسان جمود و عدم تحرک کا شکار نہ ہو تو اسے مطلق آزادی کی دعوت دینا چاہئے تھی اور ہر قید و بند کو کفر قرار دینا چاہئے تھا جیسا کہ فلسفہ کے جدید مکاتب ، آزادی کو انسانی شخصیت کا رکن اساسی قرار دیتے ہیں ۔

ان مکاتب نے انسان کی شخصیت کو سرکشی اور تمرد کے برابر سمجھا ہے آزادی کا تعلق کسی بھی رنگ سے ہو بلا استثناء اور ہر قید تسلیم ہونے کو انسان کی شخصیت

Presented by www.ziaraat.com

کے خلاف اور اسے اپنے سے بیگانہ شمار کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں انسان، واقعی انسان اس وقت بنے گا اور اپنی حقیقت سے بہرہ مند ہوگا کہ جب تسلیم فاقد ہوگی کسی چیز سے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز انسان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرے اور اس کے علم و آگہی کو سلب کرے اور اسے خود سے بیگانہ بنا دے نتیجہ میں یہ آگاہ اور صاحب علم انسان آزاد ہو جائے گا اس کی آزاد شخصیت کا خلاصہ ان دو کلموں میں ہوتا ہے کہ ایسا موجود جو علم و آگہی سے الگ تھلگ اور قیدی ہے، خود کو فراموش کر کے انسانی اقدار کو بھلا دیتا ہے اور گرفتاری کے عالم میں جنبش و بلند پروازی سے باز رہتا ہے اور نقطۂ جمود بن جاتا ہے۔

اگر دنیا پرستی سے اسلام کے جہاد کا فلسفہ انسان کی شخصیت کا تحفظ و زندگی ہے تو اسے ہر پابندی اور پرستش کا سد باب کرنا چاہیئے حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام مادہ سے آزادی کو معنوی قید کا مقدمہ اور پیش خیمہ قرار دیتا ہے اور دنیا سے آزادی کو آخرت کی پابندی اور خرما کو چھوڑ کر خدا کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

یہاں تک کہ عرفان بھی کہ جو ہر حال میں آزادی کے خواستگار ہیں اس میں بھی ایک استثنیٰ ہے۔

عرفان کے نقطۂ نظر سے (انسان کو) دونوں جہان میں آزاد ہونا چاہیئے لیکن عشق کا قلادہ گردن میں ڈالنا چاہیئے لوح دل ہر ایک تحریر سے صاف ہو لیکن قامت یار کا الف اس پر کندہ ہونا چاہیئے خاطر کا تعلق کسی چیز سے نہیں ہونا چاہیئے سوائے اس چاند سے رخسار کے کہ جس کی محبت کے ہوتے ہوئے

Presented by www.ziaraat.com

کوئی غم اثر انداز نہیں ہوتا ہے اور وہ ہے خدا ۔

فلسفہ کے نقطۂ نظر سے انسان کی عرفانی آزادی درد بشر کی دوا نہیں ہر کیوں کہ آزادی نسبی ہے ، آزادی ایک چیز کے لئے ہے ، پابندی بہر حال پابندی ہے اور وابستگی وابستگی ، سبب (خواہ) کچھ بھی ہو

جی ہاں یہی اشکال بعض جدید فلسفی مکاتب کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے بحث کو صحیح طور پر واضح کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ بعض فلسفی مسائل کی طرف اشارہ کریں ۔

اولاً ممکن ہے کوئی کہے کہ کلی طور پر انسان کے لئے ایک قسم کی شخصیت فرض کرے اور اس کا اصرار اس بات پر ہو کہ اس کی اصل شخصیت بھی باقی رہے اور اپنے غیر میں تبدیل نہ ہو بلکہ محفوظ رہے اس کا لازمہ یہ ہے کہ انسان میں جنبش و کمال کا جذبہ ہی نہ ہو ، کیونکہ جنبش ایک قسم کی تبدیلی اور غیریت ہے حرکت و جنبش (یعنی) ایک چیز کا دوسری چیز میں تبدیل ہو جاتا ہے صرف توقف اور بے حرکتی ، ٹھہراؤ اور جمود میں ایک موجود اپنے کو محفوظ رکھتا ہے اور دوسری چیز میں تبدیل نہیں ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ اپنے سے بیگانگی کالازمہ جنبش و کمال ہے اسی لئے بعض قدیم فلاسفہ نے حرکت کی تعریف غیریت سے کی ہے پس ایک طرف انسان کے لئے ایک نوع (خود) کو فرض کرنا ہے اور اس بات کا تعین رکھنا کہ یہ (خود) محفوظ رہے اور نا خود میں تبدیل نہ ہو تو یہ تناقض ہے جو لاینحل ہے ۔

بعض لوگوں نے اس تناقض سے بچنے کے لئے کہا ہے کہ انسان وہ ہے کہ جس میں کوئی خودی نہ ہو اور ہماری اصطلاح میں انسان " لاتعین " مطلق ہو

Presented by www.ziaraat.com

اس کی حد عدم حد، اس کا رنگ بے رنگی، اس کی شکل بے شکلی اور اس کی قید بے قیدی اور نتیجہ میں اس کی ماہیت بے ماہیتی ہے، انسان وہ موجود ہے جس میں طبیعیت (مادہ) نہ ہو انسان میں اپنی کوئی خواہش نہ ہو، وہ تو بے رنگ بے شکل اور بے ماہیت ہے (ہم) جو بھی تعریف حد، قید، رنگ اور شکل کے ذریعہ کرتے ہیں وہ خود اسی کی حقیقت سے ماخوذ ہوتی ہے:

یہ بات شعریت، تخیلات اور فلسفہ سے بہت مشابہ ہے، کیونکہ لاتعین مطلق اور بے رنگی و مطلق بے شکلی دو صورتوں میں سے صرف ایک میں ممکن ہے ایک یہ کہ ایک موجود، کمال لا متناہی، موجود محض و بے پایان ہو یعنی ایسا وجود ہو کہ جس کی کوئی حد نہ ہو بلکہ وہ تمام زمان و مکان پر محیط ہو اور تمام موجودات پر اس کی حکمرانی ہو، جیسا کہ ذات پروردگار ہے، (لیکن) ایسی ذات کے لئے حرکت و ارتقاء محال ہے کیوں کہ حرکت وارتقاء نقص سے گزر کر کمال تک رسائی کا نام ہے جب کہ ایسی ذات میں کوئی نقص فرض نہیں کیا جا سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ایک موجود میں کوئی کمال نہ ہو اور اس کی کوئی حیثیت نہ ہو یعنی امکان محض، استعداد محض اور لافعلیت محض ہو، عدم سے قریب اور وجود حاشیہ پر واقع ہوا ہو اس کی کوئی حقیقت و ماہیت نہیں ہے (بلکہ) وہ ہر تعین کو قبول کر لیتا ہو ایسی ذات حالانکہ اپنی ذات میں محض لاتعین ہے ایک موجود کے تعین کے ضمن میں ہے باوجودیکہ وہ اپنی ذات میں بے رنگ اور بے شکل ہے اور ایک موجود کے طفیل میں رنگ دار اور شکل والا بن گیا ہے، ایسے موجود کو فلاسفہ نے ہیولی اولی یا مادۃ المواد کا نام دیا ہے۔ ہیولیٰ اولیٰ کا وجود نزولی مراتب میں وجود کے حاشیہ میں مستقر ہے اس تفاوت کے ساتھ کہ ذات باری تعالی وہ حاشیہ

Presented by www.ziaraat.com

ہے کہ جو تمام (متون) موجودات پر محیط ہے ۔

انسان تمام موجودات کی طرح دو حاشیوں کے درمیان واقع ہوا ہے وہ ہر قسم کے تعین سے خالی نہیں ہو سکتا ہے دنیا کے سارے موجودات سے انسان اس بات میں ممتاز ہے کہ انسان کے ارتقار کی کوئی حد نہیں ہے (دوسرے) تمام موجودات ایک معین حد میں رہتے ہیں اس سے تجاوز نہیں کر سکتے ہیں لیکن انسان کے لئے کوئی نقطۂ توقف نہیں ہے

انسان خاص طبیعت کا حامل ہے برخلاف ان فلاسفہ کے کہ جو ماہیت کو اصل قرار دیتے ہیں (نہ کہ وجود کو) اور ہر چیز کی ماہیت کو اس کی ذات کے مساوی قرار دیتے ہیں اور ہر ذاتی اور ماہیتی تغیر کو محال سمجھتے ہیں اور ہر قسم کے تغیر کو اشیاء کے اوپر عارض تصور کرتے ہیں:

مذکورہ بالا تفاوت کے باوجود انسان کی طبیعتِ وجودی تمام مادی طبیعت وجودی کی طرح سیال ہے، یعنی انسان کی حرکت وجنبش میں کوئی توقف کا نقطہ نہیں ہے ۔

قرآن کے بعض مفسرین نے آیۂ ۔ یا اھل یثرب لا مقام لکم بھا ۔ کے سلسلہ میں اپنی تاویلات اور تعبیروں میں (یثرب سے) یثرب انسانیت مراد لیا ہے کہا ہے کہ یہ انسان ہے کہ جس کی کوئی منزل معین ومعلوم نہیں ہے جتنا بھی آگے بڑھتا جائے گا اس کے آگے بھی ایسے جہاں نظر آتے جائیں گے کہ جن کی طرف وہ گامزن ہو سکتا ہے ۔

بہر حال ابھی اس سے ہماری بحث نہیں ہے کہ آیا قرآن کے سلسلہ میں ہم ایسی تاویلات کرنے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں، مقصد یہ ہے کہ علمائے اسلام

Presented by www.ziaraat.com

نے انسان کو ایسا سمجھا ہے۔ حدیث معراج میں ہے کہ جب جبرئیل نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا اگر ایک انگشت بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا اور رسول اس کے باوجود آگے بڑھ جاتے ہیں اس حقیقت میں ایک راز پوشیدہ ہے

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلامی علماء صلوات کے بارے میں کہ جو وجوب یا استحباب کے لحاظ سے ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم رسول اکرمؐ اور ان کی آل اطہار پر درود بھیجیں اور خدا سے ان کے لئے زیادہ سے زیادہ رحمت طلب کریں۔ بحث یہ ہے کہ آیا رسولؐ اکرم کہ جو کامل ترین انسان ہیں، پر صلوات بھیجنے میں کوئی فائدہ ہے؟ رسولؐ کی مزید ترقی کا امکان ہے؛ یا صلوات کا تعلق سو فیصد صلوات بھیجنے والے کے مفاد سے ہے اور رسولؐ کے لئے رحمت طلب کرنا تحصیل حاصل ہے؟

سید علی خان مرحوم نے شرح صحیفہ میں اس بحث کو چھیڑا ہے، کچھ علماء کا نظریہ ہے کہ رسولؐ ہر آن ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں اور ان کی ترقی کسی جگہ بھی متوقف نہیں ہوئی ہے۔

جی ہاں یہ ہے عظمت انسان جس نے انسان کو ایسا بنایا ہے وہ اس کا لاتعین محض نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا تعین ہے کہ جس کو فطرت انسان کہا جاتا ہے انسان کے لئے کوئی نقطۂ توقف اور بندش کی کوئی سرحد نہیں ہے جب کہ راستہ لامتناہی ہے قرآن نے انسان کی معین راہ پر، کہ جس کو صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔ بہت اعتماد کیا ہے انسان کی کوئی منزل ایسی نہیں ہے کہ جہاں پہنچ کر اسے توقف کرنا پڑے بلکہ اس کا ایک مدار ہے یعنی اسے خاص محور پر گردش کرنا چاہیئے انسان کی گردش کا محور انسانی کمال کا محور ہے نہ کہ کتے سور کا محور اور وہ لانُغ) اپنے اس محور سے جدا نہیں ہے

Presented by www.ziaraat.com

اگزیستانسیالیستی کا نظریہ

EXISTENTIALISAM

اس لحاظ سے اگزیستانسیالیستی پر کہ جو انسان کے لئے ہر رنگ و شکل کے تعین کا منکر ہے اور کسی بھی قید (خواہ وہ قید محور اور خاص راستہ ہی کیوں ہو) کو انسان کی انسانیت کے خلاف تصور کرتا ہے اور فقط مطلق العنانی آزادی سرکشی پر اعتماد کرتا ہے، لوگوں نے تنقیدیں کی ہیں اور کہا کہ اس فلسفے کا لازمہ اخلاق ہرج و مرج، مطلق العنانی اور ہر ایک ذمہ داری کی نفی ہے۔

کیا ارتقاء خود سے بے خود ہونے کا نام ہے؟

اب ہم اپنی پہلی بات کی طرف پلٹ سکتے ہیں اور (وہ یہ کہ) آیا ارتقاء کا لازمہ خود سے بے خود ہونا ہے؟ آیا ہر ایک چیز کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ چیز یا اپنی خودی پر برقرار رہے یا وہ ارتقاء کی راہ میں آگے بڑھ جائے؟ پس یا انسان کو انسان ہی رہنا چاہیئے یا ترقی کا خواہاں (اور کمال جو) بن جانا چاہیئے اور دوسرے میں تبدیل و تحویل ہو جانا چاہیئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی حرکت و ارتقاء یعنی کسی چیز کا اپنے فطری و طبعی کمال و غایت کی طرف بڑھنا دوسری عبارت میں (یہ کہا جائے) کہ ارتقائی سفر

Presented by www.ziaraat.com

طبیعت (فطرت) کی راہ مستقیم کسے کسی طریقہ سے اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ موجود واقعی اپنے غیر میں تبدیل ہو جائے ۔

جو واقعیت ایک موجود کو تشکیل دیتی ہے وہ اس کا وجود ہے نہ کہ اس کی ماہیت، ماہیت کی تغییر کسی بھی نہج سے خود سے ناخود میں تبدیل ہونے کو مستلزم نہیں ہے، اس بحث کے چیمپین صدر المتألہین اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ انسان کی کوئی مخصوص نوعیت نہیں ہے اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہر موجود مراتب ارتقاء میں ترقی کا طلبگار ہے ایک وجود ناقص کا رابطہ اپنے فطری غایت و کمال سے نہیں ہے، وہ اس طرح کا رابطہ ہے کہ جیسے خود سے خود کا رابطہ ہوتا ہو نہ کہ ایک شئی دوسری بیگانہ شئی سے رابطہ کے مثل ہے خودی ضعیف کا خودی واقعی سے رابطہ ہے۔ جہاں ایک چیز اپنے کمال واقعی کی طرف بڑھ رہی ہے وہاں وہ خود سے خود کی طرف بڑھ رہی ہے، دوسری عبارت میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ ناخودی سے خودی کی طرف بڑھ رہی ہے (ایک) بیج کہ جو زمین کا سینہ چاک کرتا ہے اور زمین سے اگتا اور رشد کرتا ہے، تناور، شاخ دار اور پھول پتیوں والا بن جاتا ہے وہ خودی سے ناخودی کی طرف نہیں گیا ہے اگر وہ خود آگاہ ہوتا اور اپنی غرض کا شعور رکھتا ہوتا تو اپنی خودی سے بیگانگی کا احساس نہ کرتا ۔

حقیقت یہ ہے کہ کمال واقعی سے عشق اپنے سے بلند تر سے عشق ہے، عشق ممدوح کے ساتھ خود خواہی بھی ممدوح ہوتی ہے

ان مقدمات کے بعد ہم اجمالی طور پر یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خدا جوئی،

---

۱ ممکن ہے یہاں لاشعوری مراد ہو یعنی لاشعوری طور پر اپنی ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے (مترجم)

Presented by www.ziaraat.com

سیر الی اللہ، خدا سے وابستگی اور تعلق، خدا کی بندگی اور خدا کے سامنے سراپا تسلیم ہونا ہر چیز کی تلاش، وابستگی، اور کسی چیز سے عشق و بندگی اور تسلیم میں زمین و آسمان کا فرق ہے، خدا کی بندگی عین آزادی ہے یہی وہ وابستگی اور تعلق ہے کہ جس میں جمود و ٹھہراؤ نہیں ہے یہ تن تنہا وہ غیر پرستی ہے کہ جس میں خود سے بے خود ہونا اور اپنے سے بیگانہ ہونا نہیں ہے: کیوں؟ اس لیے کہ وہ ہر موجود کا کمال ہے وہ تمام موجودات کا مقصد و مقصود ہے "وان الی ربك المنتہی" اب ہم اس نقطہ پر پہنچ گئے ہیں کہ جہاں اس بات کی وضاحت کر سکتے کہ قرآن کی زبان میں خدا فراموشی خود فراموشی، خدا کو کھو دینا تمام چیزوں کو گنوا دینا ہے اور اس سے رابطہ منقطع کرنا ہلاکت ہے۔

خود فراموشی

مجھے یاد ہے کہ تقریباً اٹھارہ سال قبل میں ایک خصوصی جلسہ میں قرآن کی چند آیات کی تفسیر بیان کر رہا تھا پہلی مرتبہ میرا سابقہ اس بات سے ہوا کہ قرآن مجید کبھی آدمیوں کے بارے میں خاص اصطلاحات و تعبیرات بیان کرتا ہے جیسے خود کو ہلاکت میں ڈال لینے یا خود فراموشی "یا" خود فروشی کے بارے میں فرماتا ہے

قد خسروا انفسہم وضل عنہم ما کانوا یفترون[1]

---

[1] اعراف آیت ۵۳۔

Presented by www.ziaraat.com

درحقیقت ان لوگوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا ہو
اوران کی ساری افترا پردازیاں غائب ہو گئی ہیں ۔

یا فرماتا ہے ۔

ان الخاسرین الذین خسروا انفسھم ۱
حقیقی خسارہ والے وہی ہیں جنھوں نے اپنے
نفس کو گھاٹے میں رکھا ۔

نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم ۲
جنھوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے خود ان کے
نفس کو بھی بھلا دیا ۔

ایک فلسفی کے لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان اپنی ذات کھو سکتا ہے؟ جب کہ اپنی ذات گنوانے اور اپنی شخصیت کو کھو دینے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ، ایک ہارنے والے کی دوسرے ہاری جانے والی چیز کی یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان خود کو گنوائے یا خود اپنی شخصیت کو کھو دے ؟ کیا یہ تناقض نہیں ہے ؟ اس طرح کیا (یہ) ممکن ہے کہ انسان خود کو فراموش کر دے اور خود کو بھلا دے ؟ بیدار مغز انسان خود (ہی) میں مستغرق ہوتا ہے اور ہر چیز کو اپنے طفیل میں موجود سمجھتا ہے تمام چیزوں سے پہلے اس کی توجہ اپنی ذات پر مرکوز ہوتی ہے پس خود کو فراموش کرنا یعنی چہ ؟

میں بہت دنوں کے بعد اس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ یہ مسئلہ معارف اسلامی

---

۱ زمر آیت ۱۵ ، ۲ حشر آیت ۱۹

Presented by www.ziaraat.com

میں خصوصاً دعاؤں اور بعض حدیثوں میں بلکہ خود عرفان اسلامی میں بھی اہمیت کا حامل ہے ۔ مجھے (ایسا) معلوم ہوا کہ انسان کبھی خود کو ناخود سے مشتبہ سمجھتا ہے اور ناخود کو خود سمجھ لیتا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو پھر وہ جو خود کے لیے کرتا ہے وہ درحقیقت ناخود کے لئے انجام دیتا ہے اور اپنی حقیقت کو بھور دمتروک اور مسخ کر دیتا ہے ۔ مثلاً انسان اپنے کو صرف ایک جسم سمجھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اپنے تن بدن کے لئے کرتا ہے اور خود کو گنوا دیتا ہے اور ناخود کو خود تصور کرتا ہے ۔ مولوی[1] کے بقول اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کی کسی علاقہ میں کچھ زمین ہے وہ زحمت برداشت کرتا ہے وہاں مصالح لے جاتا ہے بنیا درکھتا ہے ، مکان بناتا ہے ۔ رنگائی وغیرہ کرتا ہے فرش اور پردہ سے آراستہ کرتا ہے لیکن جس روز اس میں منتقل ہونا چاہتا ہے اس روز معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ ہم نے مکان بنایا اور آراستہ و پیراستہ کیا ہے وہ جگہ کسی اور کی ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ہماری زمین تو اس زمین کے کنارے ایسی ہی پڑی ہے ۔

اس سلسلہ میں حضرت علیؑ نے ایک بہت ہی جالب اور عمیق جملہ فرمایا ہے

عجبت لمن ینشد ضالتہ وقد اضل نفسہ

فلا یطلبھا[2]

مجھے اس شخص پر تعجب ہے کہ جو اپنی گمشدہ چیز کو تو تلاش کرتا ہے لیکن وہ خود گمشدہ کو تلاش

---

[1] ایران کا مشہور شاعر [2] غرر ج ۴ صفحہ ۳۴۰

Presented by www.ziaraat.com

نہیں کرتا ہے

خود فراموشی و خودگم کردگی اس بات میں منحصر نہیں ہے کہ انسان اپنی ماہیت میں اشتباہ کرے مثلاً کبھی اہل سلوک (عرفا و متصوفین) کی طرح بدن جسمانی اور بدن برزخی میں اشتباہ کرے۔

جیسا کہ پہلی فصل میں ہم کہہ چکے ہیں کہ ہر موجود اپنی فطری ارتقا کی راہ کمال کو طے کررہا ہے درحقیقت وہ خود سے خود ہی کی طرف سفر کررہا ہے یعنی خودی ضعف سے خودی قوی کی طرف گامزن ہے۔

اس بنا پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جو موجود اپنی حقیقی راہ ارتقا سے انحراف کرتا ہے وہ خود سے ناخودی کی طرف جاتا ہے، یہ انحراف تمام موجودات سے زیادہ انسان میں موجود ہے کہ جو آزاد و مختار ہے انسان جس انحرافی غایت کو بھی منتخب کرتا ہے وہ درحقیقت اسے اپنا واقعی مقام تصور کرتا ہے۔ یعنی ناخودی کو خودی تصور کرتا ہے اور مادیات میں محو اور فانی ہونے کی مذمت اسی جہت سے کی گئی ہے۔

پس انحرافی اغراض و مقاصد رکھنا ان اسباب میں سے ایک ہے جس سے انسان خودی سے ناخودی میں پہونچ جاتا ہے اور نتیجہ میں اپنی حقیقت کو فراموش کردیتا ہے۔ انحرافی اغراض و مقاصد رکھنا فقط اس بات کا سبب نہیں ہے کہ انسان خود کو گم کرنے والی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا نتیجہ اور کچھ برآمد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی حقیقی ماہیت مسخ ہو جاتی ہے اور اس چیز میں تبدیل ہو جاتی ہے (جس سے رابطہ قائم کیا ہے)

اس سلسلے میں معارف اسلامی میں ایک وسیع باب ہے کہ انسان

Presented by www.ziaraat.com

جس چیز سے انس و عشق رکھتا ہوگا وہ اسی کے ساتھ محشور ہوگا۔
ہماری احادیث کی کتابوں میں وارد ہوا ہے کہ!

من احب حجراً حشرہ اللّٰہ معہ [1]

جو شخص جس چیز کو دوست رکھتا ہوگا اگرچہ وہ پتھر
ہی کو دوست رکھتا ہوگا تو اسی پتھر کے ساتھ
محشور ہوگا

جو چیز اسلامی معارف کے مسلمات و قطعیات سے تعلق رکھتی ہے وہ قیامت کے روز اعمال اور ان چیزوں کا مجسم ہونا ہے کہ جو انسان کو دنیا میں محبوب تھیں، ان چیزوں کو مد نظر رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے اور ان چیزوں کے ساتھ محشور ہونے کی علت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ انسان ان چیزوں کے ساتھ محشور ہوگا جن سے دنیا میں وہ عشق و علاقہ رکھتا تھا اس کی علت حقیقت میں یہ ہے کہ وہ چیز آدمی بن جاتی ہے، ہر چند وہ غایت انحرافی ہوگی لیکن وہ اس بات کا سبب بنے گی کہ انسان کی حقیقت و واقعیت اس میں تبدیل ہو جائے۔ اس سلسلہ میں اسلامی حکماء کے بہت دلچسپ کلمات ہیں جن سے فی الحال بحث نہیں کی جا سکتی ہے۔

---

[1] سفینۃ البحار مادہ حبب

Presented by www.ziaraat.com

خود کو پانا خدا کو پانا

اپنی بازیابی، کے علاوہ ان دو جہتوں کے لئے ایک شرط اور بھی ہے اور وہ ہے خالق (علت اور کائنات اور اپنے پیدا کرنے والے کی معرفت کے بغیر صحیح طور پر اپنے کو نہیں پہچانا جا سکتا ہے ہر موجود کی علت واقعی اس کے وجود سے مقدم ہے جو خود اس (معلول) سے زیادہ اس کے قریب ہے ۔

ونحن اقرب الیه من حبل الورید [1]

اور ہم ان کی رگ گردن سے زیادہ قریب ہیں

واعلموا ان اللّٰہ یحول بین المرء وقلبه [2]

اور یاد رکھو کہ خدا انسان اور اس کے دل کے درمیان

حائل ہو جاتا ہے ۔

اسلامی عرفا اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ معرفۃ النفس اور معرفۃ اللّٰہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے، اپنے نفس کا مشہود قرآن کی تعبیر کے لحاظ سے ذات حق کے مشہود کو مستلزم ہے، عرفا حکما کو معرفۃ النفس کے سلسلہ میں خطا کار ٹھہراتے ہیں اور ان کی باتوں کو کافی نہیں سمجھتے ہیں یہ مطلب اس سے زیادہ بحث کا محتاج ہے کہ جو اس مقالہ کی سطح سے باہر ہے (فی الحال) ہم اس بحث میں

---

[1] ق آیت ۱۶ [2] انفال آیت ۲۴

Presented by www.ziaraat.com

پڑنے سے پرہیز کرتے ہیں اجمالی طور پر ہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ خودشناسی خداشناسی سے ہرگز جدا نہیں ہے اور رسول اکرمؐ کے مشہور جملہ کے یہی معنی ہیں کہ جو مکرر حضرت علیؑ سے بھی نقل ہوا ہے۔

من عرف نفسه عرف ربه

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کا وہ جملہ موجود ہے کہ جو آپ نے لوگوں کے اس سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ هل رأیت ربك؟ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟

آپ نے فرمایا:

افا عبد مالا اریٰ؟ کیا جس کو میں نہیں دیکھتا ہوں اس کی عبادت کرتا ہوں۔

پھر اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

لا تراه العیون بمشاهدة العیان ولکن تدرکه القلوب بحقائق الایمان

ہرگز اسے آنکھیں نہیں دیکھتیں بلکہ دل ایمانی حقیقتوں سے اسے پہچانتے ہیں۔

بہت ہی دلچسپ اور جاذب نظر نکتہ جو قرآن کی تعبیرات سے سمجھ میں آتا

---

1 نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۷

Presented by www.ziaraat.com

ہے وہ یہ ہے کہ وہ انسان خود کو محفوظ رکھے ہوئے ہے اور اس نے اپنے کو برباد نہیں کیا ہے کہ جس کے پاس خدا (پر ایمان) ہے وہ خود کو اس وقت یاد رکھتا ہے اور فراموش نہیں کرتا ہے کہ جب اس نے خدا سے غفلت نہ کی ہو۔ اور اس کو فراموش نہ کیا ہو (کیونکہ) خدا کو فراموش کرنے کا لازمہ خود فراموشی ہے ۔

ولاتکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰیھم [1]

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے

خدا کو بھلا دیا تو خدا نے خود ان کے نفس کو بھی بھلا دیا

حافظ کہتے ہیں کہ اگر ہمیشہ اس کے سامنے رہنا چاہتے ہو تو اس سے مخفی نہ رہو یہاں سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یاد خدا میں دلوں کی زندگی کیوں ہے یاد خدا میں دلوں کا نور ہے روح کی تسکین ہے یہی یاد انسان کے ضمیر کی جلد اور صفائے قلب کا موجب ہے ، انسان کے لئے بیداری ، آگاہی اور ہوشیاری کا باعث ہے ، حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں ۔

انّ اللہ تعالیٰ جعل الذکر جلاءً للقلوب تسمع

بہ بعد الوقرۃ ، وتبصر بہ بعد العشوۃ وتنقاد

بہ بعد المعاندۃ وما برح للہ عزت اٰلائہ

فی البرھۃ بعد البرھۃ وفی ازمان الفترات

رجال ناجاھم فی فکرھم وکلّمھم فی ذات

عقولھم فاستصبحوا بنور یقظۃ فی الاسماع

---

[1] حشر آیت ۱۹

Presented by www.ziaraat.com

والابصار والافئدة تلہ [1]

بے شک خدا نے اپنی یاد کو دلوں کا نور قرار دیا ہے جس کے باعث وہ اوامر و نواہی سے بے بہرا ہونے کے بعد سننے لگے اور اندھے پن کے بعد دیکھنے لگے اور دشمنی و عناد کے بعد فرمانبردار ہوگئے یکے بعد دیگرے ہر عہد اور انبیاء سے خالی دور میں رب العزت کے کچھ مخصوص بندے ہمیشہ موجود رہے ہیں کہ (وہ) جن کی فکروں میں سرگوشیوں کی صورت میں (حقائق و معارف کا) القا کرتا ہے اور ان کی عقلوں سے الہامی آوازوں کے ساتھ کلام کرتا ہے چنانچہ انھوں نے اپنی آنکھوں، کانوں اور دلوں میں بیداری کے نور سے "ہدایت و بصیرت کے" چراغ روشن کیے۔

اپنی بازیابی میں عبادت کا اثر

عبادت کے سلسلہ میں اس قدر کلمات ہیں کہ اگر میں ان سب کو جمع کردں

1. نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۰

Presented by www.ziaraat.com

تو دسیوں مقالوں کا مواد فراہم ہو جائے اختصار کے پیش نظر یہاں فقط ایک مطلب کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اور وہ ہے اپنی بازیابی میں عبادت کا اثر۔

جس طرح مادیات میں غرق ہونا اور اسی کو سب کچھ سمجھنا انسان کو اپنے سے بیگانہ بنا دیتا ہے اسی تناسب سے عبادت بھی انسان کو اس کی حقیقت کی طرف لوٹا دیتی ہے۔

عبادت انسان کو ہوش میں لاتی اور اسے بیدار کرتی ہے مادی چیزوں میں ڈوبے ہوئے انسان کو اسی طرح نجات دلاتی ہے جس طرح پانی میں ڈوبتے ہوئے انسان کو گرداب سے نجات دلائی جاتی ہے، یہاں بھی غفلتوں کے بحر بیکراں سے نجات دلائی جاتی ہے عبادت اور یاد خدا کا پرتو ہی انسان کو اصل انسان کی شناخت کراتا ہے، انسان اپنی خامیوں اور نقائص سے آگاہ ہو جاتا ہے اور بلندی سے دنیا، زندگی، زمان و مکان کا نظارہ کرتا ہے عبادت میں وہ صلاحیت ہے جس سے انسان آرزوؤں، امیدوں کی حقارت و پستی اور مادہ کی محدودیت کو دیکھتا ہے اور خود کو ہستی کے قلب میں اتار دینے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔

میں ہمیشہ اپنے زمانہ کے مشہور مفکر انیشٹائن کی بات پر تعجب کرتا ہوں تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ فیزیک و ریاضی کے ماہر ہیں نہ کہ نفسیاتی، انسانی مذہبی اور فلسفی مسائل کے ماہر وہ مذہب کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد تیسری قسم کے مذاہب کو کہ جو حقیقی مذہب ہے مذہب ہستی یا مذہب وجود کا نام دیتا ہے اور مذہب حقیقی میں انسان کے جو جذبات و احساسات ہوتے ہیں ان کے بارے میں کہتا ہے کہ:

Presented by www.ziaraat.com

اس مذہب میں شخص امیدوں اور مقاصد کا حقیر،
معمولی پن اور طبیعت وافکار میں ظاہر ہونے والی
موجودات عالم سے ماوراء قوت کی عظمت وجلالت
کو محسوس کرنے لگتا ہے وہ اپنے وجود کو ایک
قسم کا قیدخانہ تصور کرتا ہے اور اس قفس عنصری
سے اڑ جانا چاہتا ہے اور اپنی پوری ہستی کو ایک
حقیقت واحدہ کے عنوان سے درک کر لیتا ہے[1]
ولیم جیمز دعا کے بارے میں کہتا ہے۔
دعا کا محرک اس امر کا لازمی نتیجہ ہے ہر شخص
عملی اور اختیاری خودیوں اس کے درونی ترین
حصے سے تعلق ہونے کے باوجود خودی اجتماع کی
ایک قسم ہے جہاں انسان مصائب کامل کو تلاش
کر سکتا ہے زیادہ تر لوگ خواہ مستقل طور پر خواہ
اتفاقی طور پر دل ہی دل میں اس کی طرف رجوع
کرتے ہیں روئے زمین پر پائی جانے والی حقیر
سے حقیر فرد بھی اس عالی ذات کی طرف توجہ کے
ذریعہ اپنے کو حقیقی اور باقیمت بنا لیتا ہے[2]
عبادت و دعا کی اہمیت، خودی کی بازیابی کے سلسلہ میں اقبال لاہوری نے

1۔ دنیائی کہ من بینم صفحہ ۵۷ 2۔ احیائے فکر دینی صفحہ ۱۰۵

Presented by www.ziaraat.com

بہترین بات کہی ہے جس کو نقل نہ کرنا ناانصافی ہے وہ کہتے ہیں :

روحانی اشراق اور الٰہی وابستگی کے ساتھ کی جانے والی
دعا ایک ایسا رائج اور زندگی بخش عمل ہے کہ
جس کے ذریعہ ہماری شخصیت اپنے چھوٹے سے جزیرہ میں رہتے
ہوئے زندگی کی تمام عظیم و لذت بخش کیفیتوں کا انکشاف کرتی ہے

اس طویل بحث کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں ۔

---

۱ احیائے فکر دینی صفحہ ۱۰۵

Presented by www.ziaraat.com

چند نکات

اب جب کہ "ہماری بحث .. "دنیا نہج البلاغہ کی نظر میں" تقریباً ختم ہونے والی ہے ہم چند دیگر مسائل کو پیش کر رہے ہیں اس سلسلہ میں اپنی پرانی روش کو برقرار رکھتے ہوئے تفصیل بحث کریں گے ۔

دنیا و آخرت کا تضاد

بعض دینی آثار سے " دنیا اور آخرت کے درمیان تضاد کی بو آتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ دنیا اور آخرت سوتن کے مثل ہیں کہ جن میں آپس میں کبھی بھی نہیں بنتی " یا یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں مشرق و مغرب کی طرح ہیں کہ جن کی قربت عین دوری ہے

کس طرح ان تعبیرات و اصطلاحات کی توجیہہ کی جائے کہ جس سے ہمارے پہلے اور اس بیان میں مطابقت ہو جائے ؟

اس سوال کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اولاً اسلام کے بہت سے آثار میں اس بات کی وضاحت ہوئی ہے بلکہ اسلام کے ضروریات و مسلمات میں سے ہے کہ دنیا و آخرت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اور دونوں سے

Presented by www.ziaraat.com

ایک ساتھ استفادہ کرنا ممکن ہے البتہ دونوں کو ایک ساتھ مقصد حقیقی قرار دینا ناممکن ہے ۔

دنیا سے استفادہ کرنے کا لازمہ آخرت سے محرومیت نہیں ہے بلکہ آخرت سے محرومیت کا سبب تباہ کن گناہ ہوتے ہیں نہ کہ عیش و آرام اور پاک و حلال نعمتوں کا استعمال، جس طرح کہ تقویٰ، عمل صالح، ذخیرۂ آخرت دنیا سے محرومیت کا سبب نہیں ہیں بلکہ اس کے دوسرے اسباب ہیں ۔

بہت سے پیغمبر، امام اور اللہ کے نیک وصالح بندے گزرے ہیں کہ جن کی خوبیوں میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے انھوں نے دنیا کی حلال نعمتوں سے خوب استفادہ کیا ہے ۔

اس کے باوجود اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ بعض جملوں سے دنیا و آخرت دونوں کے ایک ساتھ استعمال میں تضاد ہے تو یہ دلیل قطعی کے مخالف اور ناقابل قبول نہیں ہے ۔

ثانیاً اگر ان تعبیرات میں صحیح طریقہ سے غور کیا جائے تو اس سلسلہ میں ایک لطیف فکر سامنے آئے گی اور ان تعبیرات و قطعی اصول کے درمیان کسی قسم کی منافات باقی نہیں رہ جائے گی اس فکر کی وضاحت کے لئے ہم ایک چھوٹا سا مقدمہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ یہاں تین قسم کے رابطے موجود ہیں جن کی چھان بین کی جائے

(۱) دنیا و آخرت سے استفادہ کے درمیان رابطہ

(۲) دنیا و آخرت کو مقصد و ہدف بنانے کے درمیان رابطہ

(۳) ایک کو ہدف بنانے اور دوسرے سے استفادہ کے درمیان رابطہ ۔

Presented by www.ziaraat.com

پہلے رابطہ میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ لہذا دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے

دوسرے رابطہ میں تضاد موجود ہے اور دونوں کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے

لیکن تیسرے رابطہ میں یک طرفہ تضاد ہے یعنی دنیا کو مقصد اور ہدف اصلی بنائے اور آخرت کا بھی حامل ہو تو اس میں تضاد ہے لیکن آخرت کو مقصد و ہدف بنائے اور دنیا بھی حامل ہو تو اس صورت میں تضاد نہیں ہے

تابعیت و متبوعیت کا رجحان

دنیا اور آخرت کے درمیان اس حیثیت سے تضاد کہ ایک کو ہدف بنائیں اور دوسرے سے بھی استفادہ کریں تو یہ تضاد ایسا ہی ہے جیسا کہ کامل و ناقص کے درمیان ہوتا ہے کہ ناقص کو ہدف بنانا کامل سے محرومیت کا باعث ہوتا ہے لیکن کامل کو ہدف بنانا نہ تنہا ناقص سے محرومیت نہیں ہے بلکہ ناقص سے شائستہ اور انسانیت کے اعلیٰ انداز سے فائدہ اٹھانا ہے جیسا کہ تابع (یعنی جو اتباع کرے) اور متبوع (جس کی اتباع کی جائے) کا حال ہے کہ اگر انسان کا مدنظر تابع سے استفادہ کرنا ہے تو متبوع سے محروم ہو جائے گا لیکن اگر متبوع سے استفادہ کرنا مقصد ہوگا تو تابع خود اس کے زمرہ میں آجائے گا نہج البلاغہ حکمت نمبر ۲۶۹ میں یہ بات نہایت نفیس انداز میں بیان ہوئی ہے:۔

"الناس فی الدنیا عاملان: عامل عمل فی الدنیا

للدنیا قد شغلته دنیاه عن آخرته یخشی

Presented by www.ziaraat.com

علی من یخلفه الفقر یأمنه علی نفسه فیفنی عمرہ فی منفعة غیرہ ۔ وعامل عمل فی الدنیا لما بعدها فجاءہ الذی له من الدنیا بغیر عمل ، فاحرز الحظین معاً وملك الدارین جمیعاً فاصبح وجیهاً عند اللہ لا یسأل اللہ حاجة فیمنعه"

عمل اور مقصد کے اعتبار سے دنیا میں دو طرح کے لوگ ہوئے ہیں ایک وہ ہے کہ جو دنیا کے لئے سرگرم رہتا ہے اور مادیات میں الجھا رہتا ہے اور اسے دنیا نے آخرت سے روک رکھا ہے اس لئے دنیا کے علاوہ نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ ہی کچھ پہچانتا ہے وہ اپنے پسماندگان کے فقر و فاقہ کا خوف کرتا ہے لیکن اسے اپنی تنگدستی اور مشکلات کی فکر نہیں رہتی تو دوسروں کے فائدہ ہی میں اس کی پوری عمر کٹ جاتی ہے ایک وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اس کے بعد کی منزلوں کے لئے عمل کرتا ہے تو اسے تگ و دو کئے بغیر دنیا بھی حاصل ہو جاتی ہے اس طرح وہ دونوں حصوں کو سمیٹ لیتا ہے اور دونوں گھروں کا مالک بن جاتا ہے پس وہ اللہ کے نزدیک

Presented by www.ziaraat.com

باوقار ہوتا ہے اور جو بھی خدا سے مانگتا ہے اس
کو عطا کرتا ہے۔

مولوی نے (جو ایران کا مشہور شاعر ہے) اچھی تشبیہ دی ہے جیسے آخرت اور دنیا کو اونٹ کی قطار اور اونٹ کی مینگنی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کا مقصد اونٹ رکھنا ہو تو لا محالہ اس کے پاس اونٹ کے بال اور مینگنی بھی ہوگی لیکن اگر کسی کا مقصد صرف اونٹ کے بال اور مینگنی رکھنا ہو تو وہ ہرگز اونٹ کا مالک نہیں ہو سکتا۔ دوسرے صاحب شتر ہوں گے اور وہ دوسروں کے اونٹ کے بال اور مینگنی سے استفادہ کرے گا دنیا و آخرت تابع اور متبوع ہیں دنیا کو اپنانا تابع کو اپنانا ہے اور اس کا نتیجہ آخرت سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے لیکن آخرت کو اختیار کرنا متبوع کو اختیار کرنا ہے کہ جس میں خود بخود دنیا کھنچ کر چلی آتی ہے یہ وہ تعلیم ہے کہ جس کی ابتداء قرآن سے ہوئی ہے سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۴۵ تا ۱۴۸ میں یہ بات واضح الفاظ میں موجود ہے اور سورۂ اسراء کی آیت ۱۸ - ۱۹ اور سورۂ شوریٰ کی آیت ۲۰ میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہے:

ایسے رہو جیسے ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور ایسے رہو کہ جیسے کل مرجانا ہے

ایک مشہور حدیث ہے کہ جو حدیث وغیر حدیث کتب میں موجود ہے اور آپ نے امام حسنؑ کو جو وصیت فرمائی ہے اس میں بھی ایسا ہی جملہ

Presented by www.ziaraat.com

موجود ہے

کن لدنیاک کانک تعیش ابداً وکن لآخرتک

کانک تموت غداً [1]

اپنی دنیا کے لئے ایسے رہو جیسے ہمیشہ باقی رہو

گے اور اپنی آخرت کے لئے اس طرح رہو کہ

جیسے کل موت سے ہمکنار ہو جاؤ گے ۔

یہ حدیث مختلف آرا، اور متضاد عقائد کا نشانہ بنی رہی ہے کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے کاموں میں "اطمینان" سے کام لو (جلدی) نہ کرو، زندگانی دنیا کا جب کوئی کام پیش آئے تو کہو، بہت وقت ہے، لیکن آخرت کے بارے میں یہ فکر رہے کہ ایک دن سے زیادہ وقت نہیں ہے جب بھی آخرت کے امور پیش آئیں تو کہو وقت تنگ ہے دیر ہو رہی ہے۔ دوسرے افراد کہ اس نقطۂ نظر کے تحت کہ اسلام سستی و کاہلی کا حکم نہیں دیتا اور ادلیا، اللہ کی ہرگز یہ سیرت نہیں تھی۔ کہتے ہیں کہ دنیا کے کاموں میں سدا یہ تصور رہے کہ ہمیشہ باقی رہنا ہے، پس کسی بھی صورت میں اس کو چھوٹا ہلکا اور وقتی نہ سمجھو اور عمر کی بے اعتباری کو بہانہ بنا کر اس کو سرسری طور پر انجام نہ دو بلکہ ان کاموں کو ٹھوس اور مستقبل پر نگاہ رکھ کر پورے انہماک کے ساتھ انجام دو کہ جیسے ہمیشہ رہنا ہے اگر بالفرض تم بھی مر گئے تو آنے والی نسلیں اس سے فائدہ اٹھائیں گی لیکن آخرت خدا کے ہاتھ میں ہے ہر وقت یہی تصور ذہن میں رہے کہ کل مر جائیں گے۔ فرصت بالکل نہیں ہے ۔

---

[1] وسائل جلد ۲ صفحہ ۵۳۵ چھاپ امیر بہادر (حدیث ۲ از باب ۲۸ از ابواب مقدمات تجارت)

Presented by www.ziaraat.com

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان دو تفسیروں میں سے ایک یہ کہتی ہے کہ دنیا کے کاموں کے لئے غیر ذمہ دارانہ روش اپناؤ ان کو اہمیت نہ دو۔ اور دوسری تفسیر آخرت کے لئے یہی کہتی ہے ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی بھی تفسیر کو قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔

دنیا کے امور اور آخرت کے کاموں کو توجہ سے انجام دینے اور ان کاموں میں سہل انگاری و بے توجہی اور تساہل سے روکنے کے لئے میری نگاہ میں یہ بہترین حدیث ہے۔

اگر انسان کسی گھر میں زندگی بسر کر رہا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ دیر یا سویر اس گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونا ہے کہ جس گھر میں وہ ہمیشہ رہے گا لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس گھر سے کس دن، کس مہینہ، کس سال نئے گھر میں منتقل ہوگا، تو اس شخص کے ذہن پر شش و پنج کی کیفیت طاری رہے گی کہ اس گھر کے امور کو انجام دے یا جہاں منتقل ہوں گے وہاں کے کاموں کو انجام دے۔

اگر یہ جان لے کہ کل اس گھر سے چلے جانا ہے تو ہرگز وہ اس گھر کے اصلاح کی فکر نہیں کرے گا بلکہ اس کی کوشش یہی ہوگی کہ دوسرے گھر کی تمام ضروریات اور مقدمات کو فراہم کرلے۔ اور اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ چند سال کے بعد اس گھر سے دوسرے مکان میں منتقل ہونا ہے تو اس کے برعکس عمل کرے گا، وہ کہے گا کہ اس وقت یہ ضروری ہے کہ ہم اسی مکان کو درست کریں۔ اس گھر کے لئے بہت وقت ہے۔

جب یہ شخص شش و پنج کی زندگی گزار رہا ہے اور یہ نہیں جانتا ہے کہ ابھی دوسرے مکان میں منتقل ہونا ہے یا ابھی چند سال اسی گھر میں زندگی بسر کرنا ہے

Presented by www.ziaraat.com

ایک عاقل انسان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس گھر کے امور کے لئے کہ جس میں ابھی موجود ہے

یہ فرض کرلو کہ اس میں ہمیشہ رہنا ہے اور اس میں تعمیر اور مرمت کی ضرورت ہے تو انجام دو لیکن دوسرے گھر کے لئے یہ سوچو کہ کل اس میں منتقل ہونا ہے تو جتنی جلدی ہو سکے اس گھر کی ضروریات کو فراہم کرو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان دونوں کاموں کو سنجیدگی اور محنت کے ساتھ انجام دے گا۔

فرض کیجئے کہ ایک انسان علم حاصل کرنا یا کتاب لکھنا یا کوئی ادارہ بنانا چاہتا ہے کہ جس میں سالہاسال صرف ہوں گے، تو اگر وہ انسان یہ جان لے کہ اس کی زندگی وفا نہ کرے گی اور اس کا کام ادھورا رہ جائے گا تو وہ ہرگز ایسے کاموں میں ہاتھ نہ ڈالے گا ایسے موقع پر لوگ کہتے ہیں کہ یہ خیال کرو کہ تمہاری عمر بہت ہے، لیکن یہی شخص اگر توبۃ اللہ اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی یا اس کام میں کہ جس کے لئے ایک لمحہ مل جائے تو کافی ہے اس کے لئے یہ سوچے کہ آج نہ ہوا تو کل، کل نہ ہوا تو پرسوں انجام دے دے گا، ممکن ہے کہ انسان آج کے کام کو کل پر اور کل کے کام کو پرسوں پر ٹال دے لیکن اگر کل اور پرسوں نہ آئے تو کیا ہوگا تو ایسے امور میں پہلی قسم کے برخلاف عمل کرنا ہوگا اور اس فرض کا نتیجہ کہ عمر بہت باقی ہے، وقت بہت ہے، تساہل، تاخیر، ترک عمل ہوگا، یہاں انسان کو یہ فرض کرنا چاہئے کہ وقت بالکل نہیں ہے ایک لمحہ کی بھی فرصت باقی نہیں رہ گئی ہے معلوم ہوا بعض جگہوں پر اس فرض کا نتیجہ کہ وقت بہت ہے، کاموں کی تشویق ہے اور اس فرض کا نتیجہ کہ "وقت تنگ ہے" اقدام سے روک دیتا ہے اور بعض موارد میں بالکل اس کے برعکس ہے یعنی اگر یہ فرض کرے گا کہ وقت بہت ہے

Presented by www.ziaraat.com

تو سستی، ترک عمل سامنے آئے گا، اور یہ فرض کرے گا کہ وقت بہت کم ہے تو کاموں میں مشغول ہو جائے گا۔ تمام افق الگ الگ ہیں اور موقع کے مطابق وہ بات فرض کرے کہ جس سے امور انجام پذیر ہو سکیں۔

علما اصول کی اصطلاح میں، زبان دلیل، زبان "تنزیل" ہے لہذا کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دو "تنزیل" دو جہتوں سے ایک دوسرے کی مخالف ہوں اس لحاظ سے حدیث کا لب لباب یہ ہوگا کہ بعض کاموں میں اصل "بقا" حیات کا دوام ہے" اور بعض کاموں میں اصل "عدم بقا، عمر اور اس کا مختصر ہونا ہے میں نے روایت کے جو معنی بیان کئے ہیں یہ توجیہ بلا دلیل نہیں ہے بلکہ دوسری روایتیں بھی پائی جاتی ہیں کہ جو تقریباً اس کے مفہوم کو روشن کرتی ہیں چوں کہ اس حدیث کے مفہوم میں اختلاف ہو گیا ہے۔ اسی لئے ان احادیث کی طرف لوگوں نے توجہ نہیں کی ہے۔

سفینۃ البحار میں مادہ افق میں رسول اکرم سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے جابر سے خطاب فرمایا:۔

ان ھذا الدین لمتین فاوغل فیہ برفق فاحرث
حرث من یظن انہ لا یموت واعمل عمل من
یخاف انہ یموت غداً

اس دین میں ثبات اور پائیداری سے اپنے کو
خشمگین نہ کرو بلکہ فروتنی کا مظاہرہ کرو۔۔۔۔
اس شخص کی طرح کھیتی کرو جو یہ سمجھتا ہے کہ موت
اس کے دامن گیر نہ ہوگی اور اس شخص کی طرح عمل

Presented by www.ziaraat.com

کرو کہ جس کے دل میں یہ خوف بیٹھ چکا ہے کہ کل اسے مرجانا ہے ۔
بحار جلد ۱۵ بحث اخلاق باب ۲۹ میں کافی سے منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے مولائے کائنات سے فرمایا:

ان ھذا الدین متین ... فاعمل عمل من یرجوا
ان یموت ھرما واحذر حذر من یتخوف انہ
یموت غدا

اسلام ثابت اور استوار دین ہے جب عمل کی دنیا
میں آؤ تو اس امید کے ساتھ کہ بوڑھا ہونے کے
بعد موت آئے گی اور جب احتیاط کی دنیا میں قدم
رکھو تو اس انسان کی مانند کہ جس کو یہ خوف ہے کہ
کل مرجائے گا ۔

یعنی جب کسی مفید کام کا آغاز کرو کہ جس کے لئے عمر طویل درکار ہے تو یہ سوچو کہ عمر بہت دراز ہے لیکن اگر کسی کام کے لئے وقت کی فراوانی اور فرصت کی زیادتی کو بہانہ بنا کر اس کو دوسرے وقت پر ٹالنے کا ارادہ ہو تو یہ سوچو کہ کل مرجائیں گے ۔ وقت کو غنیمت جانو دیر نہ کرو ۔
نہج الفصاحۃ میں رسول اکرمؐ سے منقول ہے ۔

اصلحوا دنیاکم و اعملوا لآخرتکم کانکم تموتون
غدا ۔

اپنی دنیا کو آراستہ کرو اور آخرت کے لئے اس
طرح تیار رہو کہ جیسے کل مرجاؤ گے ۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اعمل عمل امرء یظن انہ لن یموت ابدا

واحذر حذر امرء یخشی ان یموت غدا

اس انسان کی طرح عمل کرو جو یہ گمان کرتا ہے
کہ اسے موت نہیں آئے گی اور اس انسان کی طرح
ڈرو کہ جسے اس بات کا خوف لاحق ہے کہ کل مر جائے
گا۔

رسول اکرمؐ سے دوسری حدیث بھی بیان ہوئی ہے:

اعظم الناس هماً المؤمن، یهتم بامر دنیاه وامر
آخرته۔

لوگوں میں سب سے زیادہ گرفتار مومن ہے کہ وہ
دنیا کے کاموں پر نگاہ رکھے اور آخرت بھی
سنوارے

سفینۃ البحار (شیخ عباس قمی نے) مادہ "نفس" میں تحف العقول سے امام کاظم علیہ السلام کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ آپ نے اس کو اہلبیتؑ کی مسلم روایات میں سے ایک قرار دیا ہے:

لیس منا من ترک دنیاه لدینه او ترک دینه
لدنیاه

جو دنیا کے لیے دین اور دین کے لیے دنیا کو چھوڑ
دے وہ ہم میں سے نہیں ہے

Presented by www.ziaraat.com

ہمارے پورے بیان سے یہ بات سامنے آگئی کہ جن مفاہیم کو ہم نے ان تعبیرات کے ذریعہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے اولیاء دین کے یہاں بھی یہ رائج رہی ہیں ۔

تمّت بالخیر

Presented by www.ziaraat.com

مجمع جهانی اهل بیت (ع)

ISLAMIC REPUBLIC OF IRAN TEHRAN P.O.Box 15815/3516 GHOM P.O.Box 37185/837

Presented by www.ziaraat.com